50/2

ماؤزے تنگ

ایک عظیم ایشیائی رہنما کی سوانح عمری

سٹیوورٹ شریم ترجمہ: انتظار حسین



50/=

رفیع الدین ہاشمی
سرگودھا ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء

ماؤزے تنگ

کسی معیار سے بھی دیکھا جائے، ماؤزے تنگ کا شمار جدید عہد کے عظیم ترین اور غیر معمولی مدبّروں میں ہوتا ہے۔ ممتاز شاعر، اہم سیاسی مفکّر اور زبردست فوجی ماہر کی حیثیت سے ماؤ نے جس کا تین ہزار میل لمبا کوچ آج ایک داستان بن گیا ہے، اپنی زندگی چین اور چینی کسانوں کی نذر کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عوامی جمہوریہ چین نے ترقی پذیر ممالک کیلئے انقلاب کی ایک نئی صورت پیش کی ہے۔ جو جد وجہد ماؤ نے چین کی عظمت کے حصول کیلئے کی، اور مارکسیت کو جو نئے مفاہیم اس نے عطا کئے، انہیں ایشیائی امور کے ماہر سٹیورٹ شرم نے، افسانے سے حقیقت کو الگ کرتے ہوئے ماؤ کے اس نئے سوانح حیات میں پیش کیا ہے۔

ماؤزے تنگ

مصنف : سیٹورٹ شریم

ترجمہ : انتظار حسین

نگارشات

۱۷۶ - انارکلی ، لاہور

Mao Tse-tung first published by Penguin Books Ltd. Harmondsworth, Middlesex, England.

طبع اوّل ——— اکتوبر ۱۹۶۷ء

ناشر ——— نگارشات پبلشرز

مطبع ——— علمی پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت ——— ۴/۵۰ روپے

اظہارِ امتنان

ویسے تو ہر تاریخ نگار یا سوانح نگار اُن حضرات کی تنقید یا تجاویز کے لئے ممنون ہوتا ہے جنہوں نے کسی خاص عہد کے کسی حصّے کا گہرا مطالعہ کیا ہوّا ہو، تاہم اس کتاب کے نفسِ مضمون کی نوعیت ایسی ہے کہ مجھے اپنے بہت سے دوستوں کی مہربانیوں کا احسان مند ہونا پڑا ہے۔ دس پندرہ سال قبل برانڈٹ شوارتز اور فیئر بینک کی "اے ڈاکیومینٹری ہسٹری آف چائینیز کمیونزم" اور بنجمن شوارتز کی "چائینیز کمیونزم اینڈ دی رائز آف ماؤ" جیسی راہ نمائی کرنے والی کتب کی اشاعت کے وقت سے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود ابھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ چند اہم رسائل کو جو پچھلے چند سالوں میں شائع ہوئے تھے، اس کتاب میں فراخدلی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ تعداد میں رسائل ابھی زیرِ طبع ہیں۔ میں ان میں سے بہت سے رسائل کے مصنفین کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میری کتاب پر تبصرہ کیا، بہت سے اہم واقعات کے بارے میں میری رہنمائی کی اور کئی بار تو اپنے مسودات پڑھنے کی اجازت بھی مرحمت کی۔ اس سلسلے میں مَیں خاص طور پر والٹر گورلے اور رائے ہافہائینز کا ممنون ہوں جو آج کل ہارورڈ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیق پر مامور ہیں۔ والٹر گورلے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۷ء تک کے کونتانگ اور رائے ہافہائینز چینی کمیونسٹوں کی زرعی سیاست پر تحقیق کر

رہے ہیں۔ میں ڈونلڈ ایل کلائن کا بھی شکر گزار ہوں جو آج کل ہارورڈ یونیورسٹی کے ایسٹ ایشین ریسرچ سنٹر میں چینی کمیونسٹ رہنماؤں کے سوانح کی لغت ترتیب دے رہے ہیں، اور جنہوں نے نہ صرف میری بعض کوتاہیاں مجھ پر آشکار کیں بلکہ اس کہانی کے بہت سے ثانوی کرداروں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی مجھے فراہم کئے۔ سڈنی لیونے جو چینی کمیونزم کی عسکری تاریخ کے ماہر ہیں، میری کتاب کے ان پہلوؤں پر جن کا تعلق کیانگسی ریپبلک سے ہے، بہر حاصل تبصرہ کیا ہے، اور ایندرا اووگل نے بھی، جو اسی ایسٹ ایشین ریسرچ سنٹر سے متعلق ہیں مجھے بہت کار آمد تجاویز بہم پہنچائی ہیں خصوصاً کتاب کے اُس حصّے کے بارے میں جس میں ۱۹۴۹ء کے بعد کے زمانے کا ذکر ہے۔ میرے پیرس کے دوستوں کلاد کادار اور ژاں شینز نو نے بھی مجھے بہت سی تجاویز اور اطلاعات فراہم کی ہیں اور سب سے آخر میں مجھے تائی پی کی نیشنل چنگ چی یونیورسٹی کے پروفیسر پائی یوکا (یا یوبے کا، جیسے وہ خود کہلوانا پسند کرتے ہیں) شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے مجھے ماؤ سے اپنی مختلف ملاقاتوں۔ چانگشا میں طالب علمی کے زمانہ (۱۸-۱۹۱۶ء) سے لے کر کومنتانگ اور کمیونسٹوں کے اشتراکِ عمل (۲۶-۱۹۲۵ء) تک کی یادداشت اور ان کے تاثرات کے آزادانہ استعمال کی اجازت دی۔

میں ایڈگر سنو اور ان کے ناشر دکٹر گولانکز کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اپنی نادر تحریر "ریڈ سٹار اوور چائینا" میں سے مختلف اقتباسات نقل کرنے کی اجازت مرحمت کی۔ ۱۹۳۶ء میں ایڈگر سنو کے سامنے ماؤ نے اپنی زندگی کی جو کہانی بیان کی تھی، اب بھی اُس زمانے کے حالات کے سلسلے میں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ "سوویٹ رشیا اینڈ دی ایسٹ" کے ناشرین سٹینفورڈ یونیورسٹی پریس بھی شکریہ کے مستحق ہیں، جنہوں نے مجھے ایکس جے یوڈن اور آر سی نارتھ کی اس کتاب میں سے ایک اقتباس شامل کرنے کی اجازت دی۔ میں نے باڈ کامپٹن کی کتاب "ماؤز چائنا" میں سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کی اجازت ملنے پر میں یونیورسٹی آف واشنگٹن پریس کا ممنون ہوں۔

میں جیروم چن کی اعانت کے لئے بھی مشکور ہوں جو مجھے اُن کی کتاب "ماؤ اینڈ دی چائینیز ریوولیشن" کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اس کتاب کو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا ہے اور ماؤ کے بارے میں یہ پہلی سنجیدہ کتاب ہے جس میں ہر واقعے کی شہادت دستاویزات کے حوالے سے دی گئی ہے۔ بہت سے مواقع پر میں جیروم چن کے واقعات کے بیان اور اُن کی تفسیر سے

اتفاق نہیں کر سکا (سوائے چند ایک جگہوں کے میں نے ان اختلافات کا ذکر کرنا غیر ضروری سمجھا ہے۔ اس مضمون سے خاطر خواہ دلچسپی رکھنے والے قاری خود ہی ان اختلافات کو دریافت کر لیں گے) لیکن اس بارے میں شک کی گنجائش نہیں کہ بہت سی جگہوں پر اگر میں اپنی کتاب میں دیئے ہوئے واقعات کے بیان کا موازنہ جیروم چین کے تحریر کردہ واقعات سے نہ کرتا اور یوں ماؤ کی زندگی کے چینی پس منظر کے کچھ پہلوؤں کے بارے میں جیروم چین کے جامع علم سے استفادہ نہ کرتا تو اس کتاب کی موجودہ صورت ناکافی اطلاعات و رسائل کے باعث اور بھی زیادہ مختلف اور نامکمل ہوتی۔

ماؤ کی تحریروں کے حوالے دیتے ہوئے مختلف ماخذوں کے انتخاب میں جن دو پہلوؤں کو میں نے نظر میں رکھا ہے اُن کے بارے میں یہاں کچھ کہنا نامناسب نہ ہوگا۔ مروّجہ سرکاری احکامات جیسا کہ میں نے اس کتاب میں بہت جگہ اشارہ کیا ہے۔ جامع طور پر اتنی تبدیلیوں کے ساتھ دوبارہ تحریر کئے جا چکے ہیں کہ وہ ناقابلِ اعتبار ہو چکے ہیں، اور یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ماؤ نے زندگی کے کسی خاص لمحے میں کیا سوچا یا تحریر کیا تھا۔ اس بنا پر جہاں بھی ماؤ کے صحیح اور اصل الفاظ کی یا مختلف ماخذوں میں نازک فرق کی ضرورت محسوس ہوئی ہے میں نے اُن عبارتوں کو نقل کیا ہے جو میری کتاب "پولیٹیکل تھاٹ آف ماؤزے تنگ" میں موجود ہیں اور جن کی بنیاد بہت حد تک ہم عصر چینی کتب پر ہے۔ تاہم ماؤ کی بہت سی تحریریں ایسی بھی ہیں جو میری پہلی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ اس صورتِ حال میں میں نے دانستہ اور کلّی طور پر اُس انگریزی ترجمے کو نقل کیا ہے جو چار جلدوں میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۵ء کے دوران میں پیکنگ کے بدیسی زبانوں کے اشاعت گھر سے شائع ہوا تھا۔ میں نے اس ترجمے کو نیویارک کے انٹرنیشنل پبلشرز یا لندن کے لارنس اور روشارٹ کے پانچ جلدوں میں شائع کردہ ترجمے پر فوقیت دی ہے۔ موخر الذکر کتاب کی حال ہی میں چینیوں نے تردید کر دی ہے۔ اس لئے میں نے حوالوں کے لئے زیادہ مستند کتاب کو پسند کیا ہے۔ پیکنگ ایڈیشن کی دوسری اور تیسری جلدیں مجھے اُس وقت دستیاب ہوئیں جب یہ کتاب چھاپے خانے میں جا چکی تھی۔ اس لئے میں نے لندن کے ترجمے کو، جیسے اس کتاب میں استعمال کیا گیا ہے، بدل کر اُس کی جگہ چینی ترجمہ استعمال کرنا اور یوں طابع کے کام کو مشکل بنانا، مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ میں نے حاشیوں میں کہیں کہیں ردّوبدل کر دیا ہے۔ جگہ کی کمی کے باعث اِس ایڈیشن میں بیشتر حاشیے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ ماؤ کی منتخب تحریروں کا مطالعہ

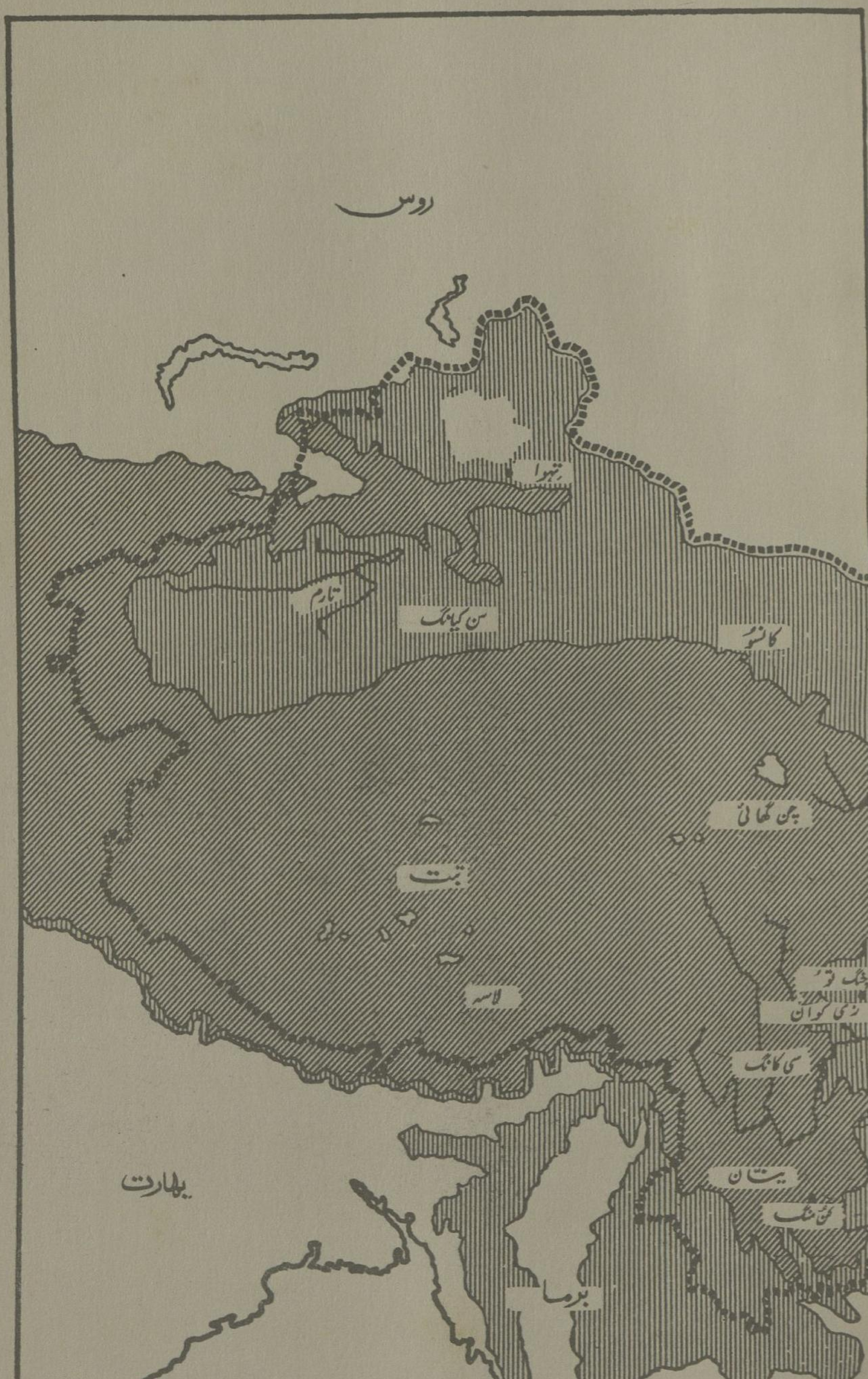
کرتے ہوئے ہو سکتا ہے کسی قاری کو کوئی ایسی تحریر نظر آئے جو اُن تحریروں سے مختلف ہو جنھیں میں نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اُن تحریروں میں اتنی مطابقت ضرور ہو گی کہ ضرورت کے وقت کسی عبارت کو تلاش کرنا ناممکن نہیں ہو گا۔

پچھلے سال کے دوران میں ماؤزے تنگ کی نظموں کے بہت سے ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ سینتیس نظمیں جو حوادثِ زمانہ کا شکار نہیں ہوئیں، اُن کا ترجمہ تو جیروم چن نے ماؤ کے سوانح میں محفوظ کر لیا ہوا ہے۔ پروفیسر ہالپ دیمی ویل کا ماؤ کی دس نظموں کا ترجمہ اور اُن پر تبصرہ اپریل ۱۹۶۵ء میں مرکیور دے فرانس نے شائع کیا ہے۔ سی این ٹے کا ایک مضمون "برف سے آلوچے کے شگوفوں تک" جرنل آف ایشین سٹڈیز میں فروری ۱۹۶۶ء میں چھپا ہے اور ماؤ کی دس نظموں کا سرکاری ترجمہ جنوری ۱۹۶۶ء میں چائینیز لٹریچر ۱۹۶۶ء کے پانچویں شمارے میں طبع ہوا ہے۔ ان تحریروں کے منظرِ عام پر آنے کی وجہ سے میں نے ماؤ کی نظموں کے اُن تراجم پر جو اس کتاب میں شامل ہے، نظرِ ثانی کی ہے اور بہت جگہ ردّ و بدل کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں پیرس کے پروفیسر ڈونلڈ ہولزمان کا بھی مشکور ہوں جن کا چینی زبان اور ادب کا عمیق مطالعہ میری مساعی میں بہت کارآمد ثابت ہوا۔

اُن سب حضرات کی نوازشات کے طفیل، جنھوں نے میری امداد کی اور جن کی شائع شدہ تصنیفات کا میں نے مطالعہ کیا، مجھے اُمید ہے یہ کتاب بہت حد تک درست اور صحیح ثابت ہو گی۔ اگر کچھ نقائص اس کے باوجود بھی اس کتاب میں موجود ہوں یا کوئی تفسیر یا مفروضہ کسی قاری کو قائل نہ کر سکے، تو ان سب کی ذمّہ داری صرف مجھ پر عائد ہو گی۔



منگولیا
آمور
اندرونی منگولیا
پیکنگ
ہوپی
شنسی
ہونان
آن وی
شنگھائی
کیانگسی
ہنان
کینٹن
تائیوان
ویتنام


روس
تیہوا
تارم
سن کیانگ
کانسو
چن گھائی
تبت
لاسہ
زی کوان
سی کانگ
یونان
برما
لاؤس
بھارت

مترجم کی طرف سے

ماؤزے تنگ کی یہ سوانح حیات انگریزی ناشرین کی کتابوں کے اس سلسلہ کے تحت لکھی گئی ہے جس کا عنوان ہے بیسویں صدی کے سیاسی رہنما۔ مگر اس کتاب کو ترجمہ کرتے ہوئے مجھے عجب سا احساس ہُوا کہ ماؤ بیسویں صدی کا آدمی نہیں ہے۔ بیس صدیوں کا آدمی ہے۔ کم از کم اتنی صدیاں اس کے اندر ضرور سانس لے رہی ہیں جو چین پہ گزر چکی ہیں۔

مشرق آج جس بڑی مشکل سے دوچار ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تخلیق کی ہوئی عظیم صدیاں مغربی صدیوں کے نرغے میں آگئی ہیں۔ بیسویں صدی کو بھی ہم ابھی تک مغرب ہی کے وضع کردہ فکری اور عملی سانچوں کے واسطے سے پہچانتے ہیں۔ چینی روح بھی کل تک انھیں سانچوں کے نرغے میں تھی۔ چینی روح کی طرح ماؤزے تنگ بھی نرغے میں تھا۔ وہ ان جدید مسیحین کے نرغے میں تھا جنھوں نے مغربی افکار کا، مغرب کے اجتماعی اداروں کا زیادہ گہرا مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے اشتراکیت کے فلسفہ کا بھی اس سے زیادہ مطالعہ کیا تھا۔ وہ ان کی روشنی میں چین کے لئے راہِ نجات تلاش کر رہے تھے۔

ماؤزے تنگ کا معاملہ ان جدید مصلحین سے مختلف تھا۔ وہ کسی نئے فلسفہ کی مٹی سے بنا ہوا آدمی نہیں تھا۔ وہ چین کی مٹی کا بنا ہوا آدمی تھا۔ اس نے تو چین کی پرانی داستانیں بھی پڑھی تھیں۔ اور وہ داستانیں اس کے اندر زندہ تھیں۔ ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنی فوجی معرکہ آرائیوں میں ایسی جنگی حکمت عملیوں سے بھی کام لیا جن کی کیفیت وہ اپنے بچپن میں کسی چینی داستان میں پڑھ چکا تھا یا چین کے کسی قدیم سپہ سالار کے تذکرے میں پڑھ چکا تھا۔ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور بامعنی بھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ماؤ کے شعور کی جڑیں نئے فلسفوں کی کتابوں یا نئی سیاسی تحریکوں میں نہیں بلکہ چین کی تہذیب میں تھیں۔

ان معنوں میں دیکھئے تو ماؤ کی ساری شخصی جد و جہد چینی رُوح کی جدوجہد نظر آتی ہے، چینی رُوح جس نے قدیم صدیوں کو اپنے اندر سمیٹا ہوا تھا۔ جدوجہد یہ تھی کہ اسے فکر و عمل کی نئی صورتوں کو اپنے اندر سمیٹنا ہے۔ ان کے اندر سمٹ جانا نہیں ہے۔ آخر چینی روح ہی کی جیت ہوئی اور ماؤ کے واسطے سے تحریک کے اندر یہ تحریک چلی کہ مارکسی فکر کو چینی قالب میں ڈھالنا چاہیے۔

یہ واقعہ پورے مشرق کے لئے ایک معنی رکھتا ہے۔ مشرق کے ملک اس وقت اپنی بقا کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور ہر ملک اس صورت حال سے دوچار ہے جس سے چین دوچار ہوا تھا۔ مشرق کی روح جدید مصلحوں اور مفکروں کے نرغے میں ہے۔ مگر چین کی مثال یہ کہتی ہے کہ مشرق کی روح مغرب سے مغلوب ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اسے مغرب کے وضع کردہ فکر و عمل کے سانچوں میں ڈھل جانے سے انکار ہے۔ وہ ان سانچوں کو اپنے قالب میں ڈھال کر نئے سرے سے ظہور کرنے کا عزم رکھتی ہے۔

اس اعتبار سے ماؤ کی سیرت و سوانح ہمارے لئے بھی ایک معنی رکھتی ہے۔ آخر ہم بھی بے جڑوں والے لوگ تو نہیں ہیں۔ مشرق کی روح کے وارثوں میں ہم بھی تو ہیں۔ ہمیں بھی تو یہ دیکھنا ہے کہ کہیں مشرق کی روح ہمارے ہاتھوں مغرب کے سانچوں کے سیلاب میں نہ ڈوب جائے۔

ایک بات اور۔ مترجم کا ہر بات میں مصنف سے متفق الرائے ہونا ضروری نہیں۔ یہ بات احتیاطاً کہہ دی گئی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ لکھنے والا اپنی نظر سے چیزوں کو دیکھتا ہے اور اپنے تجربے اور تحقیق کی روشنی میں معاملات کی جانچ پرکھ کرتا ہے۔ مترجم کا کام دخل در معقولات کرنا نہیں ہے۔ بلکہ غیر جانب دارانہ رویّے کے ساتھ بیان کو اپنی زبان میں منتقل کرنا ہے۔

آخر میں مجھے سجاد باقر رضوی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے جنھوں نے ماؤ کی نظموں کو جو اس کتاب میں درج ہوئی ہیں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے اُردو میں بحسن و خوبی منتقل کیا ہے۔

انتظار حسین　　　　ستمبر سنہ ۶۷ء

فہرست

نقشہ جات

دیباچہ

یہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء کی بات ہے۔ شام کا وقت تھا اور ماؤ جو ابھی اٹھارہ برس کا بھی نہیں ہوا تھا اپنے صوبے ہونان کے صدر مقام چانگشا کی ایک پہاڑی پر کھڑا تھا۔ سارا دن اس نے بہت اضطراب کے عالم میں گذارا تھا۔ اب سے بارہ (۱۲) دن پہلے ووہان میں مانچو کے خلاف جو انقلاب شروع ہوا تھا وہ آج صبح چانگشا میں برپا ہو گیا تھا اور چند ہی گھنٹوں میں اس نے پرانے شاہی نظام کو اُلٹ دیا تھا۔ اب ماؤ کی نگاہوں کے سامنے حدِ نظر تک سفید پرچم لہرا رہے تھے جن پر "تاہان مِن کووان سوئی" (عظیم جمہوریہ ہان زندہ باد) لکھا ہوا تھا۔

ایک معنوں میں دیکھیے تو یہ الفاظ اس وقت کے چین کی صورتِ حال کے ترجمان بھی ہیں اور اس سمت کا پتہ بھی دیتے ہیں جدھر ماؤ نصف صدی سے زیادہ مدّت سے اپنے ملک کو لے جانے کے لئے کوشاں رہا تھا۔ چین میں ری پبلک کے مغربی تصوّر کے لئے "مِنکو" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا جس کے لفظی معنی "عوام کا ملک" ہیں اور یہ اس زمانے میں ایک نہایت انقلابی تصوّر سمجھا جاتا تھا۔ کنفوشس کے فلسفے نے تو اس نقطہ نظر کو جنم دیا تھا کہ عام لوگوں کا کام سیاسی اعتبار سے بس اتنا ہے کہ اپنے جائز حکمراں کی اطاعت کریں۔ کہیں انیسویں صدی کی آخری دہائی میں یہ آوازیں اُٹھیں

تھیں کہ ہر شہری اپنی عقل و شعور کے ساتھ معاشرے کے کاموں میں حصّہ لے تاکہ وہ صلاحیتیں بروئے کار لائی جا سکیں جن سے چین ایک مرتبہ پھر متموّل و طاقتور ہو جائے۔ اس تصوّر کی سب سے پہلے ین فو نے تبلیغ کی۔ ین فو پہلا شخص تھا جس نے چین کو مغربی خیالات سے متعارف کیا۔ اس کے حل، سپنسر اور ہاکسلے کے تراجم کو ماؤ نے بہت ہی اشتیاق سے پڑھا۔ بہر حال جس تصوّر کو ین فو نے کراٹھا تھا اسے آگے چل کر ۱۸۹۸ء کے مصلحین نے سنبھالا اور اس کے بعد اسے زیادہ انقلابی صورت میں سُن یات سن اور اس کے ساتھیوں نے پیش کیا یہ انقلابی ساتھی اس تحریک کے لوگ تھے جسے تنگ منگ ہوئی کہتے ہیں، انھوں نے بہت بغاوتیں برپا کیں کہ کسی صورت مانکو بادشاہیت کا تختہ اُلٹ دیں اور جمہوریہ قائم کر لیں۔ یہ بغاوتیں پے در پے ناکام ہوئیں۔ لیکن اب آخر کار جمہوریہ کے قیام کے اعلان کا وقت آن پہنچا تھا۔

لیکن یہ "عوامی ملک" "عظیم ہان قوم کا بھی دیس قرار دیا گیا اور یہ کتنا عظیم تھا، اس کا اندازہ تو چند ہی دنوں بعد چانگشا میں مقیم برطانوی قونصل کو بھی ہو گیا۔ جب کہ اسے ایک ایسی دستاویز شہر کے انقلابی حکام کو واپس بھیجنی پڑی جس میں نئی حکومت کا اعلان درج تھا۔ اور جس پر "عظیم جمہوریہ ہان" کے الفاظ "عظیم سلطنت برطانیہ" کے الفاظ سے اوپر اور مقابلتاً زیادہ نمایاں طور پر لکھے ہوئے تھے۔

اپنی ساری سیاسی زندگی میں ماؤزے تنگ کا مقصد یہ رہا کہ چینی معاشرے کو یوں بنیادی طور پر منقلب کیا جائے کہ اس کے عوام کی مفید اور تخلیقی صلاحیتیں آزاد ہوں۔ اس مہم میں مغربی افکار نے ہمیشہ اس کی رہنمائی کی۔ پہلے انیسویں صدی کے لبرلزم نے اور پھر لینن کے اجتماعی فلسفے نے اسے روشنی دکھائی لیکن اس کے ساتھ اس نے یہ عزم بھی باندھ رکھا تھا کہ اس کا چین یعنی عوامی چین قوموں کی صف میں اپنا جائز اور پہلا مقام سنبھال لے۔

چین کے لوگ اپنے ملک کی تہذیب کی بہت زیادہ قدر کرتے ہیں۔ اور اس بات نے یورپ والوں کو بہت پریشان اور برہم کیا ہے۔ یہ برہمی اس وقت سے چلی آتی ہے جب سے انھوں نے اب سے ایک ڈیڑھ صدی پہلے دخانی کشتیوں، تجارت اور مشنریوں کے ایک مرکب کے ذریعے اس وسیع سلطنت کو مہذب بنانے کی کوشش شروع کی۔ ایک سیدھا سادا واقعہ تو یہی ہے کہ چین کے لوگ عرصہ دراز سے اپنے ملک کو مرکزی ملک (یعنی "چنگو" جس کا روایتی ترجمہ وسطی سلطنت کیا جاتا تھا) گردانتے

چلے آئے ہیں۔ ویسے تو بہت سی عظیم اور طاقتور قوموں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے عروج کے زمانے میں کم از کم اپنے آپ کو دنیا کا مرکز سمجھنے لگتی ہیں۔ مگر زیادہ قابلِ ذکر بات روایتی چینیوں کا وہ مخصوص نقطۂ نظر ہے جس کے مطابق وہ صرف اپنی تہذیب کو سچا اور کھرا سمجھتے رہے ہیں، اور اُن کا تصوّر یہ رہا ہے کہ مہذب دنیا کی حد بن چینی سلطنت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں، یہ تصورات تین ہزار سال لمبی تاریخ کا لازمی نتیجہ تھے۔ جو کچھ آج ہمیں معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ ان تین ہزار برسوں میں چین کبھی متحد ہوا کبھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ یوں بھی ہوا کہ کسی بیرونی طاقت نے اسے تسخیر کر لیا لیکن کبھی اسے برتر تہذیب سے تو درکنار، برابر کے درجے کی تہذیب سے بھی سابقہ نہیں پڑا۔ تیرھویں صدی میں منگول یہاں فاتح بن کر آئے اور آخر کار انھوں نے چینی طور طریقے، اختیار کر لئے۔ سترھویں صدی میں مانچوؤں نے چین کو فتح کیا، اور اُن کا یہی حال ہوا۔ مغربی اثرات سے پہلے کی تاریخ میں صرف ایک ہی ایسا موقعہ آیا تھا جب چین باہر سے آئے ہوئے خیالات سے شدّت کے ساتھ متاثر ہوا۔ اور وہ ایک ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے جب یہاں بدھ مت ہندوستان سے درآمد ہوا۔ یہ اجنبی عقیدہ یہاں آکر ایک اقلیت کا مذہب بن گیا اور خود کنفوشس والے نظامِ فکر پر بھی اس نے اثرات مرتب کئے۔ لیکن دیسی روایات بہت جلد اس پر غالب آگئیں اور اس میں بہت سی گہری تبدیلیاں وقوع پذیر ہو گئیں۔

یہ صحیح ہے کہ چینی روایت اور تہذیب سب سے الگ تھلگ رہ کر پروان چڑھی ہیں لیکن اس بات سے قطع نظر چینی روایت میں دو ایسے خاص عوامل نظر آتے ہیں جو اسے جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کی روایات سے ممیز کرتے ہیں۔ ایک تو تاریخ کا شعور ہے اور دوسرے یہ احساس کہ سیاست انسانی سرگرمی کا ایک بنیادی شعبہ ہے۔ چینیوں کا تاریخ کا تصور یہ تھا کہ وہ ایک چکر دار عمل ہے۔ جس میں حکمران خاندانوں اور سلطنتوں کو عروج حاصل ہوتا ہے اور پھر زوال آجاتا ہے۔ یہ کوئی ایسا ارتقائی عمل نہیں ہے جو سیدھے میں چلے اور ترقی کی طرف یا نجات کی طرف یا ترقی اور نجات دونوں کی سمت لے جائے۔ رہا سیاست کا معاملہ تو جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ سیاست کا کنفوشسی تصور مراتب پر مبنی اور خاصا غیر جمہوری تھا۔ پس جب چین نئی دنیا سے دوچار ہوا تو اس کی روایت کی بنیادیں ہل گئیں یہ چینیوں کی روایت نے ایک کام یہ کیا تھا کہ چین والوں کو زندگی کے تاریخی اور سیاسی پہلوؤں کا شعور دلایا تھا اور اس طرح انھیں نئی دنیا میں جینے کے لئے بھی غیر معمولی حد تک

تیار کر دیا تھا۔ اور اسی تاریخ اور سیاسی تقدیر کے شعور کے بدولت ماؤ اور اس کے رفیقوں کے لئے آج کے چین کا ہان سلطنت کے ساتھ تسلسل کا اعادہ کرنا آسان اور ناگزیر ہو گیا تھا، حالانکہ چین میں اس قدر زبردست معاشرتی انقلاب آیا تھا کہ ساری عالمی تاریخ میں ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔

آج کا چین اس انقلاب سے ابھرا ہے جسے نصف صدی تک خود ماؤ نے مفکر کی حیثیت سے بھی اور صاحب عمل شخصیت کی حیثیت سے بھی پرورش کیا ہے۔ اب یوں نظر آتا ہے کہ اشتراکی اور روایتی عناصر و اجزا کی آپس میں آمیزش ہو رہی ہے۔ لیکن سنجوگ کی اس منزل سے قبل ایک طویل دور ایسا گزر چکا ہے جس میں چینی اور مغربی پیچ اور تصورات آپس میں برسرپیکار تھے اور ایک افراتفری کا عالم تھا۔ انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یہ واضح ہو گیا تھا کہ چین اگر یورپ والوں کی دستبرد سے بچنا چاہتا ہے تو اسے انہیں سے بہت کچھ سیکھنا ہو گا۔ لیکن اس ضرورت کے باعث جو ذلت کا احساس پیدا ہوتا تھا وہ چینیوں کی برتری کے اُس بے پناہ جذبے سے متناسب تھا جو انہوں نے دوسری وحشی قوتوں کے مقابلے میں ہمیشہ محسوس کیا ہے چین کے مستقبل کے بارے میں اسی کرب کی فضا سے اور اس تذبذب سے کہ چین کے ماضی میں سے کن عناصر کا تحفظ کیا جائے اور کن کو ضائع جانے دیا جائے، ماؤ کی ذات نے جنم لیا۔

ماؤ کے بچپن کا عہد

ماؤزے تنگ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۳ء کو ہونان صوبے کی تحصیل شیانگ تان ایک گاؤں شاؤ شان میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ شروع میں ایک غریب کسان تھا لیکن رفتہ رفتہ کوشش کر کے تھوڑا بہت آسودہ حال ہو گیا۔ ماؤ نے ۱۹۳۶ء میں ایڈگر سنو سے جو اپنی داستان بیان کی تھی اس میں اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ جب وہ دس برس کا تھا تو اس وقت اس کے باپ کو متوسط درجہ کے کسان کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی باقی تھوڑی بہت تجارت کا سلسلہ بھی تھا۔ کچھ آمدنی اس وسیلہ سے بھی ہو جاتی تھی۔ آگے چل کر ماؤ کے بیان کے مطابق اس کا باپ ایک امیر کسان اور اناج کا بیوپاری بن گیا۔ اس نے اِن درجوں کا تعیّن یوں کیا ہے کہ جب اس کا گھرانہ متوسط درجہ کے کسانوں کا گھرانا تھا تو ان کے تصرّف میں سوا دو ایکڑ زمین تھی جس میں سو من چاول سالانہ پیدا ہوتا تھا۔ جب یہ لوگ امیر کسان بن گئے تو اِن کی ملکیت میں تین ایکڑ زمین تھی جس سے سالانہ تقریباً ایک سو چالیس من چاول کی پیداوار ہو جاتی تھی۔

ویسے تو چین کے دیہات میں افلاس اتنا تھا کہ کسی کو ذرا بھی آسودگی حاصل ہو جاتی تو وہ متوسط درجہ کا بلکہ امیر کسان قرار پا سکتا تھا۔ لیکن ماؤ نے اپنے خاندان کی حیثیت بتانے میں شاید تھوڑا سا مبالغہ بھی کیا ہے جس باپ سے اس کا بالعموم سخت جھگڑا رہا شاید اُس کے لئے انس کی ایک رمق اس کے دل کے کسی گوشے میں موجود تھی۔ پھر شاید یوں بھی تھا کہ وہ ۱۹۳۶ء میں امیر کسانوں کے بیٹوں کو جو طلبہ کے طبقہ

میں کثیر تعداد میں تھے اس بات کا قائل کرنا چاہتا تھا کہ ان کے اس طبقہ سے متعلق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انقلابی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتے۔ بہر حال ماؤ کے باپ نے خواہ کتنی ہی دولت کیوں نہ کمائی ہو، یہ طے ہے کہ ایک غریب کسان کی حیثیت سے ابتدا اس کے خاندان پر یوں اثر انداز ہوئی کہ ایک تو انھیں مجلسی رکھ رکھاؤ نہ آسکا، اور دوسرے وہ ہمیشہ آسودگی اور ظاہری آن بان سے بے نیاز رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے باپ کو حصولِ علم سے دلچسپی نہیں تھی وہ تو صرف ضرورت کی حد تک حصولِ علم کا قائل تھا۔

ماؤ کا باپ سکول میں دو سال پڑھا تھا اور اتنی شدھ بدھ ضرور تھی کہ کتابیں سنبھال کر رکھ سکتا تھا۔ اس کی ماں جس سے اسے بہت اُنس تھا، بالکل اَن پڑھ تھی۔ وہ بُدھ مت کی شدت سے پیرو تھی۔ بلوغت کے وقت تک ماؤ کا بھی یہی عالم تھا۔ یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ اس بات کا اُس کی نشو و نما پر مستقبل میں کیا اثر ہوا۔ بُدھ مت میں جدلیاتی عناصر پائے جاتے ہیں جن سے اس بات کی تشریح کرنی ممکن ہے کہ ماؤ طالب علمی کے زمانے ہی سے تضادات میں وحدت کی تلاش سے بحث کا رجحان رکھتا تھا۔ اس کے برعکس عوام الناس کا مقبول مذہب جس پہ ماؤ کی ماں کاربند تھی۔ فلسفہ سے زیادہ عقیدت کا معاملہ تھا۔

اپنے باپ سے ماؤ کا اکثر سخت جھگڑا رہتا تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُس کے اپنے والدین اُس کی انقلاب پسندی کا باعث بھی ہو سکتے ہیں۔ تائیوان پر لکھنے والے مصنف تو عام طور پر اُس کی ناخلفی کو اس بات کا بدیہی ثبوت گردانتے ہیں کہ وہ جبلّی طور پر بدخُو تھا اور انجام کار اُس کے مقدر میں ڈاکو یا کسی نہ کسی طور کا باغی بننا ہی لکھا تھا۔ درحقیقت ایسے نمونے بہت عام ہیں خصوصاً ایسی تہذیب میں جہاں باپ سخت گیر ہو، جیسے کہ اُس زمانے کے چین میں ہمیں نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ماؤ نے ایڈگر سنو سے جو کچھ بیان کیا ہے۔ اُس سے، اور اس سے بھی زیادہ ان اضافی شہادتوں سے جن تک ہماری رسائی ہے یہ بات ظاہر ہے کہ باپ کے ساتھ اس کا رویہ محض مستقل نفرت کا نہیں تھا۔ ایسا کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شخصیّت کی ساخت کا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص ماؤ کے اپنے خاندان کے ساتھ منظرِ عام پہ آنے والے تعلقات سے کار آمد نتائج مرتب نہیں کر سکتا۔ بلکہ ماؤ نے پدرانہ حاکمیت کے خلاف بغاوت کی جو چند مثالیں اپنی آپ بیتی میں بیان کی ہیں۔ ان سے تو یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بزرگ بالعموم

ان نوجوانوں کی زیادہ قدر کرتے ہیں جو ان کا حریف بننے کی جرأت رکھتے ہیں۔ لیکن ماؤ کی سیاسی شخصیت کی تشکیل کو سمجھنے کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ اردگرد کی وسیع تر دُنیا سے اس کے روابط کا مطالعہ کیا جائے۔

آٹھ برس کی عمر سے ماؤ نے ایک روایتی طرز کے پرائمری سکول میں جانا شروع کیا۔ وہاں لڑکے کنفیوشس کا کلام سمجھے بغیر سنانے کی مشق کیا کرتے تھے۔ اپنی عمر کے سب چینی طلبا کی طرح ماؤ نے بھی اس خشک مشغلہ میں ناول پڑھنے کا شوق شامل کر لیا تھا۔ اصل میں یہ وہ مقبولِ عام داستانیں تھیں جو کسی زمانے میں سنائی جاتی تھیں۔ لیکن چند صدی اُدھر انھیں قلمبند کر کے مرتب کر لیا گیا تھا۔ وہ یہ کتابیں پڑھتا رہتا اور جب اُستاد اُس کے پاس سے گذرتا تو وہ انہیں کسی کلاسیکی کتاب کے نیچے چھپا دیتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان داستانوں نے اس پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ بالخصوص "تین سلطنتوں کے رومان" اور "واٹر مارجن" نے (جس کا ترجمہ پرل بک نے ALL MEN ARE BROTHERS کے عنوان سے کیا ہے) اِسے بہت متاثر کیا۔ ان میں ایسے بہادر ڈاکوؤں کے قِصّے ہیں جنہوں نے ایک بے ایمان بادشاہت اور نوکر شاہی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا ہر چند کہ ماؤ کو بقول خود کلاسیکی کتابیں ناپسند تھیں تاہم اس نے انھیں اچھی طرح سے پڑھ ضرور ڈالا۔ اس کی بعد کی تحریروں میں جس بہتات سے کلاسیکی حوالے آتے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ "تین سلطنتوں کے رومان" میں کنفیوشس کے اصول بہت رچے بسے ہیں۔ اُس کا بنیادی موضوع لیو پائی اور تساؤ تساؤ کا موازنہ ہے لیو پائی، ہان خاندان کا بانی ہے، اسے کنفیوشس کی تعلیمات کے سائے میں پروان چڑھنے والے مثالی حکمران کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور تساؤ تساؤ کو ایک بے ترس حقیقت پسند کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ (ویسے وہ اتنا بُرا نہیں تھا جتنا ناول میں اسے دکھایا گیا ہے) واٹر مارجن بھی کسانوں کی بغاوت کے موضوع پر عظیم روایتی ناول ہے۔ مگر اس ناول میں بھی دراصل شاہی نظام پر از خود کوئی اعتراض نہیں بلکہ اس میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان پر تنقید کی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بہادر ڈاکوؤں کو چاہیے کہ ایسے پُر آشوب زمانے میں جب بادشاہ اپنے فرائض سے غافل ہو، کنفیوشس کے اصل مسلک کا تحفظ کریں۔ ان ناولوں کو ماؤ کے استادوں نے کتنا ہی تخریبی کیوں نہ سمجھا ہو انہوں نے اسے بس اسی حد تک سبق دیا کہ روایت کی حدوں میں رہ کر بغاوت کرنی چاہیئے۔

جب ماؤ تیرہ برس کا ہوا تو اسے اپنے باپ کے کہنے پر شاؤشان پرائمری سکول سے جہاں وہ کلاسکی ادب کی تعلیم پاتا تھا ناطہ توڑنا پڑا۔ اب وہ سارا وقت زمین پر کام کرتا تھا اور حساب کتاب میں مدد دیتا تھا کھیت پر جزوقتی کام تو وہ چھ برس کی عمر سے کر رہا تھا۔ بہر حال اس نے مطالعہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ اپنے محبوب ناول ہی نہیں پڑھتا تھا بلکہ اس زمانے کی سیاسی نگارشات بھی پڑھتا رہتا تھا مثلاً چنگ کوان ینگ کی لکھی ہوئی کتاب تنگ شی وائی ین (آسودہ حال زمانے کے لئے تنبیہی کلمات) یہ کتاب درحقیقت جدید اقتصادیات اور ٹیکنولوجی اور آئینی بادشاہت کے جواز میں لکھی گئی تھی۔ لیکن اس میں غیرملکیوں کے اس سلوک کی بھی بہت مذمّت کی گئی تھی جو وہ شنگھائی میں چینیوں سے روا رکھتے تھے ماؤ کے بیان کے مطابق اس کتاب نے جلتی پر تیل کا کام کیا یعنی اسے اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ جاری کرنے کی ترغیب دی۔ وہ گھر سے بھاگ کھڑا ہوا اور قانون کے ایک بے روزگار طالب علم کے ساتھ مل کر پڑھنے لگا۔ پھر گاؤں میں ایک بزرگ قسم کا عالم فاضل تھا ماؤ نے اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور کلاسکی ادب کی مزید تعلیم لی لیکن ان بے قاعدہ مساعی سے اس کی تسکین نہیں ہوئی بالآخر اس نے باپ کی سخت مخالفت کے باوجود ایک جدید طرز کے ہائر پرائمری سکول (ژنگ شان پرائمری سکول) میں داخلہ لیا۔ جو قریب کی ایک تحصیل شیانگ تیانگ میں واقع تھا اور یہ تحصیل اس کی ماں کی جنم بھومی تھی۔ ماؤ کی ذہنی اور سیاسی نشوونما کا صحیح معنوں میں آغاز اُس وقت ہوا جب وہ اس سکول میں داخل ہوا اور ایک بھرے پُرے شہر کے وسیع ترافق سے آشنا ہوا۔ ویسے اس کی داغ بیل تو اس کے گاؤں میں اس کے آغازِ بلوغت ہی میں پڑ چکی تھی ۱۹۰۴ء ہی میں ہوانگ ژنگ کے کارناموں کے متعلق شاؤشان میں پہنچنے والی خبریں اس کے تخئیل کو لے اڑی تھیں۔ یہ وہ دن تھے جب مادرِ ملکہ کی سالگرہ کے جشن میں بڑے بڑے شاہی حکّام جمع تھے اور ہوانگ ژنگ نے انھیں ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور جانگسٹا سے بچ کر نکل گیا۔ اگرچہ ماؤ نے اپنی آپ بیتی میں اس کا ذکر نہیں کیا مگر شاید اس کے کان میں اس پرشور مانچو دشمن بغاوت کی بھی بھنک پڑی تھی جو ۱۹۰۶-۰۷ء میں ہونان اور ہوپائی کے درمیان کی سرحد پر کولاؤ ہوئی کے اشارے پر برپا ہوئی تھی۔ کولاؤ ہوئی ایک خفیہ جماعت تھی۔ جو اس علاقے کے کسانوں میں بہت مقبول تھی تین برس بعد ۱۹۱۰ء کے موسم بہار میں جب قحط کے مارے عوام بغاوت پر کمربستہ ہوئے اور اس کے نتیجے میں بہت پکڑ دھکڑ ہوئی اور پھانسیاں

گئیں تو ماؤ اور اس کے ساتھی طالب علم بہت دنوں تک اس واقعہ پہ بحثیں کرتے رہے۔ ماؤ کا کہنا ہے کہ اس نے یوں محسوس کیا کہ باغی بھی اس کے خاندان کے لوگوں کی طرح بیچارے غریب لوگ ہیں اور ان کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ اس پہ بگڑے ہوئے ہیں۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد خود شاؤشان میں کولاؤہوئی والوں نے ایک ظالم زمیندار کے خلاف بغاوت کی اور پہاڑوں میں اپنا مرکز قائم کر لیا۔

اس موقعہ پر بھی ماؤ اور اس کے سب ساتھی طلبأ بغاوت کے حق میں تھے اور جب اس کے سرغنہ کو بالآخر پھانسی لگ گئی تو اسے ہیرو سمجھنے لگے۔

ان واقعات نے جیسا کہ ماؤ کا دعویٰ ہے اس کے دل و دماغ پر گہرے اثرات ضرور چھوڑے ہوں گے لیکن معاشرتی مسائل کے بارے میں اس کا رویہ اس وقت بہت مبہم تھا۔ ۱۹۱۰ء کے قحط میں شاؤشان کے بھوکے ننگے دیہاتیوں نے اپنے کھاتے پیتے ہمسایوں سے اناج طلب کیا لیکن ماؤ کا باپ اناج اسی طرح شہر بھیجتا رہا۔ جیسے پہلے بھیجتا تھا تب بھوکے دیہاتیوں نے اس کے ایک کھیت کو لوٹ لیا اس پر وہ سخت برہم ہؤا۔ ماؤ کا کہنا ہے "مجھے اس سے ہمدردی نہیں ہوئی مگر اس کے ساتھ میں سوچتا تھا کہ دیہاتیوں کا طریقہ بھی غلط ہے۔"

معاشرتی مسائل کے بارے میں تو بے شک ماؤ کے خیالات نے ابھی کوئی واضح شکل اختیار نہیں کی تھی لیکن باہر کی دنیا کے ساتھ چین کے تعلقات کے بارے میں اس کے خیالات بہت واضح اور جاندار تھے اس نے خود ان کی تاریخ کا تعین یوں کیا ہے کہ شیانگ شیانگ کو روانگی سے تھوڑے دن پہلے اس نے ایک پمفلٹ پڑھا جس میں چین کے ہاتھ سے کوریا، تائیوان، ہند چینی، برما اور دوسرے علاقوں اور معادن ریاستوں کے نکل جانے پر افسوس کیا گیا تھا۔ اس پمفلٹ سے اسے "تھوڑا بہت سیاسی شعور" حاصل ہؤا۔ اس پمفلٹ کے شروع کا فقرہ اسے ۱۹۳۶ء میں بھی یاد تھا۔ جو یوں تھا کہ "افسوس کہ چین غلام بن جائے گا۔" وہ کہتا ہے کہ یہ پمفلٹ پڑھنے کے بعد وہ اپنے ملک کے مستقبل کے بارے میں سوچ کر بہت اداس ہؤا اور پھر اُسے احساس ہوا کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے وطن کو بچانے کی کوشش کرے۔

ماؤ کے یہاں اگر داخلی مسائل کی نسبت خارجی مسائل کا زیادہ واضح شعور ملتا ہے تو اس سے

اس زمانے کے چین کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے ۱۸۴۰ء کی جنگِ افیون، پھر ۱۸۶۰ء میں قصرِ گرما کا انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لشکر کے ہاتھوں نذرِ آتش ہونا۔ ۱۸۹۵ء میں جاپانیوں کے ہاتھوں شکست (جنھیں ہمیشہ ایک پست اور وحشی قوم سمجھا گیا تھا) اور ۱۹۰۰ء میں باکسر بغاوت کی سرکوبی، ان تلخ اور مسلسل ذلتوں سے یہ ظاہر ہوتا چلا جارہا تھا کہ ملک کو بندگی بے چارگی سے بچانے کے لئے سخت اقدامات کرنے پڑیں گے۔

غلامی کے شروع کے زمانے میں سلطنت کا بے باک ترین اور ترقی پسند افسر بھی یہی سوچتا تھا کہ "وحشی" لوگوں سے صرف اُن کا طریقِ عمل مستعار لینے سے مقصد حل ہوسکتا ہے اور اس مقصد کے لئے چین کے نظامِ افکار اور معاشرتی اور سیاسی سانچوں کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ماؤ کے لڑکپن کے زمانے تک یہ ظاہر ہوچکا تھا کہ مغربی اقوام کی طاقت کا سرچشمہ صرف مشینیں نہیں بلکہ ان افکار اور اداروں کا بھی اس میں بہت دخل ہے جن کے ذریعے انہوں نے اپنی اقوام کی قوت کو یکجا کر لیا تھا۔ یہی وہ نقطۂ نظر تھا جس کی تبلیغ ین فو اپنے مقالوں اور ترجموں کے دیباچوں میں پچھلے دس بارہ سال سے کر رہا تھا یہ نقطۂ نظر اس حد تک تو مان لیا گیا تھا کہ مادر ملکہ نے اپنے مرنے سے دو سال پہلے ۱۹۰۶ء میں آئینی بادشاہت کی خاطر جھجکتے ہوئے کچھ اقدامات پر آمادگی ظاہر کر دی تھی، حالانکہ اسی رجعت پسند ملکہ نے ۱۸۹۸ء میں اصلاح پسندانہ خیالات کے جُرم میں تان سُوتنگ کا سر قلم کروا دیا تھا۔ چند سال بعد بجائے خود جمہوریت اور شخصی آزادی کے تصورات کی حمایت میں باا ثر آوازیں بلند ہوئیں۔ لیکن فی الوقت چین میں اس سوال پر کہ مغرب سے کیا مستعار لیا جائے۔ جو بحثیں جاری تھیں اِن سے یہی نظر آتا تھا کہ کیا قانون ساز ادارے، کارخانے اور افکار سب کے سب محض قوم کے تحفظ اور استحکام کے حصول کا ذریعہ ہیں۔
چند جدید قسم کے قدامت پسند ایسے بھی تھے جن کی دانست میں قومی بقا سے زیادہ اہم بات چینی طرزِ زندگی کا تحفظ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسی ایک واسطے سے زندگی کو بامعنی اور پُر وقار بنایا جا سکتا ہے لیکن اس قسم کی "تہذیب پسندی" جواب سے دس بیس برس پہلے شیوۂ عام تھی۔ اب بڑی تیزی سے نئی قوم پرستی کو جگہ دے رہی تھی۔ اس نئی قوم پرستی کا نصب العین اولاً مملکت کی بقا تھا۔ قوم کی تقدیر سنوارنے کے لئے اندرون ملک جو مختلف اقدامات کئے گئے ان کے بارے میں بہت اختلافات تھے ۱۸۹۸ء کی تحریک اصلاح کے رہنما کانگ اور لیانگ تو آئینی طرز کی بادشاہت کے حامی تھے۔ اور سن یات سِن اور اُن کے ساتھی

وانگ چنگ وائی اور ہو ہان من جمہوری طرزِ حکومت کے دعوے دار تھے ان دونوں گروہوں نے مارکس کا تھوڑا بہت مطالعہ کر رکھا تھا اور سوشلزم پر بحث مباحثے کیا کرتے تھے بہر حال قومی نجات کے نصب العین پر یہ سب متفق تھے۔

تنگ شان پرائمری سکول میں پہنچ کر ماؤ پہلے پہل فکر و خیال کے اِن دھاروں سے براہِ راست روشناس ہوا۔ اس کے ایک رشتہ کے بھائی نے اسے لیانگ چی چاؤ کے رسالہ شن من تسونگ پاؤ کا ایک نسخہ اور ۱۸۹۸ء کی تحریکِ اصلاح کے بارے میں ایک کتاب بھیجی۔ ماؤ نے ان تحریروں کو بار بار پڑھا اور کانگ یو وائی اور لیانگ چی چاؤ کا بہت مداح بن گیا۔ اس نے تھوڑی بہت تاریخ بھی پڑھ ڈالی اور اپنے زمانے کے واقعات و حقائق سے بھی کچھ روشناسی حاصل کر لی اور یہیں آکر ۱۹۱۰ء میں اسے شاہ اور مادر ملکہ کے انتقال کا پتہ چلا حالانکہ یہ واقعہ دو سال پہلے گزر چکا تھا۔ ایک استاد سے جس نے جاپان میں تعلیم حاصل کی تھی اس نے جاپان کی طاقت کے قصّے سنے اور یہ سنا کہ جاپان نے ۱۹۰۵ء میں روس کو جو شکست دی ہے اس پر اسے بہت ناز ہے۔ ایک کتاب میں جس کا نام "دنیا کی بڑی شخصیتیں" تھا اس نے کیتھرین اور پیٹر اعظم، ولنگٹن اور نپولین اور گلیڈ سٹون، روسو اور لنکن کے حالات پڑھے۔ جارج واشنگٹن پر لکھے ہوئے باب سے وہ خاص طور پر متاثر ہوا اور ایک ساتھی طالب علم سے اس نے اس کا خلاصہ یوں بیان کیا۔ "واشنگٹن نے آٹھ برس کی طویل و تلخ جنگ کے بعد ہی کہیں فتح حاصل کی اور قوم کی تعمیر کی۔" اس نے ایک عمومی نتیجہ یہ مرتب کیا کہ چین کو ایسے ہی بڑے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے دم سے وہ خوشحال اور طاقتور بن سکتا ہے اور جو حشر انام، کوریا اور ہندستان کا ہوا ہے اس سے بچ سکتا ہے۔

قدیم چین کے حکمرانوں میں سے خاص طور پر وہ یاؤ اور شون سے بہت متاثر ہوا۔ یہ ایسے بادشاہ تھے جنہوں نے داستانی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ چن شی ہوانگ تی اور ہان ؤوتی کے معرکوں نے بھی اسے متاثر کیا۔ ان کے بارے میں اس نے بہت کتابیں پڑھیں اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جاپان سے لے کر امریکہ تک اور جدید مغرب سے لے کر قدیم چین تک جن شخصیتوں نے ماؤ کے تخیئل کو متاثر کیا اور جوش کو مہمیز کیا وہ ایسے لوگ ہیں۔ جو بیک وقت سپاہی بھی تھے اور قوم کے معمار بھی، یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ وہ اسی لئے چن شی ہوانگتی کا، جو تیسری صدی قبل مسیح میں ایک متحدہ مملکت کا خالق تھا اور ہان ووتی کا جو جنگجو شہنشاہ تھا اور جس نے اپنی سلطنت کی سرحدوں کو ہُن قبائل سے جنگ آزمائی کے بعد

وسعت دی تھی، معترف تھا۔ وہ ان کا اس وجہ سے مداح نہیں تھا کہ اوّل الذکر نے کتابوں کو نذرِ آتش کیا تھا اور ثانی الذکر نے بیگار کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ بلاشبہ یہ عسکریت پسندی ماؤ کی شخصیت کے ایک بنیادی پہلو سے مطابقت رکھتی ہے۔ جس کا مظاہرہ ہمیں اس کی زندگی کے ہر موڑ پر نظر آئے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ کہ یہ وہ زمانہ تھا جب چین کی ذلّت و رسوائی کا بڑا سبب مغرب کی فوجی برتری تھی۔ ادھر چین کے برعکس جاپان نے پہلی مرتبہ یورپ والوں کو شکست دے کر ایشیائی اقوام کو سربلند کیا تھا۔ اس واقعہ نے تو ایسا اثر کیا کہ ہر سیاسی شعور رکھنے والے چینی کے لئے فوجی طاقت کا حصول سب سے بڑا مسئلہ بن گیا۔

ماؤ نے تنگ شان پرائمری سکول میں جو سال گذارا اس میں اسے ایک طرف تو دنیا کے مسائل سے وسیع واقفیت حاصل ہوئی۔ اور دوسری طرف چینی معاشرے کی طبقاتی تقسیم کا ذاتی تجربہ حاصل ہؤا۔ اس کے ساتھ کے بیشتر طالب علم زمینداروں کے بیٹے تھے۔ جو ٹھاٹ باٹ کا لباس پہنتے تھے! ور شائستہ طور طریقے رکھتے تھے۔ ماؤ غریب کے پاس لے دے کے ایک ہی معقول سوٹ تھا۔ عموماً وہ ایک پھٹا پُرانا کوٹ اور پتلون پہنے پھرتا تھا۔ علاوہ ازیں باپ کی مخالفت کے باعث اس کی تعلیم میں کھنڈت پڑ گئی تھی۔ اب نسبتاً ناسازگار حالات میں جیسے تیسے کر کے اس نے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا تھا اس لئے وہ اپنے رفیقوں سے چھ سال بڑا تھا۔ اور ان سب سے لمبا تھا۔ کلاس کے بیشتر لڑکوں نے اس لمبے تڑنگے، گنوار اور مفلوک الحال نووارد لڑکے کا بہت مذاق اڑایا اور ناگواری کا اظہار کیا۔ ماؤ کے اپنے باپ کے ساتھ تعلقات ہی کی طرح تنگ شان میں حاصل ہونے والے تجربات کے نفسیاتی پہلوؤں کو اس لحاظ سے نمایاں کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اس کی نشوونما کا ایک حصّہ ہیں لیکن اس ایک سال کے قیام نے اُس کے دل میں زمیندار طبقے کے بارے میں کوئی خاص نیک جذبات پیدا نہ کئے۔

اگلے جاڑوں میں یعنی ۱۹۱۱ء کے شروع کے دنوں میں ماؤ "چانگ شا" جانے کی آرزو کرنے لگا۔ جس کے متعلق اس نے سُن رکھا تھا کہ "نہایت شاندار جگہ" ہے وہاں جا کر وہ مڈل سکول میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پرائمری سکول کے ایک استاد سے سفارش لکھوائی اور سٹیمر میں بیٹھ کر چانگشا کی طرف روانہ ہو گیا مگر اسے مطلق امید نہیں تھی کہ "وہ" اس عظیم الشان سکول کا طالب علم بن سکے گا لیکن واقعہ یوں ہے کہ اسے کسی دِقّت کے بغیر داخلہ مل گیا۔ چانگشا میں اس کا

قیام ہر چند کہ بہت مختصر تھا مگر اس باعث اس کی سیاسی اور ذہنی نشوونما میں ایک نیا موڑ آ گیا۔

یہاں آ کر اسے پہلی مرتبہ اخبار پڑھنے کا موقع ملا، یہ سن یات سن کا اخبار تھا جس میں اس کے ہنانی ساتھی ہوانگ ژنگ کی قیادت میں کینٹن پر حملہ کی خبر دی گئی تھی۔ ہوانگ شنگ خود سن یات سن کے بعد تنگ سنگ ہوئی کا سب سے مقتدر رہنما تھا۔ سن یات سن اور اس کے رفیقوں کی تحریک پر بغاوت کی جو ناکام کوششیں ہوئیں ان میں یہ آخری ناکام کوشش تھی۔ اس کے بعد جو کوشش ہوئی وہ خود ۱۹۱۱ء والا انقلاب تھا جو ۱۰ اکتوبر کو ووہان میں شروع ہوا تھا۔ درمیانی مہینوں میں چانگ شا اور ملک بھر میں سیاسی مواد پکتا رہا۔ ماؤ ان ساری باتوں سے اور پھر اخبار پڑھ کر اتنا جوش میں آ گیا کہ اس نے زندگی میں پہلے پہل ایک مضمون لکھا اور اسے سکول کی دیوار پر چپکا دیا۔ سیاسی رائے کا یہ پہلا اظہار جیسا کہ اس نے آگے چل کر خود اقرار کیا کچھ بہت غیر واضح تھا کانگ یووائی اور لیانگ چی چاؤ کا تو وہ پرانا مداح تھا اور سن یات سن اور تنگ سنگ ہوئی کے دوسرے انقلابیوں کا وہ نیا نیا قائل ہوا تھا۔ اس نے اپنے نئے اور پرانے "دوستوں" کو یکجا کرنے کے شوق میں یہ تجویز پیش کی کہ ایک جمہوریہ کا قیام عمل میں لایا جائے جس کے صدر سن یات سن ہوں وزیر اعظم کوانگ اور وزیر امور خارجہ لیانگ ہوں۔ ماؤ سیاسی مضمون نگاری کرتے کرتے سیاسی میدان عمل میں کود پڑا۔ اس زمانے کے بہت سے چینی نوجوانوں کی طرح اس نے اور اس کے دوست نے بھی اپنے سر کی چوٹی کٹوا ڈالی (چینیوں پر چوٹی رکھنے کی پابندی اجنبی حکمرانوں کی طرف سے عاید کی گئی تھی) پھر ان دونوں نے درجن بھر طلبا کی چوٹیاں زبردستی کٹوا ڈالیں اور یہ وہ طلبا تھے جنہوں نے چوٹی کٹوانے کا وعدہ کر لیا تھا مگر وہ وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔

ووہان میں بغاوت ہوتے ہی انقلابیوں کا ایک ایلچی چانگ شا کے اسکول میں پہنچا جہاں ماؤ پڑھتا تھا اور اس نے قومی جذبہ میں رچی ہوئی ایک پرجوش تقریر کی۔ ماؤ اس تقریر سے اتنا متاثر ہوا کہ چند دنوں کے بعد وہ ووہان جا کر انقلابی فوج میں شامل ہونے کے لئے کمربستہ ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ تیار ہی ہو رہا تھا کہ خود چانگ شا میں انقلاب برپا ہو گیا اور پھر وہ وقت آیا جب ماؤ شہر میں ایک ٹیلے پر کھڑا تھا اور باغیوں کو فاتحانہ شان سے بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا جب

عظیم جمہوریہ ہان زندہ باد کے نعروں کے ساتھ پرچم بلند ہو رہے تھے اور وہ ان پرچموں کو دُور سے تک رہا تھا۔ تو اس نے یہ کہاں تصوّر کیا ہوگا کہ تیس برس بعد کم و بیش اسی دن خود اسے یہ مرتبہ حاصل ہوگا کہ وہ پیکنگ میں باب الامن پہ کھڑے ہو کر چینی عوامی جمہوریہ کے قیام کا اعلان کرے گا۔

چانگشا میں طالب علمی کا زمانہ

چانگشا میں اگر وہاں کی بغاوت کے فوراً بعد دو ہفتوں کے اندر اندر انقلاب برپا ہو گیا تو یہ کوئی اتفاقی امر نہیں تھا، بلکہ یہ اس معاہدے کا نتیجہ تھا جو تنگ منگ ہوئی کے دونوں صوبوں کے رہنماؤں کے درمیان پہلے سے ہو چکا تھا۔ یہ جاننے کے لئے کہ ماؤ کا صوبہ انقلاب میں کیوں اس طرح پیش پیش تھا۔ ضروری ہے کہ ہونان کے اس وقت کے حالات کو سمجھا جائے اور ان سیاسی روایات کو بھی جو اس صوبے میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں پھل پھول رہی تھیں۔

ہونان جنوبی چین کے اس علاقے میں واقع ہے جو خطِ سرطان کے آس پاس ہے۔ وہاں اونچے اونچے پہاڑ ہیں جنھیں چار بڑے دریا ادھر ادھر کاٹتے ہیں۔ اونچے اونچے پہاڑوں کے باعث یہ علاقہ عہدِ قدیم کے ڈاکوؤں کی مرغوب آماجگاہ رہا ہے۔ ہونان والے جو سُرخ مرچ کے رسیا ہیں، اپنی تنومندی اور سیاسی ذہانت کے لئے مشہور ہیں۔ (ماؤ نے تو سُرخ مرچ اور انقلاب کے باہمی تعلق کے بارے میں ایک نظریہ بھی پیش کیا ہے) ایک مثل ہے کہ چین تب ہی فتح ہو سکتا ہے کہ سب ہونان والے مر جائیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ پچھلی صدی میں اس صوبے کے باسیوں نے بہت سے مختلف اور متنوع میدانوں میں اپنے نام کا ڈنکا بجایا ہے تیپنگ کی بغاوت بھی بہت حد تک سلطنت کے خادم عظیم عالم اور ہونان کے باسی سینگ کاؤ فان کی ہونانی فوج کی کوششوں سے ہی مکمل طور پر

فرد ہوئی تھی۔ مروجہ نظام کے اس نامی گرامی علمبردار کے مقابلے میں دوسری طرف بھی نامی گرامی شخصیتیں ہیں۔ مثلاً ہوانگ شنگ اور تان ستو تنگ جو ۱۸۹۸ء کی تحریک اصلاح میں کام آنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور رہے ہوانگ صرف یہی نہیں کہ سن یات سن کا نائب اور تنگ منگ ہوئی کا سالار اعلیٰ تھا بلکہ اپنی جگہ ایک عظیم انقلابی شخصیت بھی تھا۔ وہ اس میدان میں ۱۹۰۲ء سے کام کر رہا تھا۔ اور جاپان ہو کر آنے والے طلباء کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جس کی چین کی سیاسی زندگی میں اوائل صدی میں بہت اہمیت تھی۔ یہ تو پہلی جنگِ عظیم کے بعد کی بات ہے کہ چینی طلبا نے بڑی تعداد میں یورپ اور امریکہ جانا شروع کیا۔ اس سے پہلے تو نئے خیالات زیادہ تر جاپان ہی کے راستے یہاں پہنچتے تھے جاپان قریب بھی تھا اور پھر اس کی زبان کو سیکھنا چینیوں کے لئے نسبتاً آسان تھا۔ اس زمانے میں جاپان جانے والے طلباء میں سے زیادہ تر ہونانی ہوتے تھے جن میں ہوانگ شنگ ہی نہیں تھا، شیان تیاں ہوا بھی تھا۔ اسے ۱۹۰۵ء سے یعنی تنگ منگ ہوئی کے قیام سے لے کر ۱۹۰۸ء تک جماعت کے نمائندہ نظریہ ساز کی حیثیت حاصل رہی اور ۱۹۰۸ء میں تو اس نے خودکشی کر لی تھی۔

سُن یات سن اور ہوانگ شنگ نے مانچو سلطنت کا تختہ الٹنے کے لئے جو کوششیں کیں ان میں انہوں نے دو طاقتوں پر بہت تکیہ کیا۔ جن میں سے ایک تو خفیہ جماعتیں تھیں اور دوسرے "نئی فوج" تھی ثانی الذکر وہ فوج تھی جسے شاہی حکومت نے مغربی خطوط پر اس طرح منظم کیا تھا کہ وہ جدید جنگی حالات کا مقابلہ کر سکے۔ ہونان میں ان دونوں گروہوں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ خاص طور پر خفیہ جماعتیں اَن گنت تھیں اور بہت سرگرم تھیں۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں جب چانگشا میں ہاسنگ ہوئی (انجمن تجدید چین) کا قیام عمل میں آیا تو ہوانگ شنگ نے اپنے خطبۂ تاسیس میں یہ اعلان کیا۔

> "صوبہ ہونان کی بابت یہ ہے کہ یہاں فوج اور طلبہ میں انقلابی خیالات بہت تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ مزید براں خفیہ جماعتوں کے ارکان نے بھی جو مانچو دشمن خیالات کے حامل ہیں اثر و رسوخ بہت بڑھا لیا ہے، لیکن پہل کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ ان کی مثال بارود سے بھرے ہوئے ایسے بم کی ہے جو پھٹ پڑنے کے لئے تیار ہے۔ بس فلیتے میں ہمارے آگ لگانے کی دیر ہے۔"

چوتھائی صدی بعد خود ماؤ کو یہ فریضہ ادا کرنا تھا کہ فلیتہ میں آگ لگائی جائے اور خفیہ جماعتوں کے انقلابی مواد کے پھٹ پڑنے کی سبیل پیدا کی جائے۔ اس دوران میں ۱۹۰۴ء میں ہوانگ ژنگ نے ہونان کی خفیہ جماعتوں کے نمائندہ رہنما مافوئی سے یہ سمجھوتہ کر لیا تھا کہ جب ہوانگ اور اس کے فوجی ساتھی بم مار کر سرکردہ صوبائی افسروں کو ہلاک کریں اور شہر پر قبضہ کر لیں تو وہ دیہات میں بغاوت برپا کر دیں اس مہم کے لئے کولاؤ اور دوسری خفیہ جماعتوں سے ایک لاکھ کے لگ بھگ رضاکار بھرتی کئے گئے تھے۔ مگر ہوا یوں کہ یہ سازش پکڑی گئی۔ مافوئی کو گرفتار کر لیا گیا اور پھانسی دے دی گئی اور ہوانگ ژنگ کو جاپان بھاگنا پڑا۔ دو ہی برس بعد دسمبر ۱۹۰۶ء میں ہونان اور کیانگسی کی درمیانی سرحد پر ایک بہت بڑی بغاوت ہوئی جسے خفیہ جماعتوں نے شہ دی تھی۔

یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ شاؤ شان پہنچنے والے واقعات کی بازگشت کا ماؤ کے تخیل پر کیا اثر پڑا۔ ۱۹۰۶ء کی بغاوت کا منصوبہ تنگ منگ ہوئی نے نہیں بنایا تھا اس لئے سن یات سن اور ہوانگ ژنگ کے لئے یہ واقعہ بالکل غیر متوقع تھا۔ ٹوکیو سے جہاں تنگ منگ ہوئی کا ہیڈ کوارٹر تھا فوراً ایلچی روانہ کئے گئے لیکن باغیوں کے بڑی بہادری سے مقابلہ کرنے اور ایک مہینے سے زیادہ دیر تک ڈٹے رہنے کے باوجود شاہی فوجوں نے تحریک کو کچل دیا۔ ان واقعات کے بعد جس بے دردی سے باغیوں کو کچلا گیا اس کا اثر یہ ہوا کہ ہونان میں انقلابی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں لیکن یہ سکوت صرف دو تین سال تک ہی جاری رہ سکا۔

خفیہ جماعتوں کی از سر نو تنظیم کے مختصر عرصے کے دوران چیاؤ تافنگ اور شان سوشن بھی جو آگے چل کر ۱۹۱۱ء کے انقلاب چانگشا میں لیڈر بنے تعلیم سے فارغ ہو گئے اور انقلابی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے چیاؤ تافنگ خصوصاً خفیہ جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا جبکہ شان سوشن نئی فوج میں لفٹیننٹ تھا یہ دونوں انقلاب سے کئی سال پہلے تنگ منگ ہوئی میں شامل ہو گئے تھے احتجاج اور بغاوت کی روایتی طاقتوں سے ماؤ کو جو دلچسپی تھی اس کا ایک دلچسپ اظہار یہ ہے کہ ۱۹۳۶ء میں اس نے ان دونوں کا تذکرہ منجھے ہوئے انقلابی کی بجائے کولاؤ ہوئی کے نمائندوں کے طور پر کیا۔ (سچی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں وہ محض حالات کا مشاہدہ کرنے والوں میں سے تھا اور ممکن ہے کہ اسے ان کے پس منظر اور نام و نشان کا علم نہ ہو)

ہونان کے بے شمار انقلابی رہنماؤں کی کوششوں کو مزید تقویت ان مشکل اقتصادی حالات نے پہنچائی جو اس وقت صوبے میں پیدا ہو گئے تھے۔ قدرتی آفتیں ایسی ٹوٹیں کہ ۱۹۱۰ء میں چاول کی سخت قلت ہو گئی اور نرخ دُگنے سے بھی زیادہ ہو گئے لیکن حکّام نے معقول قیمت پر حکومت کے ذخیرے میں سے اناج مہیّا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ ۱۳ ر اپریل کی بات ہے کہ جب دس ہزار سے زیادہ لوگ اکٹھّے ہو کر گورنر کے سامنے شکایات پیش کر رہے تھے اور گورنر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ شکایات سن رہا ہے کہ اس نے فوج کو بلوا کر گولی چلوا دی۔ جس سے بہت سے لوگ جان سے مارے گئے، اور بہت سے زخمی ہوئے۔ پھر کیا تھا مجمع بپھر گیا۔ فوج گولی چلاتی رہی اور یہ نہتے لوگ یلغار کر کے محل میں گھس گئے اور اُسے جلا کر راکھ کر ڈالا۔

کسان پہلے ہی سختیوں کا شکار تھے اس قسم کے حالات اور واقعات نے انھیں اور بھڑکا دیا۔ ۱۹۱۱ء کے موسم بہار میں کینٹن پر ہوانگ شنگ کی ناکام یورش نے ہونان میں اور پورے ملک کے لوگوں میں احساس پیدا کر دیا کہ فیصلہ کن واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ اس پس منظر میں چیاؤ تافنگ نے ہمسایہ صوبہ ہُوپائی میں جا کر جہاں ووہان واقع ہے تنگ منگ ہوئی کے رہنماؤں سے ملاقات کی اور ایک معاہدہ کیا۔ معاہدہ یہ ہُوا جیسے ہی ووہان یا چانگشا میں بغاوت ہو۔ دوسرے صوبوں کے انقلابی دس دن کے اندر اندر اپنے رفیقوں کی مدد کے لئے ایک اور بغاوت برپا کر دیں۔ چنانچہ جب ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۱۱ء کو انقلاب برپا ہُوا تو یہ معاہدہ برقرار تھا اور چیاؤ تافنگ اس پر عملدرآمد کرنے کی نیّت رکھتا تھا۔ لیکن چانگشا کی اعتدال پسند ریپلکن پارٹی کے سربراہ نے جو صوبائی مشاورتی اسمبلی کا صدر تان ینکائی تھا تھوڑی سی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے چند دنوں کی تاخیر ہو گئی۔ بہرحال ہونان والے بارہ دن کے اندر اندر میدان میں اتر آئے اور زور شور سے انقلاب کا ساتھ دیا۔

ماؤ نے ایڈگر سنو کو جو اپنی داستانِ حیات سنائی اس میں اس نے ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۱۱ء کو ہونے والے واقعات کا بڑا دلفریب نقشہ کھینچا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ چانگشا کی فصیلوں کے سامنے بہت گھمسان کا رن پڑا۔ اندر سے مزدوروں نے پھاٹکوں پر ہلّہ بول رکھا تھا۔ اس طرح وہ ان انقلابیوں کی حامی فوجوں کی مدد کرنا چاہتے تھے جنھوں نے شہر پر چڑھائی کر رکھی تھی۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایسا معرکہ نہیں پڑا تھا کہ اسے گھمسان کا رن کہا جاتا۔ جن دو پھاٹکوں پر انقلابیوں نے ہلّہ

بولا تھا ان میں سے ایک پھاٹک پر تو کوئی بھی مزاحمت نہیں ہوئی - دوسرے پھاٹک پر جہاں خود چیاؤ تا فنگ حملہ آوروں کا سالار تھا محافظوں نے تھوڑی سی مزاحمت کی۔ لیکن چیاؤ تا فنگ نے قومی درد سے معمور کچھ ایسی پُر جوش تقریر کی کہ محافظ رام ہو گئے اور انقلابیوں کے ساتھی بن گئے شہر کے اندر داخلہ ملتے ہی دونوں رہنماؤں یعنی چیاؤ اور سان نے اپنی فوجوں کو یکجا کر لیا تاکہ گورنر کے محل پر حملہ کیا جائے لیکن گورنر کو یہ پتہ چل چُکا تھا کہ اس کا محافظ دستہ لڑنے پر آمادہ نہیں ہے یہ رنگ دیکھ کر وہ عقبی دیوار کے ایک سوراخ میں سے جو اس نے پہلے سے اسی قسم کے کسی ہنگامی موقعہ کے لئے بنوا رکھا تھا نکلا اور فرار ہو گیا۔ اُس زمانے کے کسی ماخذ سے بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ مزدوروں نے یا شہریوں نے کوئی ہنگامہ بپا کیا ہو، یہ معرکہ جس نے نہ تو طول کھینچا اور نہ جس میں خون بہا صرف نئی فوج ہی کا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے (انقلابی واقعات کے بہت سے معمّر اور زیادہ تجربہ کار شاہدوں کی طرح) ماؤ کے ذہن میں انقلاب کے ہنگامہ خیز مناظر کا محض دھندلا سا عکس ہی باقی رہ گیا تھا اور چوتھائی صدی بعد اس نے اپنے اس خیال کے تحت کہ ۱۹۱۱ء کا انقلاب کیسا ہونا چاہیے تھا۔ اپنے اسی عکس میں رنگ بھر دیا۔

ماؤ نے انقلابی شورش کا جو نقشہ کھینچا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ بڑی حد تک داستان سرائی ہو اور چیاؤ اور شانگ کو محض خفیہ جماعتوں کے رہنما قرار دینا بھی اس کی غلطی ہو، لیکن اس کے بعد کے سیاسی واقعات کا جو اس نے نقشہ کھینچا ہے اس میں بہت سچائی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ چیاؤ اور شان کوئی بُری ذہنیت کے لوگ نہیں تھے ان کے کچھ انقلابی عزائم تھے لیکن وہ غریب آدمی تھے اس لئے صرف مظلوموں کے مفادات کی نمائندگی کرتے تھے۔ زمیندار اور تاجر لوگ ان سے مطمئن نہیں تھے " ماؤ بتاتا ہے کہ نتیجہ آخر یہ ہُوا کہ تان ٹیکائی نے جو اس صوبے میں مال اور جائیداد والوں کے مفادات کا نمائندہ بن گیا تھا ان کے خلاف بغاوت کا بیج بویا اور انھیں مروا ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک روز جب ماؤ سڑک سے گزر رہا تھا تو اس نے دونوں کی لاشوں کو سڑک پر پڑا دیکھا۔

یہ بیان بڑی حد تک درست ہے واقعات کچھ ایسے ہی تھے۔ فوج کے جن سرکش عناصر نے چیاؤ اور شان کو ان کے اقتدار سنبھالنے کے بعد مار ڈالا تھا گمان غالب یہ ہے کہ انھیں تان ٹیکائی ہی نے بھڑکایا تھا اور تان ٹیکائی کو یقیناً زمینداروں اور تاجروں کی تائید حاصل تھی۔ اسی کے ساتھ

یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ۱۹۱۱ء کے چین میں نیک نیت نوجوانوں کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ یہاں تک کہ سن یات سن بھی جرنیلوں کے سامنے اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا اس لئے کہ اصلی اختیار اور اقتدار جرنیلوں کو ہی حاصل تھا سُن یات سن چین کی سیاست میں اس وقت تک کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکا جب تک اس نے سوویٹ مشیروں اور چینی کمیونسٹوں کی مدد سے اپنی الگ فوج تیار نہیں کر لی۔

اب جب چانگشا میں بھی انقلاب آ گیا تو ماؤ نے اپنے فوج میں بھرتی ہونے کے ابتدائی ارادے پر اصرار کیا لیکن اس مقصد کے لئے وہاں جانے کی بجائے وہ ہونان ہی کے ایک یونٹ میں بھرتی ہو گیا اس طرح وہ تان ینکائی کی ماتحتی میں آ گیا جو اپنے حریفوں کے مارے جانے کے بعد شہری نظم و نسق اور فوج کا سربراہ اعلیٰ بن چکا تھا اور اسی کے ساتھ وہ کرنل چیاؤ ہنگتائی کی کمان میں آ گیا یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ اُس وقت ان دونوں اشخاص میں سے کسی کو بھی اٹھارہ سالہ ماؤ کے وجود کا احساس ہوا ہوگا۔ لیکن بعد میں ان دونوں کی ماؤ سے اچھی طرح واقفیت ہو گئی۔ چیاؤ تو اس کا مدِ مقابل بنا۔ مگر عجب بات یہ ہوئی کہ تان ینکائی اس کا حلیف بن گیا۔ اور وہ بھی اس وقت جب تان کا شمار کومنتانگ کے بائیں بازو والوں میں ہوتا تھا۔

ماؤ کا فوج میں بھرتی ہونے سے مقصد یہ تھا کہ "انقلاب کی تکمیل میں مدد کی جائے لیکن وہ کسی لڑائی میں حصہ لیتا نظر نہیں آتا جس وقت سُن یات سن کے حامیوں اور یوان شیکائی کے حامیوں کے درمیان مسلح تصادم کی نوبت آ گئی تو ان دونوں حضرات کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا۔ یوان شیکائی سابق میں ایک اعلیٰ افسر تھا۔ مگر پھر وہ جمہوریت پسندوں سے آن ملا تھا۔ اس سمجھوتے کے بعد سُن نے نانکنگ میں اپنی حکومت توڑ دی اور کم از کم نظریاتی اعتبار سے دوبارہ اتحاد و یگانگت قائم ہو گئی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ یوان نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور جمہوریت پسند جماعت کے لیڈروں نے اپنے آپ کو مقید پایا یا پھر انھیں قتل کر دیا گیا۔ جو ان سزاؤں سے بچ نکلے انھیں جلا وطنی نصیب ہوئی یا اُن کی زباں بندی کر دی گئی لیکن ۱۹۱۲ء کے موسم بہار میں ماؤ نے یہ طے کرنے کے بعد کہ انقلاب ختم ہو چکا ہے چھ ماہ کی سپاہیانہ زندگی ترک کر کے دوبارہ علم کی طرف رجوع کیا۔

یوں اگرچہ ماؤ نے ۱۹۱۱ء کے انقلاب میں واقعی کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا تھا تاہم اس کی چھ ماہی فوجی زندگی اس کی تعلیم میں ایک نئی منزل کا نشان بن گئی ۔ یہ کہنا کہ فوجی زندگی کے مختصر سے تجربے کے بعد اس نے اسی وقت یہ نتیجہ مرتب کر لیا تھا کہ چین میں سیاسی اقتدار کی کنجی فوج ہے ۔ کچھ مشتبہ سی بات لگتی ہے اگرچہ اس کے دوست ایمی زیاؤ نے یہی دعویٰ کیا ہے ۔ ایسا نتیجہ تو جنگی راہنماؤں کے باہمی تفرقے اور طویل بدنظمی کے بعد ہی مرتب کیا جا سکتا تھا۔ بہر حال ماؤ نے لوگوں سے اپنے تعلقات بہت حد تک وسیع کر لئے ۔ خاص طور پر ایک کانکن اور ایک لوہار سے اس کی دوستی ہوئی اسی کے ساتھ ساتھ طالب علمی والی ذہنیت اس کے یہاں ایسی رچ بس گئی تھی کہ اُسے مہینے میں جو سات ڈالر ملتے تھے ان میں سے وہ زیادہ رقم سقّوں سے پانی بھروانے پر خرچ کر ڈالتا تھا سپاہیوں کو خود شہر کے باہر سے پانی بھر کر لانا پڑتا تھا لیکن ماؤ اس قسم کی مشقت کو اپنے عالم ہونے کے مرتبے سے کم گردانتا تھا۔

یوں اس کا جو وقت بچ جاتا تھا وہ اسے اخباروں کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا اپنی باقی کی تنخواہ وہ انھیں اخباروں پر خرچ کرتا تھا۔ ان میں سے ایک اخبار میں سوشلزم پر مضامین شائع ہوئے ۔ اور یوں اس اصطلاح سے وہ پہلی بار آشنا ہوا ۔ اس نے چیانگ کانگ ہو کے لکھے ہوئے کئی کتابچے پڑھے چیانگ جاپان سے تعلیم پا کر آیا تھا نومبر ۱۹۱۱ء میں اس نے ایک چینی سوشلسٹ پارٹی قائم کی تھی ان سب باتوں سے متاثر ہو کر اس نے سوشلزم اور معاشرتی اصلاح پسندی پر دوسرے سپاہیوں سے تبادلہ خیال کیا اور اس موضوع پر اپنے چند طالب علم دوستوں سے خط و کتابت کی لیکن اس کی کچھ زیادہ حوصلہ افزائی نہیں ہوئی ۔

۱۹۱۲ء میں سوشلزم کے بارے میں اپنی جس دلچسپی کا ذکر ماؤ نے کیا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ انھیں دنوں اشتراکی انقلاب کا حامی بن گیا تھا ابھی ہم دیکھیں گے کہ اس کے پانچ برس بعد جب اس کا پہلا مقالہ شائع ہوا ہے تو اس میں انقلابی خیالات کی پرچھائیں تک نظر نہیں آتی لیکن سوشلزم کے خیال سے اس پہلی آشنائی میں جن خیالات نے اس کے دل میں گھر کیا وہ اس کی آئندہ کی نشو و نما پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ۔

فوج چھوڑنے کے بعد ماؤ نے اسکول واپس جانے کا عزم کو باندھا ۔ مگر اسے کس قسم کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے اور فکر معاش کے لئے کونسا مشغلہ اختیار کرنا چاہیے ۔ اس بارے میں وہ مذبذب تھا ۔ پرانے علوم کی تو اب

کچھ ایسی قدر رہی نہیں تھی۔ یوں عہدِ قدیم کی تاریخ و فلسفہ کی کتابیں اب تک جدید ترین سکولوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ لیکن گنتی کے کٹر قدامت پسند ہی ایسے تھے جو انھیں نئے زمانے میں بھی کارآمد تصوّر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پُرانا نظامِ امتحانات سلطنت کے زوال سے پہلے ہی ۱۹۰۵ء میں ختم کر دیا گیا تھا اور اب خالص کلاسیکی تعلیم پانے والوں کے لئے کسی ذریعہ معاش کی گنجائش نہیں رہی تھی، لیکن ادھر دوسری طرف اگرچہ جدید مغربی طرز کی تعلیم ضروری خیال کی جاتی تھی۔ اگرچہ نئی طرز کے کچھ سکول بھی کھل گئے تھے لیکن ابھی تک یہ واضح نہیں ہُوا تھا کہ ان کے گریجویٹوں کی قومی زندگی میں کیا جگہ ہو گی، یا کون سے سکول ذہین نوجوانوں کے لئے کامیاب حصولِ معاش کے نقطۂ نظر سے موزوں رہیں گے

پس ماؤ اکیلا نہیں تھا جسے رستہ تلاش کرنے میں دِقّت ہو رہی تھی۔ اخباروں میں اشتہارات سے متاثر ہو کر اُس نے اپنا نام پہلے ایک پولیس کے تربیتی سکول میں اور پھر صابون سازی کے سکول میں لکھوایا۔ اس کا ایک دوست قانون کا طالب علم بن گیا تھا۔ اس نے ماؤ کی توجہ اپنے سکول کے ایک اشتہار کی طرف دلائی جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ طالب علم کو تین سال کے اندر اندر سارا قانون پڑھا دیا جائے گا جس کے فوراً بعد وہ وکیل بن جائے گا۔ ماؤ اس اِمکان پر بہت خوش ہُوا اور اس نے اپنے گھر والوں کو ایک خط لکھا جس میں اپنے مستقبل کا خوش کن نقشہ کھینچا کہ کس طرح وہ قانون دان اور وکیل بن جائے گا اور ٹیوشن فیس کا تقاضہ کیا لیکن پھر ایک اور اشتہار نے اسے اس پر قائل کر لیا کہ کمرشل ایکسپرٹ بن جانا بہتر رہے گا۔ اور اس نے ایک اعلیٰ کمرشل سکول میں اپنا نام درج کرا لیا اور اس مرتبہ تو واقعی وہ مہینہ بھر تک کلاس میں حاضری بھی دیتا رہا۔ لیکن پھر وہ یہ سکول چھوڑ گیا کیونکہ یہاں پر تعلیم زیادہ تر انگریزی میں ہوتی تھی جس کا بہت کم حصّہ اس کی سمجھ میں آتا تھا۔

چانگشا کے فرسٹ پراونشل مڈل سکول میں تجربے کے طور پر اس نے چھ مہینے اور گزارے اور روایتی تاریخ تھوڑی بہت اور پڑھ لی۔ اس کے بعد ماؤ نے فیصلہ کیا کہ اپنے طور پر مطالعہ زیادہ مفید رہے گا۔ چنانچہ اُس نے سکول سے اپنا نام کٹوا دیا اور اگلے چھ مہینے اس نے اس طرح گزارے کہ ہونان کی صوبائی لائبریری میں وہ صبح سے

لے کر رات تک پڑھتا رہتا تھا۔ اسی زمانے میں اس نے مغرب کی حریت پسندی کی روایت میں لکھی ہوئی وہ مشہور کتابیں پڑھیں جنھیں ین فو نے چینی میں منتقل کیا تھا۔ مثلاً WEALTH OF NATION اور LESPIRT DIES LOIS اور ڈارون جے ایس مل، روسو اور سپنسر کے ترجمے بھی پڑھے، اس نے پہلی مرتبہ دنیا کا نقشہ دیکھا اور روس انگلستان، امریکہ، فرانس اور دوسرے ممالک کی تاریخ اور جغرافیہ پڑھ ڈالا۔

ماؤ کے حق میں یہ زمانہ بہت مفید ثابت ہوا لیکن وہ اسے جاری نہ رکھ سکا اس لئے کہ اس سرگرمی میں اس کے گھر والوں نے اُس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اُن کے نزدیک یہ واضح طور پر بے مقصد تھی اس کے علاوہ اس نے بھی اپنے ذریعہ معاش کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا اور فیصلہ یہ کیا کہ وہ استادی کے پیشہ کے لئے بہت موزوں ہے۔

ایک مرتبہ پھر ایک اشتہار پر اس کی نظر پڑ گئی۔ اس مرتبہ یہ اشتہار چانگشا کے فورتھ پراونشل نارمل سکول کا تھا۔ ماؤ نے ۱۹۱۳ء کے موسم بہار میں وہاں داخلہ لے لیا۔ اگلے موسم خزاں میں فورتھ نارمل سکول فرسٹ نارمل سکول کے ساتھ ملا دیا گیا اور ماؤ اور اس کے ساتھی طلبا کا تبادلہ ادھر ہو گیا۔ یہاں سے وہ ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں گریجوئٹ بن کر نکلا۔

ماؤ کی زندگی میں ان پانچ برسوں کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے، ایک طرف تو یہ ایسے سال تھے جن میں اس نے قدیم اور جدید چینی اور مغربی دونوں قسم کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن ان برسوں کی اہمیت اس سے بھی کچھ زیادہ تھی۔ یہ وہ برس تھے جن میں ماؤ نے مُعلّمی کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشے کے واسطے سے اسے ایک زیادہ وسیع فریضہ انجام دینے کا موقعہ مل گیا مگر شاید اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات ہے کہ فرسٹ نارمل سکول اور چانگشا کے دوسرے سکولوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی جماعت ذہنی طور پر بہت بیدار اور سیاسی طور پر بہت باشعور تھی وہ جماعت ماؤ کے لئے ایک مثالی تربیت گاہ ثابت ہوئی۔ جہاں اس نے ایک سیاسی کارکن کے طور پر بہت کچھ سیکھا یہاں اس نے وہ خیالات اور طریقے وضع کئے جنھیں اسے آگے چل کر استعمال کرنا تھا۔ یہاں اس نے دوست اور ساتھی بنائے جن میں سے بعض اس کی قیادت میں ۱۹۴۹ء کی مکمل کامرانی کے وقت تک چلتے رہے۔

نارمل سکول میں ماؤ کے جو دو بہت گہرے دوست تھے ان میں سے کوئی بھی فتح کے موقعہ پر اس کے ہمراہ نہیں تھا۔ ان میں سے تسائی ہوسین تو سالوں پہلے انقلابی جدوجہد میں کام آ گیا تھا۔ دوسرا دوست شیاؤ شوتنگ ایک الگ سیاسی سمت میں چل پڑا تھا اور ماؤ کا سخت دشمن بن گیا تھا۔

تسائی ہوسین بھی ماؤ کی ماں کی طرح شیانگ شیانگ تحصیل کا رہنے والا تھا اور چھ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس کا باپ کسی زمانے میں شنگھائی کے چیانگ نان کے اسلحہ خانہ میں معمولی درجہ کا ملازم تھا۔ ماں کی طرف سے اس کی تسینگ کوفان سے دور کی رشتہ داری تھی۔ وہ ماؤ اور شیاؤ سوتنگ سکول میں تین سب سے زیادہ ذہین طالب علم سمجھے جاتے تھے اور انھیں خود بھی اپنی برتری کا بہت احساس تھا وہ اپنے آپ کو "تین ہیرو" یا "تین اکابر" کہنا پسند کرتے تھے، یہ ترکیب انہوں نے ماؤ کے محبوب ناول "تین سلطنتوں کے رومان" سے مستعار لی تھی اور اس کا مفہوم صرف طاقت ہمت ہی کی حد تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ یہ بھی تھا کہ وہ ذہنی اور اخلاقی اوصاف سے مالا مال ہیں۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ چانگشا کی رہائش کے زمانے میں ماؤ جسمانی قوت پر برابر زور دیتا رہتا تھا اور وہ اور اس کے دوست شعوری طور پر لمبی لمبی چہل قدمی کر کے اور دھوپ، مینہ اور جاڑے میں اپنی جسمانی مزاحمت کو بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔

ماؤ جب نارمل سکول میں پڑھتا تھا تو اس کی اپنے ایک اور ہمعصر سے شناسائی ہوئی جسے اس کے آئندہ کے تجربات میں بہت زیادہ اہم حیثیت حاصل ہونے والی تھی۔ یہ لائی لیزاں تھا۔ ایک دفعہ ماؤ نے ایک فرضی نام یعنی اٹھائیس شوشوں والے طالب علم (جو تین حروف مل کر اس کا نام بناتے ہیں، ان میں اٹھائیس شوشے لگانے پڑتے ہیں) کے نام سے اخبار میں اشتہار نکلوا دیا کہ میں ان نوجوانوں سے ملنا چاہتا ہوں جو ملک کے مستقبل کے بارے میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ خود اس کے بقول اسے ساڑھے تین جواب موصول ہوئے آدھا جواب لائی لیزاں کا تھا۔ جس نے ماؤ کی ساری باتیں سنیں لیکن اپنی رائے کا اظہار کئے بغیر ہی چلا گیا۔ ماؤ نے ۱۹۳۶ء میں ڈھکے چھپے طنزیہ لہجے میں کہا کہ "ہماری دوستی کبھی نہیں بڑھ سکی۔" واقعہ یوں ہے کہ اس ملاقات کے بارہ برس بعد اس سوال پر ان کے درمیان بہت سخت جھگڑا ہوا کہ چین جیسے جاگیردارانہ ملکی نظام میں کونسا طریق کار انقلاب

کی کامیابی کا ضامن ہو سکتا ہے۔

فرسٹ نارمل سکول سرکاری طور پر اعلیٰ تعلیم کی نہیں بلکہ ثانوی تعلیم کی درسگاہ شمار ہوتی تھی اس لئے ایک معنی میں ماؤ نے یونیورسٹی کی تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن اس سکول میں تعلیم کا معیار اعلیٰ تھا اور سچ یہ ہے جتنی تعلیم وہ کسی صوبائی یونیورسٹی میں پا سکتا تھا اتنی اس نے اسی سکول میں حاصل کر لی تھی۔ نارمل سکول میں ماؤ بالخصوص دو استادوں سے بہت متاثر ہوا۔ ایک توصیفی زبان کا معلّم تھا۔ اسے لڑکے وڑھیل یوان کہتے تھے۔ اور وہ ماؤ کا اس بات پر بہت مذاق اڑاتا تھا کہ وہ لیانگ چائی چاؤ کے طرزِ نگارش کی نقل کرتا ہے اس نے ماؤ کو یہ درس دیا تھا کہ وہ تانگ خاندان کے مشہور انشاپرداز ہان یو کے اسلوب کو نمونے کے طور پر سامنے رکھے۔ ماؤ نے ۱۹۳۶ء میں یہ بات کہی کہ "وڑھیل یوان کی عنایت سے مجھ میں یہ اہلیت ہے کہ ضرورت پڑنے پر آج بھی میں طرزِ قدیم میں اچھا بھلا مضمون لکھ سکتا ہوں"۔

دوسرا استاد 'علم الاخلاق' کا پروفیسر یانگ چانگ چائی تھا یانگ صرف اونچی جماعتوں کو پڑھاتا تھا اس لئے ماؤ کہیں ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء میں اس کا شاگرد بنا۔ اس وقت چین کی ذہنی فضا میں اس تحریک کا خمیر اٹھ رہا تھا۔ جسے چوتھی مئی کی تحریک کہتے ہیں۔ محدود معنوں میں اس اصطلاح سے مراد طلبہ کے وہ مظاہرے ہیں جو پیکنگ میں ۴ مئی ۱۹۱۹ء کو شروع ہوئے یہ مظاہرے پیرس کی امن کانفرنس کے خلاف ہوئے تھے جس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ شان تنگ میں سابقہ جرمن مراعات چین کو واپس دینے کی بجائے جاپان کو دے دی جائیں۔ لیکن اس اصطلاح کا اطلاق اس سے بڑھ کر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۱ء تک کے برسوں اور ان انتہا پسندانہ انقلابی خیالات پر ہوتا ہے جو اس زمانے میں چین میں چھائے ہوئے تھے ۱۹۱۱ء کے انقلاب کے وقت چین میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو مغربی رسوم و افکار کی اپنے طور پر نقالی کی علانیہ حمایت کرتا ہو سوال یہ تھا کہ مغرب کے مخصوص طرز طریق کو کیسے چین کی ضروریات کے مطابق کیسے بنایا جائے۔ تان سو تنگ تو جس نے ۱۸۹۸ء کی تحریک اصلاح کے وقت مغربی رنگ کو مکمل طور پر قبول کرنے کی حمایت کی تھی، مستثنیات میں سے تھا۔ نہ تو کیانگ اور نہ ہی لیانگ اس حد تک گئے لیکن ۱۹۱۱ء کے بعد کے برسوں میں بہت زبردست تبدیلی آئی جس کی نمائندگی رسالہ "نوجوان" سے ہوتی ہے جس کا تھوڑے ہی عرصے بعد نام بدل کر "نیا نوجوان" رکھ دیا گیا۔ اس رسالہ کے روحِ رواں پیکنگ یونیورسٹی کے جو کہ

ملک میں روشن دماغ طبقے کا سب سے بڑا مرکز تھا شعبۂ ادبیات کے صدر چن تو شو تھے جو بعد میں چینی کمیونسٹ پارٹی کے پہلے سیکرٹری جنرل بنے۔ چن کا یہ پیغام تھا کہ مغربی رنگ و کمال اپنایا جائے وہ کہتے تھے کہ چین کی نجات "مسٹر جمہوریت" اور "مسٹر سائنس" کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ یہ دونوں ماضی کی جہالت، توہم پرستی اور بربریت کو مٹا کر مغربی خطوط پر ایک جدید لادینی مملکت کی بنیاد قائم کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔

چن کو چین کے ماضی کے کم و بیش ہر پہلو سے نفرت تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں اپنے ملک کے مستقبل سے دلچسپی نہیں تھی۔ معاملہ اس کے الٹ ہے۔ ان کا ایک بہت مشہور فقرہ ہے کہ "مجھے قومی جوہر کا مٹ جانا منظور ہے مگر یہ منظور نہیں کہ زندہ رہنے کی صلاحیت نہ رکھنے کی بدولت ہماری نسل ہی حال و مستقبل کے تختہ سے نیست و نابود ہو جائے۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نصب العین واضح طور پر یہ تھا کہ اپنے ماضی پہ ناز کرنے کی بجائے حقائق کو قبول کر کے قوم کو بچانے کی تدبیر کی جائے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ چن کی ۱۹۱۵ء ۱۹۱۸ء کی تحریروں میں چین کے تہذیبی ورثے کو جس بے دریغی سے رد کیا گیا تھا اس سے قومی غرور کو اتنی ٹھیس لگتی تھی اور اسے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا اور پھر یہ سوال بھی تو تھا کہ پوری قوم اور ایسی قوم جو بڑی حد تک جاہل کسانوں پر مشتمل ہو۔ کس طرح اپنے پورے ورثے کو خیرباد کہہ کر سرے سے ہی مختلف روائت کو اپنائے مگر اس کے ساتھ ساتھ چن تو شو کے اس تاریخی فریضہ کو سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ بیسویں صدی کے شروع میں چین میں روایات اور اقتدار کا اختیار کس قدر زیادہ تھا چن اور ان کے رفقا نے جو تند اور بربادی کی حد تک مؤثر اعلانِ جنگ ماضی کے خلاف کیا اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ ڈوبتی ہوئی روائت کا دوبارہ اسیر ہوئے بغیر اس کے بہت سے عناصر و اجزا کو بچا لیا جائے۔

ماؤ کا اخلاقیات کا استاد یانگ چانگ چائی تو اوّل دن ہی سے "نیا نوجوان" کا پرجوش قاری اور حامی بن گیا اس نے اپنے سب طلبہ کو یہ رسالہ پڑھنے کی ہدایت کی اور یہ اسی کا فیضان تھا کہ ماؤ کا بہت جلد چین کی ذہنی زندگی کے بڑے دھارے سے رابطہ قائم ہو گیا لیکن ساتھ ساتھ ماؤ سکول میں یانگ سے وہ تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا جس میں چینی افکار اور مغربی افکار باہم شیر و شکر تھے۔ یانگ اس قسم کی تعلیم دینے کی غیر معمولی استعداد رکھتا تھا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو اس کی قدیم

علوم کی تعلیم بہت پکی تھی دوسری طرف اس نے دس برس تک جاپان انگلستان اور جرمنی میں بھی تعلیم حاصل کی تھی وہاں وہ کانٹ اور ٹی۔ ایچ گرین کا شاگرد رہا تھا اور سیمویل سمائیلز کا بھی مداح تھا۔ مگر اسی کے ساتھ ہی بارہویں صدی کے مشہور فلسفی چُوشی نے کنفیوشس کی جو نئی تعبیر کی تھی وہ اس کا بھی بدستور قائل رہا۔ ماؤ کے اس کی کلاس میں آنے سے کچھ عرصہ قبل اس کا ایک مقالہ چانگشا میں شائع ہُوا تھا۔ اس مقالہ میں اس نے ایک بات ایسی کہی ہے جس میں بلاشبہ اس کی تعلیم کی روح سمٹ آئی ہے۔

"ہر ملک کی اپنی ایک قومی روح ہوتی ہے جس طرح ہر آدمی کی اپنی ایک شخصیت ہوتی ہے ایک ملک کی تہذیب کا پودا مکمل طور پر دوسرے ملک میں نہیں لگایا جا سکتا، ملک تو ایک نامیاتی وحدت ہوتا ہے جس طرح انسانی جسم ایک نامیاتی وحدت ہوتا ہے۔ وہ کوئی مشین نہیں ہے جس کے کل پُرزے الگ الگ کر کے پھر جوڑ دیئے۔ ملک کے کل پُرزوں کو اگر الگ الگ کر دیا جائے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔"

پس یہ شخص مغربی فکر وخیال اور اداروں کے ہر پہلو کے مطالعہ پر بھی زور دیتا۔ اور مغربی سائنس اور ٹیکنولوجی کو برتنے کی بھی وکالت کرنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کو یہ نصیحت بھی کرتا تھا کہ اپنے قومی ورثے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی دانست میں مغرب سے علوم سیکھنے کا مصرف یہ نہیں تھا کہ چینی ثقافت کے نعم البدل کے طور پر کوئی نئی ثقافت دریافت کی جائے بلکہ یہ کہ خود چینی تہذیب کو از سر نو تحریک دی جائے

یانگ چانگ چائی کا اثر ماؤ پر یقیناً بہت گہرا پڑا جب ماؤ ۱۹۳۶ء میں اس کا ذکر کر رہا تھا۔ تو وہ اس واقعہ کو نہیں بھول سکا تھا کہ اس نے آگے چل کر یانگ کی بیٹی سے جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا شادی کر لی تھی اور قوم پرستوں[1] نے اس خاتون کو ۱۹۳۰ء میں پھانسی دے دی تھی ماؤ نے یانگ کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ وہ اونچے اخلاقی کردار کا مالک تھا اور اس کی کوشش یہ رہتی تھی کہ اس کے شاگرد انصاف پسند، پاکباز، نیک سیرت اور معاشرہ کے لئے مفید بننے کے آرزومند ہوں۔" ماؤ کے اس بیان میں شاید صرف خُسر سے محبت کا جذبہ کارفرما نہیں تھا بلکہ استاد کی پُرخلوص تحسین کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا۔

یانگ نے ماؤ کو صرف "نیا نوجوان" کے مغرب پرستوں اور بُت شکنوں ہی سے متعارف نہیں کیا

[1] چانگ کائی شک کی پارٹی۔

بلکہ ایک اور گروہ سے بھی آشنا کرایا جو چینی روایت کے دائرے میں ملک کی حیاتِ ثانیہ کا خواہشمند تھا۔ اس گروہ نے شروع سترویں صدی کے ہُونانی عالم وانگ فوچی سے ناطہ جوڑا تھا یہ گروہ انجمن مطالعہ وانگ فوچی تھا۔ اس انجمن کی بنیاد چانگشا کے ممتاز ادیبوں نے کم و بیش اسی زمانے میں رکھی تھی جس زمانے میں "نیا نوجوان" جاری ہوا تھا۔ وانگ فوچی ان چند زیرِ دست انقلابیوں میں سے تھا جنھوں نے مان چُو کی فتح کے وقت چین کے نئے غیر ملکی حکمرانوں کی تابعداری سے انکار کر دیا تھا انہوں نے چوشی کے قدیم علوم کے نظریاتی طور پر غلط استعمال کی مذمت کی اور مِنگ و منگ عہد کے نئے کنفوشس پرستوں کو یہ کہہ کر رَد کیا کہ انہوں نے علماء و فضلاء کو عملی مسائل سے ہٹا کر تربیتِ نفس اور متصوفانہ مشاغل کے رستے پر ڈال دیا ہے اور اس طرح قومی آزادی چھیننے میں مدد کی ہے۔ ان لوگوں نے نہ صرف قدیم علوم کے خلاف ہی بلکہ روائتی رویّوں کے مقابلہ میں بھی عسکری تربیت کے وقار کا علم بلند کیا، انجمن مطالعہ فوچی کو یہ پورا رویّہ عہدِ حاضر کے واسطے سے بہت بامعنی نظر آیا۔ یانگ چانگ چائی کے کہنے سننے پر ماؤ نے اس انجمن کے جلسوں میں شرکت کی اور اس کے نقطۂ نظر کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ (ورڈسیل یوان نے بھی اس سلسلہ میں اس کی بہت ہمت افزائی کی)۔

اپریل ۱۹۱۷ء میں "نیا نوجوان" میں ماؤ کا ایک مقالہ شائع ہوا۔ یہ اس کی پہلی ادبی کاوش تھی اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے اس رسالہ کی نسبت جس میں اس کا مضمون شائع ہوا نئے روایت پسندوں سے زیادہ اثرات قبول کئے تھے۔ اس مقالہ کا عنوان تھا جسمانی تربیت کے بارے میں ایک مطالعہ اس میں ماؤ نے اپنے دیس والوں کے سامنے ورزشوں کا ایک طریقِ کار جو اس نے خود وضع کیا تھا اس دعوے کے ساتھ پیش کیا تھا کہ اس کے ذریعے ان کے جسم اور کردار دونوں کی مضبوطی کا سامان ہوگا۔ ماؤ اس وقت اور آج بھی جسمانی ورزش کا بڑا سرگرم علمبردار ہے۔ اور اس لئے مقالہ کا یہ موضوع بہت معنی رکھتا ہے۔ لیکن جن مصلحتوں کی بنا پر اس نے اس طریق کار کی اہمیت کا جواز پیش کیا وہ اور بھی دلچسپ ہیں۔ اس کا استدلال تھا کہ غیر ملکی ظلم و جور کا مقابلہ کرنے اور قوم کو نجات دلانے کے لئے آدمی کا صحت مند اور صاحبِ عزم ہونا بہت ضروری ہے۔ اس نے ابتدائی فقروں ہی میں اس مقصد کو بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے "ہماری قوم میں قوت کی کمی ہے۔ فوجی جذبے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی لوگوں کی جسمانی حالت روز بروز گرتی جارہی ہے نہایت تشویشناک صورت

حال ہے ...... اگر یہی حالت رہی تو ہماری کمزوری بڑھتی چلی جائے گی اپنے مقاصد کا حصول اور اپنے اثر کو محسوس کرانا یہ خارجی معاملات ہیں اور ہماری کوششوں کے خارجی اثرات ہیں۔ ہماری جسمانی قوت کا فروغ اندرونی معاملہ ہے اسے ان کا سبب کہیے۔ اگر ہمارے جسم مضبوط نہیں ہوں گے تو ہم دشمن سپاہیوں کو دیکھتے ہی خوفزدہ ہو جائیں گے اور اگر صورت یہ ہوئی تو ہم اپنے نصب العین کو کیسے حاصل کریں گے اور کیسے اپنے لئے باعزت مقام حاصل کریں گے۔"

اور جس پیراگراف میں جسمانی تربیت کے فوائد سے بحث کی گئی ہے اس میں ماؤ نے صاف صاف کہا ہے کہ "جسمانی تعلیم اصل غرض فوجی شجاعت ہے۔

اس مقالہ میں ہمیں ماؤ کی شخصیت کے دو بہت مخصوص پہلو نمایاں صورت میں نظر آتے ہیں۔ ایک تو چین کے مستقبل کی فکر اور دوسرے ہمت طاقت اور عسکریت پر قومی نجات کے ہتھیاروں کے طور پر اصرار۔ اس کے مقابلہ میں خود آگاہی، (یہ اصطلاح ماؤ نے ۱۹۱۷ء میں استعمال کی) کا موضوع ابھی بالکل ابتدائی صورت میں ہے۔ ماؤ لکھتا ہے کہ "جب ہم جسمانی تعلیم کی بات کریں تو ہمیں انفرادی قوتِ عمل سے ہی بات شروع کرنی چاہیے۔ انیسویں صدی کے یورپ کی آزاد خیال روایت کے چینی مداحوں کے (جن میں یانگ چانگ چائی بھی شامل ہے) ذریعے وہ یہ بات پہلے ہی جان چکا تھا کہ (جو توانائی قوم کو صاحب دولت اور قوت بناتی ہے) وہ معاشرہ کے ہر فرد کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور جسے انفرادی قوتِ عمل کو اُبھار کر ہی بروئے کار لایا جا سکتا ہے لیکن وہ ابھی اس نتیجہ پر نہیں پہنچا کہ اس توانائی کو بروئے کار لانے کے لئے فکر اور طور طریقوں کے ان روایتی سانچوں کو توڑنا پھوڑنا ضروری ہوتا ہے۔ جو فرد کی خود اختیاری کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ خود اعتمادی کی وکالت میں کنفوشس سے ایک قول ("برتر آدمی جس شے کا خواہاں ہوتا ہے وہ خود اس کے اندر ہی موجود ہوتی ہے") اور کردار کی مضبوطی کے سلسلے میں سنگ کاؤ فان کی مثال پیش کرتا ہے لیکن اگرچہ ۱۹۱۷ء میں ماؤ زے تنگ کی ذہنی فضا ہنوز چینی اور روایتی رنگ میں ڈوبی نظر آتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "نیا نوجوان" کا مطالعہ اور انقلابی مغربی خیالات سے آشنائی اپنا اثر نہیں کر رہی تھی۔ پیکنگ یا شنگھائی میں رہنے والے چینی کے لئے بھی جو ایک یا ایک سے زیادہ مغربی زبانیں جانتا تھا بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں ان تصورات کو سمجھنا آسان کام نہیں تھا۔ جو اس کی روایت

سے اتنے اجنبی تھے۔ اور ایک ایسے ہونانی کے لئے جو کسی غیر ملکی زبان سے آشنا نہیں تھا اور جو کبھی اپنے صوبے سے نہیں نکلا تھا یہ کام اور بھی مشکل تھا۔ اس کے باوجود ماؤ اس سلسلے میں کافی ترقی کر رہا تھا۔

ماؤ کے ایک زیادہ ترقی پسندانہ رویّے کی طرف آنے میں یقیناً ایک اور استاد کا بھی ہاتھ ہے جو بعد میں اس کا ایک پُرخلوص سیاسی مرید بن گیا۔ یہ شوتائی لی تھا وہ ہونان کے ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور جاپان میں تعلیم پائی تھی۔ وہاں وہ سن یات سن کی تنگ منگ ہوئی کا ممبر بن گیا۔ شو گفتگو ہی میں نہیں بلکہ عمل میں بھی بُت شکن تھا۔ وہ ان دو استادوں میں سے ایک استاد تھا جو پیدل سکول آتے تھے اور اسی واسطے سے توجہ کا مرکز بن گئے تھے (باقی دوسرے استاد رکشا میں بیٹھ کر آتے تھے چند آسودہ حال پروفیسر یانگ چانگ چائی سمیت ایسے بھی تھے جو پالکی میں آتے تھے)۔

چانگشا کے زمانۂ طالب علمی میں ماؤ کی شخصیت کا جو پہلو جدیدیت کا رنگ لئے ہوئے تھا وہ اس کے اس وقت کے ایک یادگار مقالہ سے زیادہ اس کی سرگرمیوں میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے اس لئے کہ ایسی جماعت بنا لینا جس میں نئے خیالات پر بحثیں ہوں آسان کام ہے لیکن ایک ناآشنا سیاق و سباق میں مفصل اور مربوط استدلال کے ساتھ بحث کرنا مشکل ہے ۱۹۱۵ء ہی میں ماؤ نارمل سکول کی انجمن طلبہ کا سیکرٹری منتخب ہوگیا تھا اور اس دوسرے سلسلوں میں اس نے نئے افکار کے مطالعہ کے فروغ اور تنظیم کے بارے میں جامد اور فرسودہ تصورات کے خلاف برسرپیکار ہوتے ہیں روز بروز زیادہ سرگرمی دکھائی۔ اس نے جو پہلا اپنے رنگ کا مخصوص قدم اٹھایا وہ "انجمن برائے خود اختیاری طلبا" نام کی ایک جماعت کا قیام تھا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سکول کے حکّام کے ایسے تقاضوں کے خلاف جو نامنصفانہ نظر آئیں اجتماعی مزاحمت کے لئے طلبا کو تیار کیا جائے۔

اس وقت بھی جب ماؤ روایت کی لعنتوں کے خلاف یہ تحریک مزاحمت شروع کر رہا تھا۔ بچپن کا دیہقانی ماحول اس کے اندر رچا بسا ہوا تھا۔ اس کے مظاہرے کا موقعہ اسے اس وقت ملا جب ۱۹۱۷ء کے موسم بہار میں ان لڑائیوں کے ہنگام میں جو مختلف فوجی گروہوں کے درمیان برپا تھیں اور جن کی وجہ سے صوبے کی مسلسل پامالی ہو رہی تھی اس نے فرسٹ نارمل سکول کی حفاظت کی

کمان سنبھالی۔ اس موقعہ پہ وہ طلبا کی رضاکار فوج کا سربراہ بنا ہوا تھا اور اس نے ایک ایسی ترکیب استعمال کی جو ہونان کے دیہاتی علاقے میں بہت معروف ہے۔ اس نے طلبہ کو ہدایت کی کہ چھوٹے چھوٹے بانس لے کر اس طرح تراشے جائیں کہ ان کی تیز نوک نکل آئے۔ پھر جب سپاہی سکول کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کریں تو ان نوکیلے بانسوں سے ان کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں خیر سپاہیوں نے یہ کوشش نہیں کی۔

مون کیک فیسٹول کے موقعہ پر ۱۹۱۷ء کے موسم خزاں میں ماؤ نے اپنی روایتی ذہنیت کا ایک نیا اور زیادہ اثر انگیز مظاہرہ کیا۔ فرسٹ نارمل سکول کے عقب میں ایک پہاڑی پر کچھ طلبا جمع ہوئے اُن کے درمیان بحث کا موضوع یہ تھا کہ ملک کو بچانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بعض کی تجویز یہ تھی کہ سیاست میں حصہ لیا جائے۔ اس کا جواب ماؤ نے یہ دیا کہ نمائندہ منتخب ہونے کے لئے پیسے اور تعلقات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض نے یہ تجویز پیش کی کہ معلمی کے پیشہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آنے والی نسلوں کو اپنا ہم خیال بنایا جائے لیکن ماؤ نے اس پہ یہ اعتراض کیا کہ اس میں بہت وقت لگے گا جب اس سے پوچھا گیا کہ تم کیا حل تجویز کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ کہ

”لیانگ شان پاؤ کے مردانِ حر کے نقشِ قدم پر چلو“

لیانگ شان پاؤ اس پہاڑی حصار کا نام تھا جہاں ماؤ کے محبوب ناول ”واٹر مارجن“ کے لٹیروں نے اپنا اڈا بنایا تھا اور نا انصافی اور بدنظمی کی ماری ہوئی دنیا میں امن و انصاف کے لئے لڑ رہے تھے۔ ٹھیک دس برس بعد ماؤ چنگ کانگشان کی بلندی پر چڑھ گیا اور کچھ اسی رنگ کے معرکہ کا آغاز کیا۔ لیکن ابھی اس وقت یعنی ۱۹۱۷ء کے آخر میں اسے جدید مغربی افکار کو قبول اور جذب کرنے کے لئے ایک قدم اور آگے بڑھانا تھا، اس کا سب سے اہم اور ٹھوس اظہار اس طرح ہوا کہ اس نے نئے لوگوں کی انجمن مطالعہ کی تشکیل کے سلسلے میں نمایندہ رول ادا کیا۔ اس انجمن نے ۱۹۱۷ء کے موسم خزاں میں اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں تھیں اور ۱۹۱۸ء کے موسم خزاں میں اس کا رسمی طور پر قیام عمل میں آ گیا۔ اسی وقت پورے چین میں طلبا کی جو سب سے زیادہ انقلابی جماعتیں تھیں ان ہی میں سے ایک جماعت یہ تھی۔ آخر میں ہوا یہ کہ اس کے تقریباً تمام ممبر کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔

دوسرے شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ماؤ نے جدید مغربی افکار کی مختلف صورتوں کے اثرات

کی بدولت جو خیالات اور تاثرات بارہ برس میں جمع کئے تھے - وہ کہیں ۱۹۱۷-۱۸ء کے موسم سرما میں جاکر ایک عالمی تصور کے سانچہ میں ڈھلے یہ عالمی تصور اس تصور سے کہیں زیادہ انقلابی تھا- جس کا اظہار ماؤ نے چند ماہ پہلے "نیا نوجوان" میں چھپنے والے مقالے میں کیا تھا ان دنوں اس نے اپنی علم الاخلاق کی نصابی کتاب کے حاشیے میں یہ تحریر لکھی - "ہمیں اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو بھرپور طور پر فروغ دینا چاہیے - جہاں فرد پر ظلم ہو رہا ہو جہاں فرد کی فطرت کے خلاف کام ہو رہے ہوں وہاں اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں ہو سکتا، پس ہمارے ملک کو تین بندھنوں سے نجات ملنی چاہیے - مذہب، سرمایہ داری اور مطلق العنانی کے بعد ہماری مملکت کی چوتھی لعنت تین بندھن ہیں "

یہاں سرمایہ داروں، ہی کا حوالہ موجود نہیں ہے بلکہ تین بندھنوں (جو بادشاہ اور رعایا باپ اور بیٹے اور میاں اور بیوی کے مابین ہوتے ہیں) کو بھی قطعی طور پر رد کیا گیا ہے - اور یہ وہی تین بندھن ہیں جو کنفوشس کی اخلاقیات کی جان ہیں - اس کے ساتھ ہی اس زمانے میں جس نئی شخصیت نے ماؤ میں جنم لیا وہ اُس کی روایت پسندی کے دَور سے گہرے طور پر مربوط نظر آتی ہے - قدیم علوم کی ستائش کی جگہ انقلاب اور مکمل تبدیلی کے لئے جوش و جذبے نے لے لی- لیکن قوم پرستی اور سپاہیانہ اوصاف پر اصرار یہ دو رجحان ایسے تھے جو ماؤ کی شخصیت کا اب بھی حصّہ تھے -

اگر ماؤ ۱۹۱۷-۱۸ء میں ایک زیادہ جدید اندازِ نظر کی طرف مائل تھا تو بے شک اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ تھی کہ اس کے ارتقا میں ایک مناسب موڑ آ گیا تھا- لیکن یہ ذہنی تبدیلی عین اس وقت رونما ہوئی جب پورے چین میں ہی ایک معاشرتی اور ذہنی تبدیلی بڑے زور شور اور تیزی سے ہو رہی تھی - اس لئے کہ ۴ مئی کی تحریک اب طاقت پکڑ رہی تھی اور جیسے جیسے یہ واقعات رونما ہوئے ویسے ویسے ماؤ ان کی رو میں اپنے آخری مقدر کی جانب بڑھتا چلا گیا- جب ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں اس نے فرسٹ نارمل سکول سے بی- اے کیا تھا تو وہ صرف مفلس کا ایک طالب علم تھا- کہہ لیجیے کہ سیاسی شعور رکھنے والا طالب علم تھا- جب پکنگ میں چھ ماہ گذارنے کے بعد وہ ۱۹۱۹ء کی گرمیوں میں واپس ہونان آیا اور ۴ مئی کے طلبا کے مظاہرے کے بعد پا ہونے والی ہر قسم کی سیاسی تحریک میں کود پڑا اور ہر طرح کی سرگرمی میں حصہ لیا تو اس وقت وہ اس راہ پر گامزن تھا جس پر چل کر وہ بہت جلد ایک مسلّمہ انقلابی شخصیت کی حیثیت اختیار کرنے والا تھا ۔

ماؤ ۴ مئی کی تحریک کے موقعہ پر

چینی دانشوروں کے حلقوں کے انقلابی اپنے ملک کے ذہن اور معاشرتی تانے بانے کو ایک نئے سانچہ میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ یہ سانچہ کیا ہو اس تلاش میں اب تک تو ان کی نظریں مغربی یورپ پر جمی ہوئی تھیں۔ چن تو شو جیسے کچھ لوگ فرانس کی جمہوری روایت کے بڑے مداح تھے، کچھ لوگوں کا مطمحِ نظر انگلستان تھا اور چند ایسے بھی تھے جو پہلی جنگِ عظیم کے اوائل میں وسطی طاقتوں سے بہت مرعوب تھے اور انھوں نے "نیا نوجوان" میں جرمن اکثریت کی تعریف میں مضمون لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ اب جب ماؤزے تنگ پیکنگ کے لئے عازم سفر تھا تو ایک اور تبدیلی رونما ہونے کو تھی لوگوں نے سنجیدگی کے ساتھ روس کے بالشویک انقلاب کے بارے میں جب اسے برپا ہوئے ایک برس گزر چکا تھا غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

ماؤزے تنگ نے خود لکھا ہے کہ اکتوبر کے روسی انقلاب کی بے پناہ تعریف کی بدولت ہی مارکسزم چین میں داخل ہوا۔ یوں تو یہ بڑا سیدھا سا نقطۂ نظر ہے لیکن صداقت سے خالی نہیں ہے۔ مارکسیت چین میں انقلاب اکتوبر سے پہلے بھی کچھ بالکل غیر معروف نہیں تھی۔ اشتراکی منشور کے ایک جُز کا ۱۹۰۶ء ہی میں یہاں ترجمہ کیا جا چکا تھا اور اس صدی کے آغاز میں سوشلزم پر جو بحث مباحثے ہوئے ان کا ذکر تو آ ہی چکا ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ چین میں مارکسیت کا ایک ٹھوس سیاسی

طاقت کے طور پر ظہور روس کے انقلاب کے بعد ہی ہُوا۔ خیر یہ ظہور یکایک تو نہیں ہو گیا۔ ہر چند کہ ماؤ نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ چوتھی مئی کی تحریک کا زمانہ چین کی سیاسی اور ذہنی تاریخ میں دو زمانوں کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی اس تحریک کی آمد کے ساتھ بورژوائی قیادت کا زور ٹوٹا اور پرولتاری قیادت نے زور باندھا۔ لیکن اس کے اثرات اتنی تیزی سے پھیلے کہ ایک دو سال کے اندر ہی چین کے مستقبل پر بحث کا سارا انداز تبدیل ہو گیا۔

جس طور پہ یہ تبدیلی آئی اس کا رنگ یہ تھا کہ لی تا چاؤ نے انقلاب روس کی نظریاتی بنیاد کو ابھی اچھی طرح سمجھا بھی نہیں تھا کہ اس کی تاریخی اور فلسفیانہ اہمیت کو سراہنا شروع کر دیا۔ لی تا چاؤ ان دو آدمیوں میں سے ایک تھا جو چینی کمیونسٹ پارٹی کے بانی ہیں۔ دوسرے —— چن تو شو تھے۔ لی تا چاؤ کا اس موضوع پر پہلا مقالہ جولائی ۱۹۱۸ء کے "نیا نوجوان" میں شائع ہُوا، مگر اس کا زیادہ مشہور مقالہ "بالشویزم کی فتح" اکتوبر میں شائع ہُوا۔ انہی دنوں ماؤ پیکنگ پہنچا تھا۔ لی تا چاؤ نے اپنے مقالہ میں کہا تھا کہ انقلاب اکتوبر کی کامیابی محض روس کا معاملہ نہیں ہے بلکہ" اس جنگ میں جو مطلق العنانیت اور عسکریت کے خلاف جاری ہے یہ پوری نوعِ انسانی کی فتح" ہے۔ ہم یہ یقین کہہ سکتے ہیں کہ ماؤ نے یہ مقالے بڑے غور و خوض سے پڑھے ہوں گے۔ کیونکہ یانگ چانگ چی کے تعارف کے طفیل، جس نے انہی دنوں پیکنگ یونیورسٹی میں پروفیسر کا عہدہ سنبھالا تھا، ماؤ کو لی کی ماتحتی میں معاون لائبریرین کی جگہ مل گئی تھی۔ لی یونیورسٹی لائبریری کا سربراہ تھا، بعد میں وہ تاریخ کا پروفیسر بن گیا۔ ماؤ کو آٹھ ڈالر ماہانہ تنخواہ ملتی تھی جس میں اس کی تنگی ترشی سے گذر ہوتی تھی۔ جس ایک کمرے میں سات ہونانی طلباء رہتے تھے اسی میں وہ بھی رہنے لگا لیکن اس قدیم دارالسلطنت کا حسن بقول اس کے اس تنگی ترشی کی" جیتی جاگتی" تلافی تھی۔ پھر اکثر و بیشتر وہ یانگ چانگ چی کے گھر پہ بھی مدعو رہتا تھا جہاں اسے اپنی مستقبل میں بننے والی بیوی یانگ کیائی ہوئی سے شناسائی حاصل ہوئی۔

لائبریری میں ماؤ کو بہت ہی ادنیٰ درجہ کا کام ملا ہُوا تھا۔ یہ ملازمت بس پیٹ بھرنے کا وسیلہ تھی۔ اس کے واسطے سے لوگوں سے یا خیالات و افکار سے رابطہ پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ماؤ نے لائبریری میں آنے جانے والے چند سرکردہ دانشوروں سے گفتگو کرنے کی بھی کوشش کی لیکن اکثر و بیشتر

اسے یہی پتہ چلا کہ ان حضرات کے پاس "جنوبی علاقہ کی بولی بولنے والے ایک اسسٹنٹ لائبریرین کی باتیں سننے کے لئے وقت نہیں ہے۔" لیکن آخر کار اس نے یونیورسٹی کی دانشورانہ سرگرمیوں میں شرکت کے دوسرے راستے دریافت کر لئے۔ ایک طرف تو وہ فلسفہ اور صحافت کی انجمنوں کا ممبر بن گیا اور اس طرح اسے ان کے کورسوں میں شامل ہونے کا حق حاصل ہو گیا (اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے یونیورسٹی کی سرگرمیوں میں پوری طرح شامل ہونے کا موقعہ مل گیا۔ چینی یونیورسٹیوں کی فضا ابھی تک وہی تھی جس میں لوگوں کو معاشرتی مرتبہ کا بہت خیال رہتا تھا۔ ایک مرتبہ لیکچر کے بعد ماؤ نے ہوشی سے سوال پوچھنے کی کوشش کی، لیکن ہوشی کو جب یہ پتہ چلا کہ ماؤ باقاعدہ طالب علم نہیں بلکہ اسسٹنٹ لائبریرین ہے، تو اس نے اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔) اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ اس "مارکسیت سٹڈی گروپ" میں شامل ہو گیا جس کی بنیاد لی تا چاؤ نے پچھلے موسم بہار میں رکھی تھی۔ یہ شمولیت اس کے لئے ایک تو لوگوں سے ملنے جلنے کا ذریعہ تھی اور دوسرے اس کے سیاسی پیمان کے سلسلے میں یہ ایک قدم تھا۔

اس وقت تک ابھی خود لی تا چاؤ نے مارکسیت کو پورے طور پر قبول نہیں کیا تھا، بلکہ اچھی طرح سمجھا بھی نہیں تھا۔ "نیا نوجوان" کا مارکسیت پر ایک خاص نمبر مئی ۱۹۱۹ء میں نکلا تھا۔ اس میں لی تا چاؤ کا مقالہ 'میرا تصورِ مارکسیت' شائع ہوا۔ اس مقالہ میں مارکسی نظریۂ تاریخ کی توضیح بہت محدود و جبری معنوں میں اور قطعی غیر جدلیاتی طریقہ پر کی گئی تھی جس کے آخر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ معاشرتی فلسفہ اگرچہ بہت مفید ہے مگر اس کی تکمیل کے لئے دوسرے ایسے افکار کو ساتھ ملا لینا چاہیے جو انسانی روح کے تخلیقی کردار پر زیادہ زور دیتے ہوں۔ ایسے استاد کے ساتھ رہتے ہوئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ماؤ پیکنگ میں قیام کے دوران لینن ازم تو درکنار مارکسیت کا بھی واضح طور پر حلقہ بگوش نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف اس نے اپنی سوانح عمری میں یہ اعتراف کیا کہ ہرچند کہ ان دنوں وہ روز بروز زیادہ انقلاب پسند ہوتا چلا جا رہا تھا، لیکن وہ متذبذب بھی تھا کہ کون سی راہ اختیار کرے، اور یہ کہ ان دنوں اس پر نراجیت کا بہت اثر تھا۔ اس کے باوجود وہ یہ کہتا ہے کہ لی تا چاؤ کے سائے میں وہ ۱۹-۱۹۱۸ء کے جاڑوں میں بڑی تیزی سے مارکسیت کی طرف راغب ہوا۔ اس گتھی میں اس نے یہ کہہ کر ایک اور پیچ ڈالا کہ پیکنگ کے اس پہلے سفر میں سب سے بڑھ کر چن تو شو

نے اُس پہ اثر کیا، جبکہ چن کا میلان اس وقت نہ تو مارکسیت کی طرف تھا نہ نراج پرستی کی طرف - یہ شخص تو چین کے مسائل کے حل کی خاطر پارلیمانی جمہوریت اور سائنسی افتاد کی وکالت پر کمربستہ تھا۔

ان مختلف بیانات میں جو تضاد نظر آتا ہے وہ ظاہری زیادہ ہے، مگر حقیقتاً کم ہے - بات یہ ہے کہ یہ زمانہ وہ تھا جس میں چین کی ذہنی اور سیاسی فضا ہنگامہ خیز طور پہ بدل رہی تھی - پختہ شعور والے علمأ اور دانش ور بھی چند مہینوں کے اندر اندر اپنے نظریات بدل ڈالتے تھے - اس لئے ایک ایسے نوجوان کے سلسلے میں جو صوبے سے نکل کر پہلی مرتبہ صدر مقام کی فضا میں سانس لے رہا تھا، یہ کوئی ایسے تعجب کی بات نہیں تھی کہ اس کے خیالات و افکار بہت تیزی کے ساتھ مختلف سمتیں اختیار کر رہے تھے - نراجیت کی طرف وہ یوں مائل ہؤا کہ اپنے دوسرے ہم عصروں کی طرح وہ بھی اس بات پہ تُلا ہؤا تھا کہ روایتی معاشرے نے فرد پہ جو پہرے بٹھا رکھے ہیں ان کے پرخچے اڑا دیے جائیں۔ چن تاؤشو سے وہ اس لئے متاثر تھا کہ یہ شخص کئی برسوں تک اس کا ادبی مرشد رہ چکا تھا اور چن کی ہر اُس شے کے لئے پُرجوش حمایت جو توانا، غیر مزاحم اور ولولہ کی حامل ہو، اس کی اپنی خواہشاتِ آزادی کے عین مطابق تھی - اس نے لی تاچاؤ کے زیرِ اثر مارکسیت کی طرف پیش قدمی محض اس وجہ سے نہیں کی کہ لی اُس انجمن کا معمار تھا جس کے طفیل ماؤ کے مارکسیت کے علم میں اضافہ ہُوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ دونوں چین کی سربلندی کی پُرجوش حمایت کے سلسلے میں ایک دوسرے سے مشابہ تھے۔

لی کی شخصیت میں موجود اس رجحان کی اہمیت پہ زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا - واقعہ یہ ہے کہ وہ تو کہیں ۱۹۱۸ء کے موسم خزاں میں "نیا نوجوان" کی مجلس ادارت میں شامل ہُوا تھا۔ اس سے قبل وہ نئے کلچر کی تحریک سے دور دور ہی رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے قومی اقدار سے بہت کم دلچسپی تھی، یوں بھی قومی اقدار سے رغبت میں اُسے چن تو شو کی خاصیت کی جھلک نظر آتی تھی - تہذیبی انقلاب کے رہنماؤں کے درمیان اس موقعہ پہ اس کے ظہور کو اس بات کی علامت جانئے کہ یہ تحریک دو طرح سے قالب بدلنے لگی تھی یعنی وہ صرف مارکسیت ہی کی طرف نہیں جھک رہی تھی جس کا ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے بلکہ اس کا رُخ قومیت کی طرف بھی تھا۔ دراصل لینن کی مارکسیت کی تعبیر کی بدولت ہی، جس میں عالمی انقلاب کے معاملہ میں قومی آزادی کی تحریکوں کو اہمیت کا حامل قرار دیا گیا ہے، ان دو رجحانات کے ملاپ کا موقع پیدا ہُوا۔ لیکن مارکسیت کی جس تعبیر نے بالآخر لی تاچاؤ اور

اس کے بعد ماؤزے تنگ کے ہاتھوں نشوونما پائی، وہ اس بنا پر نمایاں ہوئی کہ لینن کے نقطۂ نظر کے برعکس یہ لوگ چینی قوم کے وقار اور دنیا پر اس کے احسانات کی عظمت کو محض ایسے موضوعات تصوّر نہیں کرتے تھے جو سامراج کے خلاف پروپیگنڈے میں کام آسکتے ہوں، بلکہ وہ انھیں بذاتِ خود اقدار کا درجہ دیتے تھے۔

بہرحال ۱۹۱۹ء کے موسم سرما میں جب ماؤ پیکنگ سے چلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ تو ابھی وہ مارکسیت کے کسی جداگانہ نسخے کی کوئی تبلیغ نہیں کر رہا تھا۔ حریّت پسندی، خیال پرستانہ سوشلزم اور جمہوری اصلاح پسندی کے اسی ملغوبے میں جو چانگشا میں نارمل سکول سے بی اے کرتے وقت اس کے ذہن کا خاصہ بنا ہوا تھا، اس نے اب چند مارکسی اور نراجی خیالات کا اضافہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن اس ملغوبے سے ابھی کوئی نتیجہ خیز اثرات برآمد نہیں ہوئے تھے۔ مزید برآں اس کے باوجود کہ اس نے ترقی پسندانہ رنگ میں مارکسیت اور لیننیت کو قبول و جذب کر لیا تھا، اس ملغوبے میں روایت پسندانہ عناصر تب بھی تھے اور بعد میں بھی موجود رہے۔ لی تاچاؤ کی انجمنِ مطالعہ مارکسیت کے جلسوں میں ماؤ قدیم چینی فکر کے انتہائی مختلف قسم کے مکاتیب سے سوشلزم کا جوڑ ملانے کی کوشش کے ذریعے لوگوں کو اپنی جانب راغب کرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے وہ سنگ کوفان کا اس حد تک مداح تھا کہ اسے اپنے لئے قابلِ تقلید مثال جانتا تھا۔ جب ماؤ سنگ کے ساتھ اپنی مطابقت پیدا کر رہا تھا تو بیشک اس کے خاص قدامت پسندانہ خصائص اس کے پیشِ نظر نہیں تھے، بلکہ وہ اس کے لئے ایک ایسے مدبر کی مثال تھا جو یہ جانتا تھا کہ سیاسی اور فوجی طاقت کو کیسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ ویسے اُس نے یقیناً یہ بھی فراموش نہیں کیا ہوگا کہ سنگ اس کا ہموطن ہونانی تھا۔

۱۹۱۹ء کی گرمیوں والے سیاسی اقدام سے ماؤزے تنگ کو اپنے خیالات کی وضاحت میں بہت مدد ملی۔ بالآخر اب اس کے یہاں ایک معین سیاسی اندازِ نظر اور ایک منفرد سیاسی اسلوب پیدا ہو چلا تھا۔ وہ فروری کے آخر یا مارچ کے شروع میں پیکنگ سے روانہ ہوا، اور پہلے شنگھائی گیا جہاں سے اسے اپنے چند فرانس جانے والے دوستوں کا ساتھ دینا تھا۔ یہ لوگ "تہہ دل سے کام کرنے اور کم خرچ پر تعلیم حاصل کرنے کے ایک منصوبے کے طفیل وہاں جا رہے تھے جسے سرکردہ علماء کے ایک گروہ نے ۱۹۱۷ء میں شروع کیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت ان لوگوں کو وہاں جا کر

جزو وقتی محنت مزدوری کرنی تھی تاکہ اس سے وہ اپنی تعلیم اور اپنی گذر بسر کا خرچ نکال سکیں ۔ ماؤ کی نئی عوامی انجمن مطالعہ نے، جو چانگشا میں تھی، ۱۹۱۸ء کی خزاں اور گرمیوں کے دنوں میں اس سکیم میں دلچسپی لینی شروع کی تھی، اور جو طلبا سفر فرانس کے اس تجربے کے لئے تیار ہونے کی غرض سے پیکنگ پہنچے، ان میں ہونان کے طلبا کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔ پیکنگ آنے کے بعد ماؤ اس منصوبے کے لئے مستقل طور پر تندہی سے کام کرتا رہا تھا اور اس نے یہ منصوبہ تیار کرنے میں بھی بہت مدد کی کہ پیکنگ کے قیام کے دوران میں امیدواروں کی تربیت کیسے کی جائے ۔

جن لوگوں نے اس منصوبے سے فیض پایا ان میں چو این لائی اور ماؤ کا پکا دوست تسائی ہوسین بھی شامل تھے ۔ اپنی سوانح عمری میں ماؤ نے یہ بتایا ہے کہ اس نے خود فرانس جانے کے متعلق کبھی سوچا ہی نہیں تھا اس لئے کہ اس وقت تک اسے خود اپنے ملک کا اچھی طرح پتہ نہ تھا ۔ مگر جو لوگ ماؤ کو ان دنوں جانتے تھے، ان کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے فرانس جانے کے متعلق سنجیدگی سے سوچا تو تھا لیکن آخر کار اُس نے نہ جانے کا فیصلہ کیا، اس لئے کہ اسے یہ اندیشہ تھا کہ بدیسی زبانیں سمجھنے کی صلاحیت نہ ہونے کے سبب اُسے مشکل ہوگی ۔ بہرحال آخر میں اس نے چین ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا اور اپنے چند دوستوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر صرف شنگھائی تک گیا ۔ وہاں سے وہ چانگشا واپس آ گیا ۔ خاص بات یہ ہے کہ اس سفر کی جو یادیں سترہ سال بعد تک اس کے ذہن میں محفوظ رہیں وہ ان مقامات کی سیر کی ہیں جو چین کے ماضی کے نشان ہیں، مثلاً کنفوشس کا مزار یا فصیلوں والا وہ معروف شہر جس کا "تین سلطنتوں کے رومان" میں ذکر کیا گیا ہے ۔

ماؤ زے تنگ جب ہونان واپس آیا تو اس نے صوبے میں بہت بے چینی کی فضا پائی، خاص طور پر گورنر یعنی جنرل چانگ چنگ یاؤ تو بہت ہی ظالم تھا اور اس کی جابرانہ پالیسیوں کے خلاف اس وجہ سے اور غصہ پھیلا کہ وہ جنرل توان چائی جوئی کی جاپان دوست ٹولی انفو کا نمائندہ بنا ہوا تھا ۔ جنرل توان چائی جوئی وہ مردِ آہن تھا جس نے اس وقت پیکنگ میں حکومت کو اپنے قابو میں کر رکھا تھا ۔ ۱۹۱۵ء والے اکیس ۲۱ مطالبات کے وقت ہی سے چین میں جاپان کے خلاف ناراضگی پھیل رہی تھی ۔ اور جب پیرس سے خبر آئی کہ چینی وفد نے شانتنگ کے بارے میں اس کانفرنس کے فیصلے کو بے چون و چرا قبول کر لیا ہے تو اور بھی اشتعال پھیل گیا اس لئے کہ سامراجی حصے بخرے اس خاص اقدام

سے صرف ٹوکیو کو فائدہ پہنچتا تھا۔ ۴ مئی ۱۹۱۹ء کو طلبا نے جو بڑے پیمانے پر مظاہرے کئے ان میں جاپان کے خلاف نعرے لگائے گئے اور جس وزیر کے گھر میں آگ لگا دی اُسے خاص طور پر چار سال قبل چینی حکومت کو اکیس مطالبے منوانے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

پیکنگ سے موصول ہونے والی خبر کا ہونان میں فوری طور پر اثر ہوُا حالانکہ چانگ چنگ یاؤ نے جاپان دشمن سرگرمیوں کو کچلنے کے بہت اقدامات کئے تھے۔ پیکنگ کی طرح چانگشا میں بھی اس پہلے مرحلہ میں تحریک کو طلبا ہی نے قوت بہم پہنچائی۔ ماؤزے تنگ نے صوبہ ہونان کی اس جماعت کے قیام میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا جو متحدہ انجمن طلبا کے نام سے ۳ جون کو قائم ہوئی۔ اس انجمن نے اسی دن ایک اعلان جاری کر کے جاپان کے حامی اس سیاست دان کا سر قلم کرنے کا مطالبہ کیا جس کے گھر کو پیکنگ کے طلبا نے ۴ مئی کو آگ لگا دی تھی۔

۳ جون کو بھی پیکنگ میں طلبا کی عام گرفتاریاں ہوئیں۔ اس کا اثر یہ ہوُا کہ دو دن بعد شنگھائی میں تاجروں اور مزدوروں نے احتجاجی ہڑتال کر ڈالی، اور پھر جلد ہی ملک کے دوسرے بڑے شہروں میں ہڑتالیں ہونے لگیں۔ نئے چین کی تاریخ میں پہلی بار ترقی پسند دانشوروں کو اپنے علاوہ دوسرے سماجی طبقوں میں ایک عام تحریک کو ابھارنے اور منظم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ (لیکن یہ تحریک شہروں تک ہی محدود رہی۔ کسانوں کا طبقہ اس سے مطلق متاثر نہیں ہوُا تھا) اس کے بعد کے ہفتوں میں نت نئی جماعتیں ظہور میں آئیں۔ ہونان میں ماؤزے تنگ نئی جماعتوں کو منظم کرنے میں اور پیکنگ حکومت اور چانگ چنگ یاؤ کی جاپان دوست پالیسی کے خلاف مظاہرے کرانے میں بھی سرگرمی سے حصہ لے رہا تھا۔ جو جماعتیں بہت اہمیت کی مالک تھیں ان میں ایک تو دیسی مال کی ترقی کی متحدہ انجمن تھی (جو جاپانی مال کے بائیکاٹ کی خاطر بنائی گئی تھی) اور دوسری سب گروہوں (یعنی سماجی طبقوں) کی متحدہ انجمن ہونان تھی۔ یہ دوسری جماعت پیکنگ، تائین زین اور شنگھائی کے نقشِ قدم پر تھی۔ یہ ۹ جولائی کو متحدہ انجمن طلبا کی تحریک پر تشکیل پذیر ہوئی اور مزدور اور تاجر دونوں گروہ اس میں شریک تھے۔ اس جماعت کو مخصوص طور پر اس باعث اہمیت حاصل ہے کہ یہ اس زمانے کے چین کے مختلف معاشرتی طبقوں کی یکجہتی کا مظہر بن گئی۔ پھر یہ ماؤزے تنگ کے اُس مقالے کے پس منظر کے طور پر بھی اہم ہے جو اس کے ۴ مئی کے زمانے کے مقالات میں سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوُا تھا اور جس کی پہلی قسط ۲۱ جولائی کو شائع ہوئی تھی۔ اس کا عنوان تھا

"عوام الناس کا عظیم اتحاد"

یہ مقالہ "شیانگ وریا ریویو" کے دوسرے تیسرے اور چوتھے شماروں میں شائع ہوا، جو متحدہ انجمن طلبا کا ہفت روزہ پرچہ تھا اور جس کی بنیاد ۱۴ر جولائی ۱۹۱۹ء کو ماؤ کی ادارت میں رکھی گئی تھی۔ لی جوئی نے بڑی باقاعدگی سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ماؤ نے ان سارے بنیادی خیالات کو جنہوں نے اس کے بعد کے فکر و عمل سے ظہور کیا طالب علمی کے زمانے ہی میں مکمل صورت دے لی تھی۔ اسی ذیل میں اس نے یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ 'عوام الناس کے عظیم اتحاد' کے تصور کا عوامی جمہوری آمریت' کے تصور سے، جو ماؤ نے ۱۹۴۹ء میں پیش کیا اور جس میں مزدوروں اور کسانوں کے رول کو نمایاں اہمیت دی گئی ہے۔ بھائیوں جیسا گہرا رشتہ ہے۔ یہ نقطۂ نظر یکسر غیر تاریخی ہے۔ ماؤ بے شک اس 'عظیم اتحاد' کے شرکا کے طور پر طلبا، خواتین اور دوسرے مختلف گروہوں کے ساتھ کسانوں (جنہوں نے اگرچہ ابھی تک ۴ر مئی کی تحریک میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا تھا) اور مزدوروں کا ذکر کرتا ہے اور بے شک اس نے روسی انقلاب کی کامیابی پر بھی واہ واہ کی ہے اور سرخ پرچم والی 'فوج' کی بھی یہ کہہ کر ستائش کرتا ہے کہ وہ پوری دنیا پر چھا جائے گی، لیکن وہ بالشویکوں کے سرخ پرچم اور ۴ر مئی کی تحریک کے سرخ پرچم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ ۴ر مئی کی تحریک والا سرخ پرچم جس حد تک مارکس سے واسطہ رکھتا تھا اسی حد تک ڈوئی سے بھی واسطہ رکھتا تھا اور پھر اس کے تجزیے میں مارکسی خانہ بندیوں کا بھی کوئی شائبہ نہیں۔ البتہ "شیانگ وریا ریویو" میں شائع ہونے والے ایک دوسرے مقالے میں، جس کا حوالہ خود لی جوئی نے بھی دیا ہے، ماؤ نے یہ اعلان ضرور کیا تھا کہ چین تو شو جس سائنس اور جمہوریت کی تبلیغ کرتا ہے بعینہٖ اسی کی چین کو ضرورت ہے۔ اس مقالہ میں ان مارکسی نظریات کا عکس نہ سہی، جن کی ماؤ کو آگے چل کر تفسیر کرنی تھی، لیکن یہاں اس کی فکر کا ایک نہایت اہم پہلو ضرور نظر آتا ہے، جسے "ملکیتِ جمہور کی حمایت" کا رجحان کہا جا سکتا ہے۔

ماؤ کا استاد لی تا چاؤ تو پہلے ہی سے کسانوں کی اہمیت اور اخلاقی برتری کے بارے میں اپنے خیالات کی تشکیل کر رہا تھا اور یہ خیالات روسی "نارودنکس" کے خیالات سے کچھ ایسے مختلف نہیں تھے۔ ماؤ ابھی ان معنوں میں قبضۂ جمہور کا حامی نہیں بن سکا تھا۔ اسے کسانوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ وسیع تر معنوں میں یعنی اپنے اس احساس کے اعتبار سے کہ چینی عوام مجموعی طور پر محض ایک تاریخی اکائی ہی

نہیں ہیں بلکہ ایک زبردست ترقی پسند قوت بھی ہیں، ضرور ملکیت جمہور کا حامی تھا اور رہا۔ بیشک اس تصور کو ہم ایک ایسا پل سمجھ سکتے ہیں جس کے رستے وہ ۱۹۱۷ء کی نسبتاً روایتی اور قدامت پسندانہ قوم پرستی سے گذر کر صحیح مارکسی نقطۂ نظر تک پہنچا۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے آغاز اس مقام سے کیا تھا کہ اسے چینی قوم کی بقا کی بہت فکر تھی، لیکن بعد ازاں اس نے اسی ایک پتھر سے بنے ہوئے ستون میں سے دو اور سلیں تراشیں۔ ایک طرف "عوام الناس" کو رکھا اور دوسری جانب ان فوجیوں اور منافع خوروں کی چھوٹی سی اقلیت کو جو غیر ملکیوں کی طرفدار تھی۔ ماؤ نے مختلف معاشرتی طبقوں کے ترقی پسند یا رجعت پسند کردار کی جو تعریفیں متعین کی تھیں ان میں سے آنے والے عشروں کے دوران میں بہت تبدیلیاں آئیں، لیکن چینی عوام کے انقلابی نصب العین میں اس کا عقیدہ ہمیشہ کی طرح قائم رہا۔

ماؤ کا شیانگ ریور ریویو کی ادارت کرنا اور اس کا بڑا حصہ خود لکھنا خالی علمی مشغلہ نہیں تھا جو ایک دانشور دوسرے دانشوروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کر رہا ہو۔ اس کے رسالے کا اثر بہت وسیع تھا۔ پہلی ہی اشاعت میں دو ہزار پرچے ایک ہی دن کے اندر اندر بک گئے، اور اس کے بعد کی ہر اشاعت پانچ ہزار کی تعداد میں چھپتی رہی۔ ویسے تو چینی عوام کی بھاری اکثریت بالخصوص دیہاتی آبادی ان پڑھ لوگوں پر مشتمل تھی، لیکن ایک سیدھے سادے عام فہم طرز نگارش کے رواج پا جانے کی وجہ سے قارئین میں اضافے کی بڑی گنجائش پیدا ہو گئی تھی۔ شروع کے زمانے میں نئی تہذیب کی تحریک کے اہم کارناموں میں سے ایک کارنامہ اس طرز نگارش کا تعارف بھی تھا۔ مشکل اور پر تکلف ادبی زبان ترک کر کے بول چال کی زبان اختیار کرنے کا خیال ہو شی نے جنوری ۱۹۱۷ء کے 'نیا نوجوان' میں چھپنے والے ایک مقالہ میں پیش کیا تھا۔ نتیجے کے طور پر ۱۹۱۹ء کی گرمیوں تک سیاسی اور ادبی تحریریں زیادہ تر ایسے اسلوب میں لکھی جا رہی تھیں جو روزمرّہ کی چینی زبان سے زیادہ قریب تھا۔ یہ 'ادبی انقلاب' جو دانشوروں نے اپنے محدود حلقہ میں برپا کیا تھا، روائتی حلقے کو توڑنے اور چینی قوم سے مجموعی طور پر مخاطب ہونے کے لئے بنیادی شرائط میں سے تھا۔

پیکنگ کے عمر رسیدہ اور زیادہ مشہور عالموں اور دانشوروں کی طرح ماؤ نے بھی اس وسیلے کو، جو یوں اس کے اختیار میں آ گیا تھا، رائے عامہ کو اثر انداز کرنے کے مقصد کے لئے پوری طرح استعمال کرنے کی ٹھانی تھی۔ حکام بھی اس نئے وسیلہ کی تاثیر سے بے خبر نہیں تھے، اور یہ کوئی ایسے تعجب کی بات

نہیں کہ چانگ چنگ یاؤ نے پانچویں اشاعت ہی کے بعد "شیانگ دریا ریویو" کو بند کر دیا اور ساتھ ہی متحدہ انجمن طلبا پر بھی پابندی لگا دی۔ مگر ماؤ مطلق ہراساں نہ ہوا۔ اس نے چانگشا سے نکلنے والے ایک اور ہفت روزہ پرچے "نیا ہونان" کی ادارت سنبھال لی۔ چانگ چنگ یاؤ نے جلد ہی اسے بھی بند کر دیا۔ اب ماؤ کے لئے لے دے کے ایک طریقہ یہی رہ گیا کہ چانگشا کے ممتاز روزنامہ "تاکونگ پاؤ" کے لئے مضامین لکھا کرے۔ اس نے جو بہت دلچسپ مضمون لکھے تھے ان میں سے چند ایک اُس موضوع پر تھے جو ماؤ کو شروع ہی سے بہت عزیز رہا تھا، یہ عورتوں کے مساوی حقوق کے مسئلہ کا موضوع تھا۔ چانگشا میں کہیں ایک نوجوان لڑکی نے جس کے ماں باپ نے اس کی زبردستی شادی کر دی تھی خودکشی کر لی، پھر کیا تھا، ماؤ نے تیرہ دنوں میں نو مضمون لکھے، ان مضامین میں اس نے ان پابندیوں کی مذمت کی جو پرانے معاشرے نے فرد کی آزادی پر لگا رکھی تھیں اور آزادیٔ عشق کی زبردست رو کا خیر مقدم۔

یوں جب ماؤ کی تخلیقی سرگرمیاں سُکڑ سمٹ گئیں تو وہ زیادہ وقت عملی سیاسی کام میں صرف کرنے لگا۔ نومبر ۱۹۱۹ء میں اس نے متحدہ انجمن طلبا کو دوبارہ منظم کیا، اور دسمبر میں اس نے چانگشا کے تمام ثانوی اور کچھ پرائمری سکولوں میں چانگ چنگ یاؤ کے خلاف طلبا کی ہڑتال کرا دی۔ یہ کوئی دل لگی کا قصہ نہیں تھا، اس لئے کہ چانگ اپنی مخالفت کو برداشت کرنے والا آدمی نہ تھا۔ چند ہفتے پہلے اس نے طلبا کے نمائندوں کا ایک جلسہ بلایا تھا۔ اس میں ماؤ نے شرکت کی تھی اگرچہ اب وہ طالب علم نہیں رہا تھا۔ اس جلسہ میں چانگ نے طلبا کو بہت بُرا بھلا کہا کہ وہ سیاست میں کیوں ٹانگ اڑا رہے ہیں اور جاپان کے ساتھ تعلقات کے معاملہ کو حکومت پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے اور آخر میں چیخ کر کہا کہ "اگر تم نے میری بات پر کان نہ دھرے تو میں تمہارے سر قلم کر ڈالوں گا!" جب اس نے یہ کہا تو ایک طالبہ نے رونا شروع کر دیا، لیکن ماؤ نے اس سے کہا کہ "چانگ کی بات کو کتے کے بھونکنے سے زیادہ وقعت مت دو۔"

دسمبر ۱۹۱۹ء میں طلبا کی ہڑتال کی بدولت کچھ رعائتیں تو حاصل ہو گئیں، لیکن ہونان میں صورت حال ان لوگوں کے لئے بہت خطرناک رُخ اختیار کر گئی جو ماؤ کی طرح اپنی سیاسی سرگرمیوں کے باعث حکام کی نظروں میں آ گئے تھے۔ اس کے علاوہ ایک یہ خیال بھی لوگوں کے ذہنوں میں جگہ پانے لگا کہ صرف بیرونی امداد کے بل بوتے پر ہی چانگ کو صوبے سے نکال باہر کیا جا سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند نمائندے

بڑے مراکز کو روانہ کئے گئے، اور یوں ماؤ نے خود کو ایک مرتبہ پھر پیکنگ میں پایا۔

خیر اب وہ اس طرح ایک غیر معروف طالب علم نہیں رہا تھا جس طرح وہ ایک برس پہلے تھا۔ "شیانگ دریا ریویو" اور "نیا ہونان" میں چھپنے والے اس کے مقالوں کو اس زمانے کے تین اہم ترین رسالوں یعنی "نیا نوجوان"، "نئی لہر" اور لی تا چاؤ کے نقیب ہفت روزہ "نقاد" نے بہت سراہا۔ پیکنگ میں اس کا قیام اس بار نسبتاً مختصر رہا، لیکن یہاں سے اس کی سیاسی نشوونما میں ایک اہم موڑ آتا ہے۔

تمام مارکسی تحریروں، یا اُن میں سے بنیادی حیثیت رکھنے والے اکثر و بیشتر حصوں کے ترجمے شائع ہو رہے تھے۔ نومبر ۱۹۱۹ء میں اشتراکی منشور کا پہلا باب (اس کا مکمل ترجمہ کتابی صورت میں اپریل ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا) اور کاؤتسکی کی کتاب مارکس کے اقتصادی نظریات کا بیشتر حصہ شائع ہوا۔ ماؤ نے یہ دونوں ترجمے پڑھے اور کرکپ کی لکھی ہوئی سوشلزم کی تاریخ بھی پڑھی۔ وہ کہتا ہے کہ "تین کتابوں نے خاص طور پر میرے ذہن کو بنایا سنوارا اور مارکسیت میں میرا ایمان پختہ کیا، اور مارکسیت کو جب میں نے ایک مرتبہ "تاریخ کی صحیح تعبیر کے طور پر قبول کر لیا تو پھر کبھی میرا ایمان متزلزل نہیں ہوا"۔ عین اس موقعہ پر ماؤ کے پیکنگ جانے کا شاید کوئی نجی سبب بھی ہو۔ یانگ شانگ چی کی وفات بھی جنوری کے آخر میں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ماؤ یانگ کائی ہُوئی سے مل کر اسے تسلّی تشفی دینا چاہتا ہو۔

پیکنگ سے ماؤ ایک بار پھر شنگھائی گیا، جہاں وہ چن توشو سے ملا اور اُس سے مارکسی نقطۂ نظر پر اُن کتابوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا جن کو وہ پچھلے دنوں میں پڑھتا رہا تھا۔ چن نے شعبۂ ادب کے ڈین کی حیثیت سے ۴ مئی کو ہونے والے ہنگاموں میں جو طلبا کی امداد کی تھی، اُس کی بنا پر وہ چھ ماہ تک نظر بند رہا تھا اور دسمبر ۱۹۱۹ء میں جب وہ رہا ہوا تو اُس نے شنگھائی میں پناہ لی۔ اپنی نظربندی کے دوران وہ مارکسیت کی طرف روز بروز زیادہ جھکتا چلا گیا۔ ماؤ نے ۱۹۳۶ء میں کہا تھا کہ "چن نے اپنے عقائد کا اعلان کر کے اُس زمانے میں جو میری زندگی کا نازک دور تھا، میرے ذہن پر بہت گہرا اثر کیا"۔

شنگھائی میں ماؤ نے ایک لانڈری میں کام کر کے گذارے کی صورت پیدا کی، لیکن جلد ہی اُس کے دن پھرنے والے تھے۔ کومنتانگ کا ایک اہم رکن آئی پیائی چی، جو فرسٹ نارمل سکول میں ماؤ کا استاد رہ چکا تھا، ہنگ یانگ میں تان ین کائی کی پناہ میں تھا، اور چانگ چنگ یاؤ کے اخراج کی مہم کے سلسلے میں تان ین کائی کی حمایت و تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس مہم کی جبری پسپائی کی بدولت ہی ماؤ کو یہاں

آکر آئی پیائی چی سے ملنے اور اُس سے زیادہ قریب ہونے کا موقع ملا۔ جب آئی پیائی چی جون ۱۹۲۰ء میں فتح یاب ہو کر تان ین کائی اور چاؤ ہنگتائی کی افواج کے پیچھے پیچھے چانگشا پہنچا، جہاں اُس نے نارمل سکول کے ڈائرکٹر کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے اہم عہدے سنبھال لئے، تو اُس نے ماؤ کو نارمل سکول سے وابستہ پرائمری سکول کے ڈائرکٹر کا عہدہ تفویض کر دیا۔ اس عہدے کی بدولت اُسے زندگی میں پہلی بار باوقار زندگی گزارنے کے لئے مادی سہارا میسر آیا، بلکہ اب تو اسے کسی قدر آسائش بھی حاصل ہو گئی۔ باوقار عہدہ مل جانے اور اس کے ساتھ ساتھ مادی استحکام حاصل ہو جانے سے اس کی پیشہ ورانہ اور سیاسی سرگرمیوں ہی پر اثر نہیں پڑا بلکہ اس کے نجی زندگی میں بھی بڑا فرق پڑ گیا، کیونکہ بلاشبہ اسی کی بدولت ہی اگلے جاڑوں میں یانگ کیائی ہوئی سے اس کی شادی ہونا ممکن ہو گئی۔ یانگ چانگ چی تو امیر آدمی تھا، اُس کا گھرانا اپنی بیٹی کا ہاتھ ایسے نوجوان کے ہاتھ میں دینے کی اجازت کیسے دیتا جو پریشان ہئیت اور فطری طور پر غیر مطابقت پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ مالی طور پر بھی بے سہارا تھا۔

ماؤ نے اپنی سوانح عمری میں کہا ہے کہ "۱۹۲۰ء کی گرمیوں کی آمد تک میں نظریاتی اعتبار سے اور کسی حد تک عملی اعتبار سے بھی مارکسی ہو چکا تھا، اور اس زمانے سے میں نے اپنے آپ کو مارکسی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔" بے شک ماؤ نے طلبا کے حلقہ میں سیاسی کام کرنا نہیں چھوڑا تھا لیکن اب وہ ایسی سرگرمیوں میں بھی شامل ہونے والا تھا جو تخصیص کے ساتھ مارکسیت کا رنگ رکھتی تھیں، مثلاً لیبر یونینوں کی تنظیم اور ایک مرتبہ پھر اس کی زندگی کا یہ نیا باب مجموعی طور پر چین کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کے ایک نئے موڑ سے ہم آہنگ ہو گیا، اس لئے کہ ۲۱-۱۹۲۰ء کے موسم سرما میں ماؤ کی سرگرمیوں کا ان تیاریوں سے گہرا تعلق ہے جو چینی کمیونسٹ پارٹی کے قیام کے لئے کی جا رہی تھیں۔ یہ پارٹی جولائی ۱۹۲۱ء میں اپنا پہلا اجلاس منعقد کرنے والی تھی۔

چینی کمیونسٹ پارٹی کا آغاز

چینی کمیونسٹ پارٹی کا خمیر دیس کی مٹی سے اٹھا تھا۔ اس میں وہ لوگ شامل تھے جو بڑی حد تک اس کے قائل ہو چکے تھے کہ سوویٹ نظریے اور طریقے تیسری انٹرنیشنل کے فرستادوں کے ہاتھ آنے سے قبل چین کے مسائل کو حل کرنے میں بہت کام آسکتے ہیں۔ ہاں ایک بات ہے۔ یہ لوگ تو ایک تیر بہدف انقلابی نسخے کی تلاش میں بھٹک رہے تھے۔ اگر ماسکو کی کوششیں شامل نہ ہوتیں تو اتنی جلدی انھیں راہ کہاں مل جاتی اور کیسے وہ ایک ٹھوس تنظیم قائم کر لیتے؟ رُوس کے اس عمل دخل کے دو پہلو ہیں۔ بیشک اس سے چینی انقلابیوں کو کچھ فائدے بھی ہُوئے۔ مثلاً یہ کہ انھیں زیادہ تجربہ کار ساتھیوں کی رہنمائی حاصل ہو گئی۔ نظری اعتبار سے بھی اور تنظیمی معاملات میں بھی اور پھر انہیں مالی امداد بھی ملی، لیکن اس عمل دخل کے دو منفی پہلو بھی ہیں ایک تو یہ کہ سوویت رہنما محض ایسے انقلابی نہیں تھے جن کا مقصد دنیا بھر میں سرمایہ داری کا تختہ الٹنا ہو۔ بلکہ وہ مملکت روس کے مستقبل کے ذمہ دار بھی تھے اور رفتہ رفتہ یہ کھلا کہ جب ان دو ذمہ داریوں میں سے کسی ایک کو چُننے کا سوال آپڑتا ہے تو یہ حضرات موخر الذکر ذمہ داری کو مقدم جانتے ہیں اور پہلی ذمہ داری کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ بالشویزم کے اکثر سرکردہ لوگ سرتاپا یورپین تھے اپنی ذہنیت کے اعتبار سے بھی اور اپنے تجربہ کے اعتبار سے بھی، ان کا چینی حقیقتوں کا ادراک مسخ شدہ تھا، سو وہ الگ تھلگ رہ کر جب اپنے چینی ساتھیوں کو مدد پہنچانا چاہتے بھی تھے تو خرابی ہی پیدا کرتے تھے

ان کے مشورے بہت ہی ناکارہ ہوتے تھے۔

یہ دونو عوامل ساتھ ساتھ اور ایک ہی سمت میں کار فرما تھے۔ ماسکو والے جو اہمیت شہر کے محنت کش طبقہ کو دیتے تھے، اس سے یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ ایشیا میں پرولتاری طبقہ ابھی بہت ناتواں اور ناپختہ ہے۔ اس لئے فی الحال بورژوا طبقہ کے لائے ہوئے قومی انقلاب ہی کو غنیمت سمجھا جائے۔ یہ انقلاب کسی پڑوسی ملک میں بڑے پیمانے پر معاشرتی انقلاب کی بجائے صرف مغربی سامراج کے خلاف ہنگامہ آرائی کی صورت میں تھا اور یہ صورت روس کی خارجہ پالیسی کے مفادات کے عین مطابق تھی۔ رُوس کا مفاد اس میں تھا کہ پڑوس میں ایک مستحکم ریاست ہو اور اس سے اس کے دوستانہ تعلقات ہوں یعنی اگر مشرق کی طرف سے کوئی نئی یورش ہو تو وہ "فاضل مملکت" (بفر سٹیٹ) کا کام کرے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ رُوس والے چینی کمیونسٹوں کو جو مشورہ بھی دیتے تھے اس کی بُنیاد تنگ نظری اور خود غرضی پر ہوتی تھی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ شروع میں تو یہ مشورے ان کے بہت کام آئے اور ان کی وجہ سے وہ گروہی لغزشوں سے بچے رہے لیکن آگے چل کر اس کے نتائج بُرے نکلے۔ اوّل تو روسیوں کے لئے اپنی خارجہ پالیسی کے اغراض و مقاصد باقی سب باتوں پر مقدم تھے اس پر طرّہ یہ کہ سٹالن صاحب اپنے آپ کو چین کا ماہر جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حالات ان کی مُٹھی میں ہیں۔ ان دو باتوں نے مل کر بہت قہر ڈھایا اور چینی انقلاب کو بار بار مصیبت کا سامنا کرنا پڑا چینی رہنماؤں بالخصوص ماؤ نے ان باتوں کو اب تک فراموش نہیں کیا۔

یورپ کے انقلابیوں میں لینن پہلا آدمی ہے جس نے سامراجی نوآبادیات کی تحریک آزادی کو پوری طرح پہچانا۔ جاپان نے روس پر ۱۹۰۵ء میں فتح پائی تھی اور اس فتح سے پورے مشرق میں امید کی ایک نئی لہر اور بغاوت کی ایک نئی رَو دوڑ گئی تھی اور لینن نے اسی وقت سے ان امور پر سوچ بچار شروع کر دی تھی کہ ایشیا کے قومی انقلاب کو کن ترکیبوں سے عالمی انقلاب کے حق میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟ یوں تو اس بارے میں اس کے افکار ۱۹۰۵ء سے رفتہ رفتہ نشوونما پا رہے تھے مگر یہ نوبت کہیں جولائی ۱۹۲۰ء میں آئی کہ دوسری کومنٹرن کانگریس میں قومی اور نوآبادیاتی سوال پر اس کے خیالات منضبط کئے گئے اور پھر انٹرنیشنل نے باضابطہ طور پر انھیں منظور کیا۔

انٹرنیشنل نے سوویٹ پالیسی کے ایک باقاعدہ آلۂ کار کی حیثیت تو بعد میں اختیار کی۔ ۱۹۲۰ء میں یہ صورت نہیں تھی اس لئے اس نے جو نتیجے نکالے تھے ان کے لئے اسے وہاں بہت گرما گرم بحثیں

کرنی پڑیں۔ اس کا سب سے اہم حریف ہندوستان کا کمیونسٹ نمائندہ ایم۔ این۔ رائے تھا۔ یوں سمجھیے کہ ان کی بحث کئی اعتبار سے اس بحث کی ایک ابتدائی صورت تھی جو آج روس اور چین کے درمیان جاری ہے۔ رائے کے افکار وہی تھے جو آج کل چینیوں کے ہیں کہ سوویٹ رہنما بورژوا طبقہ سے سمجھوتے بازی میں حد سے گزر گئے ہیں اور ایشیائی انقلاب میں پرولتاری قیادت پر کچھ زیادہ زور نہیں دیتے۔ سوویٹ رہنماؤں کی اس روش کے جواب میں رائے نے بڑی قطعیت کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ "عالمی انقلاب کی کنجی ایشیا کے پاس ہے۔ جب تک نوآبادیات میں طوفان برپا نہیں ہوتا، ایسا طوفان کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادیں اکھڑ جائیں اور اس کا تختہ الٹنے کا سامان ہو جائے، یورپ میں پرولتاری طبقہ کوئی کام سرانجام نہیں دے سکے گا۔

لینن نے یورپین سوشل ڈیموکریٹوں کی ذہنیت کے خلاف جہاد کیا تھا جن میں روزا لکسمبرگ جیسے انقلاب پسند بھی شامل تصور کئے جاتے تھے۔ یہ لوگ غیر یورپی اقوام کی انقلابی صلاحیتوں کو گردانتے ہی نہیں تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ قومیں تو مٹی کے مادھو ہیں اور صرف یورپ کے پرولتاری ہی انھیں نجات دلانے کے اہل ہیں۔ گو لینن نے اس ذہنیت کے خلاف بہت عرصہ تک جہاد کیا۔ مگر وہ ایم۔ این۔ رائے کے نقطۂ نظر تک، جو اُس کے اپنے خیالات کی دوسری انتہا تھی، جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے اس ہندوستانی کو روکھا سا جواب دیا کہ "صاحب! آپ کا نقطۂ نظر بہت انتہائی ہے۔" اور آخر کار انٹرنیشنل کی کانگریس نے اُسی موقف کو منظور کیا جو بنیادی طور پر لینن کا موقف تھا۔ البتہ رائے صاحب کے مؤقف سے بھی محدود مگر زبانی حد تک تھوڑی بہت رعایت ضرور برتی گئی۔ جہاں تک جدوجہد کی تدابیر کا تعلق ہے، لینن نے پہلے ڈرافٹ میں یہی لکھا تھا کہ انٹرنیشنل کو بورژوا جمہوری تحریکوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔ لیکن کانگریس نے یہ طے کیا کہ انٹرنیشنل کو بورژوا جمہوری تحریکوں کی بجائے قومی انقلابی تحریکوں کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ویسے لینن نے کانگریس کے سامنے جو رپورٹ پیش کی اس میں اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "یہ تبدیلی محض رسمی بات ہے اس لئے کہ حالات کچھ ایسے ہیں کہ نوآبادیات میں جو بھی قومی تحریک شروع ہو گی وہ بورژوا جمہوری رنگ لئے ہوئے ہو گی۔" یہ تسلیم کیا گیا کہ یورپ اور ایشیا کے انقلابوں کا آپس میں تعلق ہے، لیکن اس بارے میں کہ یہ دونوں اپنے اپنے طور پر کتنی اہمیت رکھتے ہیں، کھل کر کوئی بات نہیں کہی گئی۔

یہ سب کچھ جولائی ۱۹۲۰ء میں طے ہوا تھا لیکن چین نے کہیں جنوری ۱۹۲۲ء میں جا کر اس کا اثر قبول کیا۔ چینی کمیونسٹوں کے یہاں تو ابھی مارکس کی تعلیم کے مبادیات نے رچنا بسنا ہی شروع کیا تھا۔ ابھی انھیں مارکس کے شاگردوں اور مفسروں کے اختلافات کا کیا پتہ تھا۔ اس وقت وہ لینن کے افکار سے نہیں بلکہ مسلّمہ مارکسی تصورات سے متاثر تھے۔ ان تصورات کی رُو سے انقلاب کی ساری ذمہ داری شہری پرولتاری طبقہ کے سر تھی اور ان تصورات میں ایسی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ قومی آزادی کے مشترکہ نصب العین کی خاطر بورژوا طبقہ کے ساتھ اشتراک کر کے جدوجہد کی جائے۔

تو گویا چینی کمیونسٹ مارکسیت کی راہ میں ابھی بہت پیچھے تھے۔ اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ ایسے اجنبی نظام تصورات کو اپنے اندر رچانا بسانا بہت کٹھن کام تھا۔ پھر کچھ یہ بات بھی تھی کہ سوویٹ رہنماؤں نے چین میں اپنے نظریے کی تبلیغ کا کام بڑی سست رفتاری سے شروع کیا تھا۔ یُوں تو لینن اور سچرن نے ۱۹۱۸ء ہی میں پیکنگ کی قدامت پسند حکومت کے ساتھ بھی اور جنوب میں سُن یات سن کے ساتھ بھی تعلقات قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں لیکن انٹرنیشنل کا پہلا ایلچی گریگوری وتنسکی کہیں ۱۹۲۰ء میں چین میں وارد ہوا اور اس نے پیکنگ میں رُوسی سفارت خانہ کی مدد سے لی تا چاؤ سے رابطہ پیدا کیا۔ لی تا چاؤ نے اسے تعارفی چٹھی دی اور وہ شنگھائی جا کر چن تو شو سے ملا۔ اس کا پہلا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پیکنگ میں مارچ کے مہینے میں ایک سوسائٹی مارکسی نظریے کے مطالعہ کی غرض سے قائم ہوئی۔ اسے انجمن مطالعۂ مارکسیت کہہ لیجئے۔ اس کے بعد شنگھائی میں مئی کے مہینے میں اور پیکنگ میں ستمبر کے مہینے میں کمیونسٹ پارٹی کے مراکز کی بنیاد رکھ دی گئی۔

ماؤ زے تنگ کو جب ستمبر یا اکتوبر میں پیکنگ سے یہ خبر ملی کہ وہاں ایک کمیونسٹ گروپ قائم ہو گیا ہے تو اس نے چانگشا میں بھی ایک گروپ قائم کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے سوشلسٹ یوتھ کور کی شاخ قائم کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ یوتھ کور پہلے پہل شنگھائی میں اگست کے مہینے میں قائم ہوئی تھی۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں چانگشا میں بھی اس کی شاخ قائم ہو گئی۔ ہونان میں ان دونوں جماعتوں میں شامل ہونے والے افراد زیادہ تر شن سن شیو ہوئی کے اراکین تھے۔

جماعتوں کے قیام کے سلسلے میں ماؤ اصل میں اپنے استادوں کی تقلید کر رہا تھا۔ لی تا چاؤ اور چن تو شو نے جس قسم کی جماعتیں دوسرے مقامات پر قائم کی تھیں اسی طرح کی دو جماعتیں ماؤ نے ہونان میں

قائم کیں۔ "انجمن مطالعہ مارکسیت" کا قیام بھی انھیں کی نقالی تھا۔ ویسے اسی زمانہ میں اس نے کچھ ایسے کام بھی کئے جو قدرے منفرد تھے۔ اس قسم کا ایک کام کلچرل بک سوسائیٹی کا قیام تھا۔ یہ سوسائیٹی جولائی کے آخر میں قائم ہوئی تھی۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ انقلابی رسالے اور کتابیں جو پیکنگ اور شنگھائی میں کثیر تعداد میں چھپ رہی تھیں، ہونان میں لوگوں کے لئے فراہم کی جائیں۔ اس نیک کام کے سلسلہ میں اس نے نئے گورنر تان ینکائی کو شیشے میں اتارا۔ تان ینکائی کسی زمانے میں ہانلین اکیڈیمی کا ممبر رہ چکا تھا اور اسے اپنی خوشنویسی پر بہت ناز تھا۔ ماؤ نے اسے اپنے ادارے کی پیشانی پر حروف لکھنے پر آمادہ کر لیا۔ مگر ماؤ نے ایک اس سے بھی بڑھ کر منفرد سرگرمی دکھائی۔ یہ صوبہ ہونان کی خود اختیاری کی مہم تھی۔ چین میں اس وقت بہت جھگڑے قضیے تھے۔ مختلف سیاسی رجحان رکھنے والے مختلف لوگ اپنے اپنے طور پر صوبائی خود اختیاری کے تصوّر کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے۔ بلکہ خود تان ینکائی نے جب وہ ۱۹۲۰ء کی گرمیوں میں چانگشا واپس آیا اس تصور کو اپنا لیا تھا۔ سرکاری تاریخ کے مطابق ماؤ نے اس مسئلہ کو اس نیّت سے ہاتھ میں لیا کہ اس صورت حال سے دُوہرا فائدہ اٹھایا جائے۔ ایک بات تو یہ تھی کہ تان ینکائی کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ ایک صحیح معنوں میں عوامی قسم کی حکومت خود اختیاری قائم ہو جائے تو وہ اس بہانے پیکنگ کے فوجی گروہ کے مقابلہ میں اپنے دائرۂ اثر کو مضبوط بنانا چاہتا تھا۔ ماؤ نے یہ سوچا کہ نئے صوبائی آئین کی تدوین میں عوام کو شریک کرنے کی مہم چلا کر تان کی جمہوریت کا بھانڈا پھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے یہ مہم شروع کر دی۔ ساتھ ہی ماؤ نے یہ بھی سوچا کہ آنے والے آئین میں جس حد تک شہری آزادیوں کے تحفظات ہوں گے اسی حد تک انقلابی سرگرمیوں کے لئے سازگار فضا پیدا ہو جائے گی۔

اس سارے واقعہ میں غالباً کچھ حد تک صداقت ضرور ہو گی، لیکن اسے کلّی طور پر صحیح تسلیم کر لینا ممکن نہیں ہے۔ نومبر ۱۹۲۰ء میں صوبے کا حکمران بدلا گیا۔ تان ینکائی گیا اور چاؤ ہنگتیائی آیا۔ اس نے اگست ۱۹۲۱ء میں نیا صوبائی آئین پیش کیا۔ جس پر یکم جنوری ۱۹۲۲ء سے عملدرآمد شروع ہو گیا۔ اگلے برس گرمیوں کے آتے آتے ماؤ یہ بھول چکا تھا کہ اس نے کبھی صوبائی خود مختاری کی حمایت بھی کی تھی۔ خواہ وہ عملی تدبیر کے طور پر ہی کی ہو۔ چاؤ کی ظالم حکومت کے خلاف اس نے مضمون لکھا اور یہ اعلان کیا کہ "میں نے تو ہمیشہ ہی صوبائی خود اختیاری کی مخالفت کی ہے۔" ماؤ کے اپنے اس سابقہ رویّے سے

انکار کی ایک اور وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس ایک سال کے درمیانی عرصے میں اس کی صوبہ پرستی پر بہت سے اعتراضات ہوئے تھے۔

۲۱-۱۹۲۰ء کے موسم سرما میں ماؤ زے تنگ نے محنت کشوں کی تنظیم کو اپنا مشغلہ بنا لیا۔ (مگر یہ جزوقتی مشغلہ تھا۔ چنانچہ وہ اس مشغلہ کے ساتھ ساتھ بدستور چانگشا کے پرائمری سکول کے نگران کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔) اسی دوران ماؤ نے اُسی روایتی مارکسی نقطۂ نظر کو قبول کر لیا جو اُس زمانے میں چینی کمیونسٹ پارٹی کا مخصوص نقطۂ نظر تھا۔ اس نے اپنے دوست تسائی ہوسن کو فرانس خط لکھا تو اس میں قومی اختلافات اور امتیازات کا حوالہ دیئے بغیر دنیا کو ایک تہائی سرمایہ داروں اور دو تہائی پرولتاری لوگوں میں منقسم کر دیا۔

۱۹۲۱ء کے موسم بہار کے آتے آتے خود چین کے اندر کمیونسٹوں کے چھ چھوٹے چھوٹے گروپ قائم ہو چکے تھے۔ اور ایک گروپ چینی طلبا نے پیرس میں قائم کیا۔ چین میں یہ گروپ شنگھائی، پیکنگ، چانگشا، ووہان، کنیٹن اور سنیان میں قائم ہوئے تھے۔ چند ابتدائی بحثوں کے بعد جماعت کی پہلی کانگریس کا انعقاد شنگھائی میں جولائی ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ چین کے چھ گروپوں میں سے ہر گروپ کے دو دو مندوب اس میں شریک ہوئے۔ ایک نمائندہ جاپان میں رہنے والے چینیوں کا شامل ہوا۔ یوں کُل ملا کر تیرہ مندوبین نے شرکت کی۔ ان مندوبین میں سے بعض نے آگے چل کر بہت نام پایا۔ ان میں ایک ماؤ زے تنگ تو تھا ہی۔ مگر کچھ اور لوگ بھی تھے۔ مثلاً پیکنگ کا مندوب چانگ کوتاؤ، ووہان کا مندوب تنگ پیو کنیٹن کا مندوب چن کنگ پو (جو ۱۹۲۴ء میں وانگ چنگ وی کے بعد جاپان کی حامی کٹھ پتلی حکومت کا سربراہ بنا۔) لی تاچاؤ اور چن تو شو دونوں اس میں شریک نہ ہو سکے۔ لی تاچاؤ تو پیکنگ ہی میں تھا، چن تو شو کو دسمبر میں کینٹن سے بلاوا آ گیا تھا۔ وہاں سن یات سن نے جنگی ناخدا چن چنگ منگ کے زیرِ اثر جو حکومت بنائی تھی، اس کے تعلیمی بورڈ کی سربراہی چن تو شو کے سپرد ہوئی تھی۔ اس کانگریس میں کومنٹرن کے بھی دو مندوب شریک ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک تو وا تنکی تھا جسے ہالینڈ کے رہنے والے دوسرے مندوب ہنر یکس سنیولٹ نے پارٹی میں شامل کیا تھا۔ سنیولٹ نے مارنگ کا نام اختیار کر لیا ہوا تھا اور اسے چینی انقلاب کی تشکیل کے سلسلے میں مستقبل میں بہت بڑا فریضہ انجام دینا تھا۔

یہ اجتماع بڑے ڈرامائی حالات میں منعقد ہوا اور اس کا ذکر بہت جگہوں پر کیا جا چکا ہے۔ اس

کے ابتدائی اجلاس شنگھائی کے فرانسیسی علاقہ میں لڑکیوں کے ایک سکول میں ہوئے جو تعطیلات کی وجہ سے بند تھا اور یوں حکام کی دست برد سے بچا ہوُا تھا، لیکن رفتہ رفتہ مندوبین کو بار بار آتے جاتے دیکھ کر پولیس کے کان کھڑے ہوئے۔ اُدھر ان مندوبین میں ایک مشتبہ کردار کا شخص آگھسا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ پولیس کا جاسوس تھا۔ اُسے دیکھ کر مندوبین چوکنے ہو گئے اور دو کے سوا باقی سب بچ کر نکل گئے۔ ان دونوں کو بھی کچھ تفتیش کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ زیادہ تحفّظ کی خاطر اب ان لوگوں نے شنگھائی سے نکل جانے ہی میں خیریت سمجھی، چنانچہ وہ صوبہ چکیانگ میں چیاسنگ کے قریب ساؤتھ لیک پر پہنچے اور ایک کشتی میں بیٹھ کر کانگریس کے آخری اجلاس کی کارروائی مکمل کی۔ دیکھنے والوں نے یہ جانا کہ سیلانی لوگ ہیں، چھٹیاں منانے نکلے ہوئے ہیں۔

پہلی کانگریس کے لئے جو دستاویزیں منتخب کی گئیں ان میں روائتی مارکسی ذہنیت ہنگامہ خیز حد تک نمایاں تھی۔ طے یہ پایا کہ پرولتاریوں کی انقلابی فوج کی مدد سے سرمایہ دار طبقوں کا تختہ اُلٹ دیا جائے اور پرولتاریوں کی آمریت قائم کی جائے تاکہ طبقات کا وجود ہی باقی نہ رہے۔ پارٹی کے عزائم کے متعلق فیصلے کرتے ہوئے لیبر یونینوں کی تنظیم کے مسائل سے بھی بحث کی گئی۔ لینن نے بورژوا قوم پرستوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی جو وکالت کی تھی اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں تھا۔ اور نہ اس بات کا کوئی ذکر تھا کہ طبقاتی نوعیت کے نصب العین سے الگ کوئی قومی نصب العین بھی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہاں اس امر پر زور دیا گیا کہ "ہمیں موجودہ سیاسی جماعتوں سے بے تعلق اور الگ تھلگ رہنا چاہیے اور ان کے بارے میں جارحانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہماری پارٹی کو پرولتاریوں کی خاطر کام کرنا چاہیے اور کسی دوسری پارٹی، کسی دوسرے گروپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے"۔

یہ بھی فیصلہ ہوُا کہ باقاعدہ ماہانہ رپورٹیں تیسری انٹرنیشنل کو بھیجی جایا کریں اور اگر ضرورت پڑے تو ارکٹسک کے مشرق بعید کے سیکریٹریٹ میں ایک نمائندہ بھیجا جائے۔ کومنٹرن سے اتنا گہرا تعلق ہونے اور ماسکو سے نمائندوں کی شرکت کے باوجود تعجب کی بات ہے کہ پارٹی کا نقطۂ نظر لینن کے نقطۂ نظر سے بالکل الگ تھا۔ لگتا یہ ہے کہ مارنگ اور وتسکی ساؤتھ لیک والے جلسہ میں شریک نہیں ہوئے جس میں قراردادیں منظور ہوئی تھیں۔ پھر انٹرنیشنل کے نمائندوں نے یہ بھی سوچا ہو گا کہ اصل مقصد تو یہ ہے کہ کسی طرح پارٹی کی کوئی تنظیم بن جائے۔ اگر مختلف الخیال اور گمراہ قسم کے افراد جمع ہو رہے ہیں تو ہو جانے دو، ان سے بعد میں نبٹا جا سکتا ہے

یہ تو ظاہر ہے کہ دوسری جماعتوں سے تعلقات کے مسئلہ پر یہاں کچھ نہ کچھ بحث ہوئی تھی۔ وسیع معنوں میں نہ سہی کم از کم سُن یات سن کے ساتھ اشتراک کے بارے میں ضرور گفتگو ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اتنا اختلاف رائے تھا کہ اس کانگریس کے لئے جو ایک سامراج دشمن' اور 'عسکریت دشمن' قسم کا منشور تیار کیا گیا تھا وہ شائع ہی نہیں ہو سکا۔ حاضرین میں سے بہت سوں کا خیال تھا کہ سُن یات سن بھی شمالی علاقے کے جنگی ناخداؤں کی قماش کا شخص ہے۔

یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان بحثوں میں ماؤ کس طرف تھا۔ کوئی قطعی شہادت تو موجود ہے نہیں۔ ویسے اس کے سرکاری سوانح نگار لی جوئی کا دعویٰ یہ ہے کہ ماؤ نے دونوں باتوں کی مخالفت کی تھی یعنی اس نقطۂ نظر کی بھی کہ پارٹی کا اوّلیں کام پرولتاری آمریت قائم کرنا ہے اور اس گمراہ کن نقطۂ نظر کی بھی جس کے تحت پارٹی کے بائیں بازو کے انتہا پسند' دانشوروں کی پارٹی میں شمولیت کے مخالف تھے۔ اس بیان سے دکھانا یہ مقصود ہے کہ ماؤ گروہی ذہنیت کے خلاف تھا اور بالواسطہ طور پر یہ اشارہ بھی کر دیا گیا کہ وہ قوم پرستوں سے اشتراک کے حق میں تھا۔ یہ بات ماؤ کے مجموعی میلان فکر و عمل سے ضرور مطابقت رکھتی ہے۔ ماؤ نے تو ہمیشہ اسی نہج پر سوچا اور عمل کیا کہ چین کے عوام کی ایک عظیم جمہوریہ قائم ہو۔ لیکن پچھلے سال کے جاڑوں میں اس نے نسائی ہوسن کو جو خط لکھے تھے ان سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہ گروہی طریق پر سوچ رہا تھا اور غالباً اس حق میں تھا کہ باقی جماعتوں سے علیحدہ رہ کر پرولتاریوں ہی میں کام کیا جائے۔ اور پہلی کانگریس کی ساری دستاویزیں اسی طرز فکر کی حامل ہیں۔

خیر ۱۹۲۱ء کی گرمیوں میں ماؤ کا جو بھی نقطۂ نظر تھا وہ اپنی جماعت کے نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ جلد ہی تبدیل ہو گیا۔ اب اُن کے لئے بورژوا قوم پرستوں سے اشتراک نہ صرف قابل قبول تھا بلکہ اب تو بڑے جوش و خروش سے انہوں نے اس تصوّر کو اپنا لیا۔ لیکن اس نہج پر کوئی معین پالیسی طے کرنے سے پیشتر ماسکو کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس کو کون سے قوم پرستوں کی حمایت مقصود ہے۔ دسمبر ۱۹۲۱ء میں مارنگ نے وو پائی فو سے ملاقات کی۔ وو پائی فو انگریزوں کا حامی ایک سپہ سالار تھا، جس کا وسطی چین میں غلبہ تھا۔ اور مارنگ اس سے ملنے کے بعد سُن یات سن کے ہیڈ کوارٹر کویلن کو جو کینٹن کے قریب واقع ہے، چلا تو راستے میں اس نے ہونان کے گورنر چاؤ ہنگتیائی سے بھی ملاقات کی۔ اس

تذبذب کی تہہ میں کئی باتیں کام کر رہی تھیں۔ کچھ تو خارجہ پالیسی کی مصلحتیں پیش نظر تھیں اور کوشش یہ تھی کہ ملک پر واقعی جن لوگوں کا اختیار ہے ان سے معاملہ کیا جائے۔ پھر تذبذب اس وجہ سے بھی تھا کہ سُن یات سِن کے سیاسی عمل میں اتنا الجھاؤ اور اس قدر بے قاعدگی تھی کہ کوئی مستحکم تنظیمی بنیاد نظر ہی نہ آتی تھی۔ ۲۱ دسمبر کو کوئیلن میں جو گفت وشنید ہوئی، اس سے دونوں فریقوں کو یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور آئندہ کی گفت وشنید کے لئے زمین ہموار ہو گئی۔ طے یہ ہُوا کہ سوویٹ سے مزید ایلچی اگلے سال کے دوران آئیں گے۔ اور سُن یات سِن سے گفت وشنید کریں گے۔ مگر ماسکو میں بیٹھے ہوئے لوگ ہنوز اس پس وپیش میں تھے کہ بات چیت سُن سے کی جائے یا اُس کے فوجی سرپرست چن چیونگ منگ سے!

اسی اثنا میں ماؤزے تنگ ہونان صوبہ کی چینی کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری بن کر چانگشا واپس آیا۔ پورے چین میں پارٹی کے کل ملا کر ساٹھ ستر ممبر تھے۔ اس لئے بڑی جانفشانی سے کام کرنے کی ضرورت تھی تا کہ ایک مؤثر تنظیم کو وجود میں لایا جا سکے۔ مگر ماؤ نے پارٹی میں کام کے علاوہ لیبر یونینوں میں بھی جا کر کام کیا۔ شاید اس کا سب سے خصوصی کام یہ تھا کہ اگست ۱۹۲۱ء میں اس نے سیلف سٹڈی یونیورسٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ طلباً کے لئے آزادی کے ساتھ پڑھنے اور غور وفکر کرنے کا موقعہ فراہم کیا جائے (خود ماؤ بھی کسی زمانے میں یہی کیا کرتا تھا) اور ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ اساتذہ سے لیکچر سننے اور ان سے یا اپنے ساتھی طلباً سے بحث مباحثہ کرنے کی تحریک ملتی رہے۔ اس یونیورسٹی کو چان شان شیلوسی کی عمارت میں جگہ ملی۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ بھی تفاصیل میں سے ایک اتفاقی تفصیل ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ چینی انقلاب کو آئندہ چل کر ماؤ کی قیادت میں جو صورت اختیار کرنی تھی اور جس نہج پر چلنا تھا یہ اس کے مستقبل کی علامت تھی۔ یوں تو سیلف سٹڈی یونیورسٹی، میں جدید خیالات اور بالخصوص مارکسیت پر بہت زور دیا جاتا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ روایتی چینی علوم کو بھی پوری اہمیت دی جاتی تھی یہتی کہ وانگ فوچی جیسے شک پرست، مادیت پسند اور قوم پرست مفکر کو بھی خاص طور پر پڑھنے کی تلقین کی جاتی۔ جو لوگ آگے چل کر چینی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہوئے ان میں سے بہت سے وہ تھے جنہوں نے اس مکتب سے فیض پایا تھا۔ یہاں جو مباحثے ہوتے تھے ان میں ماؤزے تنگ شریک ہوتا تھا۔ ان مباحثوں میں شریک ہو کر وہ اس کام کی داغ بیل ڈال رہا تھا جسے مارکسیت کو چینی جامہ پہنانے کا کام کہنا چاہیئے۔ اور یہ وہ

کام تھا جسے اس کا سب سے بڑا نظری اور عملی کارنامہ قرار پانا تھا۔

ماؤ نے اپنی اُپج سے ایک کام اور کیا جو کلچرل بک سوسائٹی کی طرح یہ ثابت کرتا ہے کہ ماؤ کو معزز لوگوں اور اداروں کو انقلابی مقاصد کے لئے استعمال کرنا خوب آتا تھا۔ یہ کام تعلیم عامہ کی تحریک کا اجرا تھا۔ اس تحریک کو چینی وائی، ایم، سی، اے کے رہنماؤں نے امریکہ کی پشت پناہی پر ۱۹۲۱ء میں بڑے پیمانے پر شروع کیا تھا۔ ماؤ نے ۱۹۲۲ء میں ہونان میں یہ تحریک شروع کر دی۔ ماؤ کی قیادت میں بھی اس تحریک کا مقصد وہی رہا جو اس کا اصل مقصد تھا یعنی غیر تعلیم یافتہ بالغوں کو ایک ہزار حروف پر مشتمل بنیادی الفاظ سکھا دیئے جائیں۔ لیکن ماؤ نے یہ کیا کہ جو درسی کتابیں دوسری جگہوں پر پڑھائی جا رہی تھیں انھیں ہاتھ نہیں لگایا۔ اس نے اپنے طور پر کتابوں کا ایک سلسلہ تیار کرایا۔ ان کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ معاشرے کی ساری دولت کسانوں اور مزدوروں کی محنت اور مشقت کا ثمر ہے۔ اسی کے ساتھ اشتراکیت، روسی انقلاب اور مزدوروں اور کسانوں کے اشتراک کے باب میں تشریحات کی گئی تھیں۔ اس تحریک کے کارکنوں کو ماؤ نے یہ ہدایت کی کہ اپنے اپنے علاقہ میں گاؤں گاؤں جا کر مقامی رؤسا سے رابطہ پیدا کیا جائے تاکہ اس پروگرام کی باوقار طور پر ہمت افزائی ہو۔

ماؤ نے بیشک اپنی اُپج سے تعلیم کے میدان میں یہ کارہائے نمایاں انجام دیئے لیکن اس کا اصلی کام وہی تھا جو وہ پارٹی میں کر رہا تھا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر وہ جو وہ لیبر یونینوں کے سلسلہ میں انجام دے رہا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں یوں ہوا کہ ملک بھر کے مزدوروں میں اضطراب کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔ جنوری میں چانگشا میں بے نظمی کے حامی دو مزدور رہنماؤں کو پھانسی لگ جانے پر ماؤ نے چاؤ ہنگتیائی کے خلاف ایک مہم شروع کر دی۔ ہونان کے دو اور شخصوں کے ساتھ مل کر اس نے صوبہ بھر میں تابڑ توڑ ہڑتالیں کرائیں یہ دو شخص لائی بی سان اور لیو شاؤچی تھے۔ انہوں نے آگے چل کر چینی کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ میں بہت کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان کی کوششوں سے جو ہڑتالیں ہوئیں ان میں دو بہت اہم حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک تو ان یوآن میں کان کنوں کی ہڑتال تھی اور ایک کینٹن ہانکو کی ریلوے لائن والی ہڑتال۔ یہ دو نو ہڑتالیں ستمبر میں ہوئیں۔ ماؤ نے پتھر کا کام کرنے والے راج مزدوروں، چھاپے خانے والوں اور مختلف دوسرے کاروبار کرنے والوں کے ساتھ جا کر بھی کام کیا۔

ادھر ماؤ ان کاموں میں جتا ہوا تھا اور ادھر سیاسی حالات میں زبردست تبدیلی آ رہی تھی یعنی

جس سیاسی نقشہ کے مطابق وہ کام کر رہا تھا وہ سیاسی نقشہ ہی یکسر بدل رہا تھا۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں ایک چینی وفد نے ماسکو اور پیٹروگراڈ جا کر محنت کشانِ مشرقِ بعید کی پہلی کانگریس میں شرکت کی۔ اس وفد میں کومنتانگ اور کمیونسٹ پارٹی دونوں ہی کے نمائندے شامل تھے۔ یہاں زینوویو نے انھیں بڑے لمبے چوڑے خطبے دیئے۔ اس نے اپنے ان چینی ساتھیوں کو یہ سمجھایا کہ "اِن گنہ گاروں کو یعنی بورژوا قوم پرستوں کو نظرِ حقارت سے مت دیکھو بلکہ ان کے ساتھ مل کر اوزار اٹھاؤ"۔ اس وعظ و نصیحت کا یہ اثر ہُوا کہ جب جولائی ۱۹۲۲ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی دوسری کانگریس منعقد ہوئی۔ تو اس نے پچھلے برس والی اپنی گروہی روش کو خیرباد کہا اور قوم پرستوں سے اشتراک کے حق میں قرارداد منظور کی۔ ماؤ کا کہنا ہے کہ وہ اس اجتماع میں شرکت کی غرض سے شنگھائی گیا تھا لیکن اس کے پاس سے اس جگہ کا نقشہ کھو گیا جہاں یہ اجتماع ہو رہا تھا۔ اس نے ساتھیوں کو تلاش کیا مگر کوئی ساتھی بھی نہیں ملا۔ سو چارو ناچار وہ چانگشا واپس آ گیا۔

اس موقعہ پر کچھ ایسے ڈرامائی قسم کے واقعات وقوع پذیر ہوئے سوویٹ والوں کے لئے یہ طے کرنا لازم ہو گیا کہ چین میں انھیں کون سے قوم پرستوں کی حمایت کرنی ہے۔ ہُوا یوں کہ چن چنگ منگ سُن یات سن کے خلاف ہو گیا اور سُن یات سن گرفتاری سے جان بچا کر شنگھائی جا پہنچا۔ شنگھائی میں اس کی حیثیت پھر ایک پناہ گزین کی تھی۔ نہ کوئی ٹھکانا تھا نہ پشت پہ کوئی محاذ تھا کہ وہ کسی قسم کی کارروائی کر سکتا۔ یہاں پہلے تو "یوتھ انٹرنیشنل" کے ایلچی ڈالن نے اس سے ملاقات کی۔ پھر مارنگ آ کر ملا۔ لیکن ہر چند کہ اس کے حالات بہت نازک تھے تاہم اس نے چینی کمیونسٹ پارٹی اور کومنتانگ کے متحدہ محاذ کی تجویز قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اسے دراصل اندیشہ یہ تھا کہ ان نئے رفقا کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہو گا۔ کمیونسٹوں کو انفرادی حیثیت میں کومنتانگ کا ممبر بنا لینے پہ وہ البتہ رضامند ہو گیا۔ اور یوں ان دو جماعتوں کے درمیان اشتراکِ عمل کی گنجائش پیدا ہو گئی۔

انٹرنیشنل کے بہت سے دوسرے فرستادوں کو یہ تجویز گراں گزری ہو تو ہو مگر مارنگ کو وہ ایسی شاق نہیں گذری اس لئے کہ وہ ایسٹ انڈیز میں کم و بیش اسی طرز کے سیاسی بلاک میں جسے داخلی بلاک کہنا چاہیئے، حصہ لے چکا تھا اور ایسٹ انڈیز وہ مقام ہے جہاں اس نے معاشرتی جمہوری تحریک کے ارتقا میں بہت کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ وہاں سوشلسٹوں نے ایک قوم پرست تنظیم کے ساتھ

بہت گھل مل کر کام کیا تھا۔ یہ تنظیم مذہبی نوعیت کی تھی اور "شرکت اسلام" کے نام سے مشہور تھی اور عین اس وقت جب اس ملاپ کے نتائج ظاہر ہونے والے تھے وہ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ خیر وہاں تو معاملہ چوپٹ ہو گیا تھا۔ مگر یہاں پھر وہی ہتھیار استعمال کرنے کا موقعہ نکل آیا تھا۔ مارنگ کو ایسا موقعہ خدا دے! اس نے جھٹ پٹ چینی کمیونسٹ پارٹی کا خصوصی ابتدائی اجلاس بلایا۔ چینی ساتھیوں کی اکثریت اس پر معترض تھی۔ لیکن اس نے ان کے اعتراضات کو رفع کیا اور اپنے فیصلہ کی رسمی توثیق حاصل کر لی۔

اس طرح چینی کمیونسٹ پارٹی چین میں "قومی انقلاب" برپا کرنے کا عزم لے کر کومنتانگ سے اشتراک کی راہ پر گامزن ہوئی۔ لگتا تھا کہ اس راہ سے فتح کی منزل بہت قریب ہے۔ لیکن اس راہ کے نصیب میں ناکامی تھی۔ پارٹی نے شکست کھائی اور اس کے شہری محاذ کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

کومنتانگ سے اشتراکِ عمل

مارنگ نے چینی کمیونسٹ پارٹی اور کومنتانگ کے درمیان اشتراک کی نرالی ہی صورت نکالی تھی۔ اب یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نرالی صورت کو سوویٹ رہنماؤں کی آشیرباد پہلے ہی سے مل گئی تھی یا نہیں، ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پالیسی کا جو لبِ لباب تھا وہ ماسکو کی فضا سے ہم آہنگ تھا۔ کم وبیش سب ہی سرکردہ بالشویک رہنما یہ سمجھتے تھے کہ بیچاری ایشیائی قومیں انقلابی صلاحیتوں سے عاری ہیں۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں جب چوتھی کومنٹرن کانفرنس ہوئی تو ایشیائی قوموں کے بارے میں اس بے اعتباری کا اظہار برملا ہوا۔ کارل راوک نے چینی کمیونسٹوں پر بہت لعنت ملامت کی کہ ان لوگوں کا مزدوروں میں ذرہ برابر اثر ورسوخ نہیں۔ راوک نے انہیں کنفوشسی ذہنیت رکھنے کا طعنہ دیا پھر تاکید کی کہ آپ حضرات یہ نکتہ گرہ میں باندھ لیں کہ چین میں فی الحال نہ تو سوشلزم کے قیام کا سوال ہے نہ کسی جمہوری طرز کی جمہوریہ کی صورت میں ملک کے متحد ہونے کی گنجائش ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ تھا کہ چینی کمیونسٹ تو جنوب میں سن یات سن کو سہارا دیں اور ماسکو والے پیکنگ میں وو پیائی فو سے اور منچوریا میں چانگ زولن سے معاملہ کر کے روس کے سفارتی مفادات کو پروان چڑھاتے رہیں۔

ویسے تو تمام چینی کمیونسٹوں پر ماسکو کے احکامات کی اطاعت واجب تھی لیکن چند لیڈر ان احکامات

کو بلا جھجک قبول کرتے تھے۔ باقی رضامندی سے قبل تھوڑی سی پس و پیش ضرور کرتے۔ چن تو شو وہ شخص تھا جس کے لئے مارکسیت ملک کو جدید قالب میں ڈھالنے کا نیا اور موثر طریق کار تھی اُسے ان احکامات کو ماننے میں بہت تامّل تھا۔ ہاں جب وپیائی فو نے ۷ فروری ۱۹۲۳ء کو ریلوے کے ہڑتالی مزدوروں کو تہس نہس کیا تب چن تو شو کو یہ یقین آیا کہ اکیلے پرولتاری، عسکریت پسندوں کی مسلح فوج سے ٹکر نہیں لے سکتے اور تب اس نے بورژواؤں کے ساتھ اشتراکِ عمل کی ضرورت کو طوعاً و کرہاً تسلیم کر لیا۔

لی تا چاؤ کو تو ایک ہی لگن تھی کہ کسی طور چین آزاد ہو اور عظمت حاصل کرے۔ اس خیال سے وہ کبھی غافل نہیں ہوا تھا۔ سو اس نے ماؤزے تنگ کی طرح سن یات سن سے اشتراکِ عمل کی پالیسی کی بڑی گرم جوشی سے حمایت کی۔ ماؤ اس پالیسی کی حمایت بھلا کیسے نہ کرتا، اس لئے کہ یہ اشتراک تو سامراج دشمن مقاصد کے تحت کیا گیا تھا اور سامراج دشمنی ماؤ کی گھٹی میں پڑی تھی۔

ماؤ کو بیماری کی حد تک اجنبیوں سے دشمنی کا الزام دینا نہ صرف بات کو بہت سہل بنانے کے مترادف ہوگا بلکہ ماؤ سے ناانصافی بھی گردانا جائے گا، لیکن یہ طے شدہ بات ہے کہ جو غیر ملکی دھاندلی سے اس کے دیس میں گھس آئے تھے اور وہاں کے باسیوں کی تذلیل کر رہے تھے وہ انھیں معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی فکر و نظر کے اس پہلو کی وضاحت ۱۹۲۴ء کے ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔ اس کا ایک پرانا سکول کا ساتھی باہر سے پڑھ لکھ کر کئی برس کے بعد واپس وطن آیا تھا۔ کہیں ایک دن اس کی مڈھ بھیڑ شنگھائی میں ماؤ سے ہوگئی۔ ماؤ نے پھٹا پرانا چینی لباس پہن رکھا تھا اور یہ شخص سوٹ بوٹ میں تھا۔ ماؤ نے تحقیر آمیز نظروں سے اس کے سوٹ بوٹ کو دیکھا اور کہا "بہتر ہوگا اگر تم اپنا لباس بدل لو۔"

"آخر کیوں؟" دوست نے پوچھا۔

"ابھی تمھیں بتاتا ہوں۔" ماؤ نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر شنگھائی کے ایک میونسپل پارک کی طرف لے گیا۔ وہاں اس نے اپنے دوست کو پارک کے دروازے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہاں دروازے پر وہ مشہور و معروف فقرہ لکھا ہوا تھا "چینیوں اور کتّوں کا داخلہ ممنوع ہے۔"

بدیسی لوگوں کے ہاتھوں ان متعدد رسوائیوں کے خلاف غم و غصّہ کا اظہار ماؤ کی ۱۹۲۳ء کی

تحریروں میں بکثرت ملتا ہے۔ اُس نے پیکنگ کی حکومت کی غلامانہ ذہنیت کی ریلائس کے طنزیہ انداز میں مذمت کی، اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس بات پر لعنت ملامت کی کہ وہ اینگلوسیکسن لوگوں سے جاپانیوں کی نسبت کم نفرت کا سلوک روا رکھتے تھے۔ اس نے بہت بیزار ہو کر یہ سوال اٹھایا کہ کیا چین والوں کو جاپان ہی سے نفرت کرنا آتا ہے؟ انگلستان سے نفرت کرنا نہیں آتا؟ کیا انھیں یہ پتہ نہیں ہے کہ جاپانی سامراجیوں سے زیادہ وحشیانہ حملہ چین پر انگریز سامراجیوں نے کیا ہے؟ اور امریکہ والوں کی تو پوچھو مت۔ ان سے زیادہ خونی جلّاد دنیا کے تختے پر کوئی نہیں۔

ماؤ کو ان مغرور بدیشی حاکموں کے خلاف تو خیر غصّہ تھا ہی اور سامراج دشمن متحدہ محاذ بھی انھیں کے خلاف قائم ہوُا تھا۔ مگر زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ماؤ نے تاجروں کو قومی انقلاب کا رہنما تسلیم کیا ہے۔ جولائی ۱۹۲۳ء میں اس نے یہ لکھا تھا:

"چین کا موجودہ سیاسی مسئلہ محض اور صرف قومی انقلاب کا مسئلہ ہے۔ فوجی لوگ غیر ملکی سامراج کے ساتھ مل گئے ہیں اور غدّاریاں کر رہے ہیں۔ اس وقت چینی عوام کا تاریخی فریضہ یہ ہے کہ وہ عوامی طاقت کو بروئے کار لائیں اور عسکریت پسندوں اور غیر ملکی سامراج کا تختہ الٹ دیں۔ تاجر۔ مزدور۔ کسان۔ طلباً۔ استاد ان سب کو میدان عمل میں آجانا چاہیئے اور انقلابی کام کی ذمہ داری قبول کر لینی چاہیئے۔ ہاں، لیکن تاریخی ضرورت اور موجودہ میلانات کی وجہ سے تاجروں کو قومی انقلاب کے سلسلے میں جو کام کرنا ہے اس کی اہمیت زیادہ ہوگئی ہے۔ باقی لوگوں کے کام کی نسبت تاجروں کا کام زیادہ اہم بھی ہے اور زیادہ لازم بھی۔"

اگر ماؤ کی شخصیت میں قوم پرستی کی طرف رجحان، اس کی سامراج کے خلاف جدّوجہد کے پہلو سے مطابقت رکھتا تھا، تو فوجیوں کے خلاف سب لوگوں کی مشترکہ جدوجہد کا خیال اس کے اس میلان کے مواقف تھا جسے "قبضۂ جمہور" کا میلان کہنا چاہیئے اور جس کا مظاہرہ ماؤ ۱۹۱۹ء میں بھی کر چکا تھا۔ اب صرف الفاظ کا فرق پڑ گیا تھا یعنی اب اس نے اس مشترکہ جدوجہد کو "عامۃ الناس کا اتحادِ عظیم" نہیں کہا بلکہ "متحدہ محاذ" کہہ دیا۔ اسی کے ساتھ اگر اس نے یہ قبول کر لیا کہ اس قسم کے محاذ کی قیادت بورژوا طبقہ کو سنبھالنی ہے تو اس رویے میں یقین اور موقعہ شناسی دونوں ہی کو دخل تھا۔ جوُن

۱۹۲۳ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی تیسری کانفرنس میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر جو منشور منظور کیا گیا اس میں یہ اعلان تھا کہ "قومی انقلاب کے معاملہ میں مرکزی حیثیت کو منتانگ کو حاصل ہونی چاہیئے۔ اور کومنتانگ ہی کو انقلاب کی قیادت سنبھالنی چاہیئے"۔ تیسری کانگریس میں یہ بھی طے ہؤا تھا کہ کمیونسٹوں کو چاہیئے کہ وہ مزدور تحریک کی زمام کومنتانگ کے ہاتھ میں دیں اور خود اس سے دستبردار ہو جائیں۔ چانگ کو تاؤ کا کہنا یہ ہے کہ اس موقعہ پہ ماؤ شروع میں تو ٹریڈ یونین کی خودمختاری کی حمایت کر رہا تھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ دوسرے نقطۂ نظر کی جیت ہو رہی ہے تو اس نے اپنی رائے اُسی نقطۂ نظر کے حق میں بدل دی۔ اس لئے کہ اُسے پارٹی میں اپنا مقام اونچا کرنے کی فکر لاحق تھی۔

خیر۔ چانگ کو تاؤ کی شہادت جانبدار ہونے کے باعث معتبر نہیں سمجھی جا سکتی۔ یہ شخص اپنے اغراض کے تحت واقعات کو توڑ مروڑنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا تھا اور ماؤ سے تو اسے ایک مستقل بَیر ہے لیکن صرف اس وجہ سے اس کی شہادت کو بالکل رَدّ بھی نہیں کر دینا چاہیئے۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی تیسری کانگریس میں ماؤ کو یہ فکر تو تھی کہ پارٹی میں اپنی حیثیت بنائی جائے اور شاید یوں بھی ہو کہ کومنتانگ کا منظورِ نظر بننے کی خاطر اُس نے اپنے مضمون میں یہ اصرار بھی کیا ہو کہ قومی انقلاب کی قیادت تاجروں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ (کیونکہ وہ ان دونوں مقاصد میں کامیاب رہا۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی تیسری کانگریس میں وہ مرکزی کمیٹی کے لئے چن لیا گیا تھا اور کانگریس کے تھوڑے ہی دنوں بعد چانگ کو تاؤ کی جگہ وہ آرگنائزیشن بیورو کا سربراہ بن گیا اور جنوری ۱۹۲۴ء میں کومنتانگ کی پہلی کانگریس میں وہ مرکزی مجلسِ عاملہ کا متبادل رکن بھی چن لیا گیا) یہ سب صحیح ہے۔ مگر ماؤ کے یہاں صرف کوئی خاص کردار ادا کرنے کی خواہش ہی کارفرما نہیں تھی۔ اس کے یہاں یہ پختہ عقیدہ بھی کام کر رہا تھا کہ مشترکہ مفادات کے تحفظ کی خاطر چینی عوام کی اکثریت کو متحد کیا جا سکتا ہے اور ضرور کیا جانا چاہیئے۔ اسے یقیناً چینی کمیونسٹ پارٹی کی کمزوری کا بھی احساس تھا۔ جس میں اس وقت لے دے کر چار سو کے قریب ممبر تھے۔

کومنتانگ کی نئے سرے سے تنظیم جو سٹالن کے فرستادہ بورو دین کی نگرانی میں ہوئی جو اکتوبر ۱۹۲۳ء میں کینٹن پہنچا تھا، کچھ متناقض مہم تھی۔ اندرونی دائرے سے اشتراکِ عمل کی اب تک ایک ہی مثال تھی جو مارنگ کی انڈونیشیا میں "شرکتِ اسلام" کی عوامی تحریک تھی جو کچھ زیادہ منظم نہیں تھی۔ اور جس

پر ایک مضبوط اور منظم اقلیت آسانی سے قبضہ کر سکتی تھی۔ کومنتانگ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ ۱۹۲۴ء سے پہلے اس کی ایسی صورت تھی کہ اسے مشکل ہی سے ایک جماعت قرار دیا جا سکتا تھا اور بوروڈین نے، جس کا مقصد کومنتانگ میں سے بہرطور ایک جماعت کھڑی کرنا تھا، بارہا اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔

اب اس کے برخلاف تجویز یہ ہوا کہ خود کومنتانگ کو ایک نہایت منظم قسم کی جماعت بنایا جائے جس کی بنیاد لینن کے جمہوری مرکزیت کے اصولوں پر ہو۔ اسی کے ساتھ سُن یات سن کے لئے سوویٹ ماہروں کی تربیت کی ہوئی ایک فوج کا بھی اہتمام کیا جانا تھا۔ اور سُن نے ۱۹۲۳ء کے ختم ہوتے ہوتے حالانکہ یہ نوٹ کر لیا تھا کہ سوویٹ یونین پر تکیہ کئے بنا چارہ نہیں، تاہم اس کی یہ خواہش ہرگز نہیں تھی کہ وہ ماسکو کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جائے۔ سوویٹ خارجہ پالیسی کے مقاصد کی روشنی میں دیکھئے تو کومنتانگ کی تنظیم کا استحکام سراسر مناسب و موزوں نظر آتا ہے۔ اس بہانے ماسکو کو ایک با اثر حامی میسّر آجاتا۔ لیکن چینی انقلاب کے مستقبل کی روشنی میں دیکھئے تو اس میں دونوں فریقین کے لئے خطرے کا سامان تھا۔ اگر کمیونسٹوں کو کومنتانگ کے وسطی اور نچلے درجوں پر اختیار حاصل ہو جاتا تو وہ پوری کومنتانگ کو اپنے اغراض کے تحت چلا سکتے تھے اور اگر کہیں انھیں اس میں ناکامی ہوتی تو ان کی بنائی ہوئی مشین خود انھیں پامال کر سکتی تھی۔

اب ماؤزے تنگ نے کومنتانگ کے ساتھ اشتراک کی تنظیم میں کچھ اتنے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا کہ خود اس کی اپنی پارٹی کے لوگ اُسے شک بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ جُون ۱۹۲۳ء میں مرکزی کمیٹی کے لئے اس کے چناؤ کے وقت سے وہ شنگھائی ہی میں رہنے لگا تھا جہاں پر کہ چینی کمیونسٹ پارٹی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ جنوری اور فروری ۱۹۲۴ء میں وہ چند دنوں کے لئے کینٹن گیا اور اپنی تیسویں سالگرہ کے چند دن بعد ہی کومنتانگ کی پہلی کانگریس میں شرکت کی۔ یہاں پورے چین کے قوم پرست رہنما جمع تھے اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس قسم کے عظیم الشان اجتماع میں اسے ایک اہم سیاسی رہنما کے طور پر چمکنے کا موقع ملا۔ اس وقت تک کمیونسٹ پارٹی کے اندر جو مقام وہ اپنے لئے پیدا کر چکا تھا اُس کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ نئی کومنتانگ پارٹی کے آئین کی پڑتال کے لئے ۱۹ اُنیس اراکین کی جو کمیٹی بنائی گئی تھی، اس کے لئے نامزد کئے گئے تین کمیونسٹ نمائندوں میں سے وہ بھی ایک تھا اور وہ متعدد بار بحث مباحثے میں مداخلت

کرتا تھا کہ سُن یات سن کے اصولوں کی خاطر کمیونسٹوں کی حمایت کی توثیق ہوتی رہے۔

یہ تو ذکر آ ہی چکا ہے کہ پہلی کانگریس میں کومنتانگ کی مرکزی مجلسِ عاملہ کے لئے متبادل رکن ماؤ کو چُنا گیا تھا۔ اس حیثیت سے وہ اپنی شنگھائی کو روانگی یعنی سات یا آٹھ فروری تک، مرکزی پارٹی کی تنظیم کے جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ اور جب شنگھائی جانے لگا تو اپنے پیچھے چار قرار دادوں کی شکل میں اپنی سیاسی فکر کا حیرت انگیز طور پر واضح اظہار چھوڑ گیا۔ ان قرار دادوں پر اُس کی عدم موجودگی میں ۹ فروری ۱۹۲۴ء کو منعقد ہونے والے جلسے میں بحث ہوئی۔

ان قرار دادوں سے یہ بالکل آشکار ہو جاتا ہے کہ ماؤ کو تنظیمی مسائل پر کتنی قدرت حاصل تھی اور ماؤ کی پوری سیاسی زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ یہ اس کا سب سے بڑا وصف رہا ہے۔ ایک طرف تو کمینٹن میں جو لوگ بزرگ بنے بیٹھے تھے وہ ان کی نقصان دہ کثرت کے خلاف بہت احتجاج کرتا ہے۔ اس نے صاف صاف کہا کہ کومنتانگ کی مرکزی اور صوبائی مجلسیں کھوکھلی تنظیمیں ہیں۔ کھری تنظیمیں وہ ہیں جو شہروں میں بڑے بیورو یا دیہات میں درمیانی سطح پر چھوٹے طبقاتی بیورو کے طور پر کام کر رہی ہیں یہی وہ تنظیمیں ہیں جو پارٹی کے ارکان کی سرگرمیوں کی سمت متعین کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اس بات پر زور دیا کہ کومنتانگ کو اپنے آدمی اور اپنا پیسہ بہت بکھیرنا نہیں چاہیئے۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ آیندہ سال میں پارٹی کے ستر فیصد وسائل تو ان آٹھ نو بڑے بڑے مرکزوں کے لئے وقف ہونے چاہئیں جہاں تحریک کو پہلے ہی سے فروغ حاصل ہے۔ باقی تیس فیصد وسائل ان گیارہ بارہ مقامات کے لئے وقف کئے جائیں جہاں تحریک کے پھلنے پھولنے کے امکانات ہیں۔ باقی ملک کو فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ جماعت کی قوت بکھرنے نہ پائے۔

ماؤ چاہتا یہ تھا کہ کومنتانگ کا سارا کاروبار ایک مرکز کے گرد اکٹھا ہو کر نہ رہے، اسے پھیلنا چاہیئے، تقسیم کار ہونی چاہیئے۔ مگر اس خواہش کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ اسے کاشت کار طبقہ سے دلچسپی تھی۔ جن مقامات پر اس نے جماعت کی مساعی کو تیز تر کرنے کی تجویز پیش کی تھی وہ سب بڑے شہر تھے۔ چانگشا تک اس فہرست میں شامل نہ تھا۔ خیر، چانگشا کو نظر انداز کرنے کی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ ماؤ یہ تاثر دینا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنے آبائی صوبے کو نواز رہا ہے۔ ماؤ کی تجویز یہ تھی کہ ۱۹۲۴ء میں بیس مقامات میں سرگرمی سے کام ہونا چاہیئے۔ قرار داد کے متن میں ان بیس میں سے صرف نو مقامات

کے نام گنائے گئے تھے۔ باقیوں کو وغیرہ وغیرہ کے ذیل میں ڈال دیا گیا۔ ماؤ نے شاید چانگشا کو بھی وغیرہ وغیرہ کے ذیل میں ڈال دیا اور اس کا نام گنانا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن ہونان کی رفتار انقلاب سے اس نے بے اعتنائی نہیں برتی تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ اپریل ۱۹۲۴ء میں اس نے اپنے دوست شیاشی کو کومنتانگ کی ایک شاخ قائم کرنے کی غرض سے چانگشا بھیجا۔ شیاشی اسی نئی عوامی سٹڈی سوسائٹی کا سابق رکن تھا جو ماؤ نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں قائم کی تھی۔

یہ قرارداد پیش کرنے کے بعد ماؤ بہت جلد شنگھائی واپس آیا۔ یہاں آکر اس نے یہ طے کیا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی میں جو اعلیٰ عہدیدار ہیں وہ کومنتانگ کی شنگھائی بیورو کے ممبر بھی ہونے چاہئیں۔ وہاں اس کے دو رفقائے کار تھے وانگ چنگ وی اور ہوہان من۔ اوّل الذکر نے پارٹی کے بائیں بازو کے رہنما کی حیثیت سے شہرت پائی۔ مؤخر الذکر دائیں بازو کا رہنما بن کر چمکا۔ اس کی آپ بیتی کے بیان کے مطابق جب سال ختم ہو رہا تھا تو وہ بیمار پڑ گیا اور آرام کی غرض سے ہونان واپس چلا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ کام کرنے کی وجہ سے وہ بیمار پڑ گیا ہو۔ لیکن اس کی بیماری کسی حد تک حکمت عملی بھی تھی چینی کمیونسٹ پارٹی میں چند ایسے لوگ بھی تھے جو یہ نہیں چاہتے تھے کہ کومنتانگ سے اشتراک پر بہت زیادہ زور دیا جائے اور خود اپنی پارٹی کی خود مختار حیثیت کو اس کے بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ ان لوگوں نے ماؤ کی سخت مخالفت کی اس کا ہونانی ساتھی لی لیزان اسے "ہوہان من کا سیکرٹری" کہہ کر اس کی تضحیک کرنے پر اتر آیا۔ ایک تو اس کے سر پر منوں کام آپڑا تھا اور اوپر سے مخالفانہ تنقید بھی ہونے لگی۔ اس دوہرے بوجھ کو ماؤ سہار نہیں سکا اور اس نے اپنے آبائی گاؤں میں پناہ لے لی۔

شاؤشان جاکر ماؤ کو پتہ چلا کہ دیہات کی فضا اب ویسی پرسکون نہیں رہی جیسی کسی زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ کاشت کاروں نے ۴ مئی کی رستاخیز میں کوئی نمایاں کام انجام نہیں دیا تھا۔ مگر اب ان لوگوں میں بیداری جنم لے رہی تھی اور سیاسی سرگرمی پھیلنے لگی تھی۔ اب تک اس بدلی ہوئی صورت حال پر چینی کمیونسٹ پارٹی سے زیادہ کومنتانگ نے توجہ کی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ کومنتانگ کی مشین میں جتے ہوئے بعض کمیونسٹ ارکان نے اس معاملہ میں اہم حصہ لیا تھا۔ اب سے بہت پہلے ۱۹۲۲ء میں پنگ پیائی نے اپنے آبائی صوبہ کوانتنگ میں ہفینگ اور لیوفنگ کے مقامات پر کاشت کاروں میں تنظیم کا کام شروع کیا تھا۔ پنگ پیائی ایک زمیندار کا بیٹا تھا۔ جو کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا تھا۔ جب

فروری ۱۹۲۴ء میں کومنتانگ نے اپنی مرکزی مجلس عاملہ میں شعبۂ مزارعین کھولا تو پنگ اس شعبہ کا پہلا سیکرٹری مقرر ہوا اور اس نے کاشت کار تحریک کے تربیتی ادارے کا اختیار سنبھالا جو جولائی ۱۹۲۴ء میں قائم ہوا تھا۔ پنگ پیائی جلد ہی کینٹن سے چلا گیا اور کوانتنگ کے کاشت کاروں میں پھر سے کام کرنے لگا لیکن دوسرے کمیونسٹ کومنتانگ کے شعبۂ مزارعین میں کام کرتے رہے۔ ہاں پارٹی کے رہنماؤں نے کاشت کاروں سے کسی طرح کی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ اگست ۱۹۲۳ء میں ہی چن تو شو یہ ثابت کر چکا تھا کہ چین چھوٹے چھوٹے زمینداروں کا ملک ہے۔" یہاں آدھے سے زیادہ کاشت کار نچلے درجے والے بورژوا زمیندار ہیں۔ نجی ملکیت کا خیال ان کی گھٹی میں پڑا ہے وہ اشتراکیت کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ اور دسمبر ۱۹۲۴ء تک اس کا نقطۂ نظر یہی رہا کہ سرمایہ دار اور سامراجی ملکوں کے معاشرتی انقلاب میں تو خیر اصل طاقت ہیں ہی پرولتاری۔ مگر سرمایہ دار سامراج کے ستم زدہ ملکوں میں بھی قومی انقلاب پرولتاری ہی لا سکتے ہیں۔ رہا کاشت کار طبقہ تو وہ پرولتاریوں کے ان مختلف حمایتیوں میں سے بس ایک ہے، جو سب کے سب سمجھوتے پر مائل رہتے ہیں۔

مگر کومنٹرن کا کاشت کاروں کی طرف رویہ حقارت کا نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس اکتوبر ۱۹۲۳ء میں کسان انٹرنیشنل کی بنیاد ڈال دی گئی تھی۔ ۱۹۲۴ء میں اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ مئی ۱۹۲۳ء میں انٹرنیشنل نے چینی کمیونسٹ پارٹی کے نام ایک ہدایت نامہ جاری کیا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ ہماری پوری پالیسی میں کسانوں کو ایک مرکزی مسئلہ کی حیثیت حاصل ہے۔ کاشت کار طبقہ کی انقلابی صلاحیتوں پر ماسکو اور چینی کمیونسٹوں میں اختلاف، ان دونوں میں دوسرے طبقوں اور جماعتوں سے اشتراک کے سوال پر طویل اور مستقل اختلاف ہی کا ایک اور اظہار تھا۔ سن یات سن کے مسئلہ ہی کو لے لیجئے چینیوں نے ماسکو کے کہنے پر سن یات سن سے اشتراک قبول تو کر لیا تھا مگر بہت سے بعد میں بھی اس سے بدظن ہی رہے۔ ان کی تشویش ایسی بے بنیاد بھی نہیں تھی۔ سن عجب سیماب صفت آدمی تھا۔ پہلے اس نے بورودین سے یہ کہا کہ کومنتانگ کی پہلی کانفرنس کے لئے ایسا منشور لکھو جس میں سامراج کے خلاف قومی انقلاب برپا کرنے کا اعلان ہو۔ پھر جب اُس نے جماعت کے قدامت پسند ممبروں کا ردِّ عمل دیکھا تو گھبرا گیا۔ بیچ بحث میں اس نے سوویٹ مشیر کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اُس دستاویز کو فراموش کر دیا جائے اور اس کی جگہ قومی حکومت کا وہ پروگرام اپنا لیا جائے جسے اُس نے خود مرتب کیا تھا۔ اس دوسری دستاویز کے بارے میں بورودین کا کہنا تھا کہ وہ تو خالی لفاظی ہے، وہی لفاظی جو ۱۹۲۴ء

سے پہلے کے کومنتانگ کی صفت تھی۔ بورودین کو سن سے گھنٹوں مغز سوزی کرنی پڑی کہ اس پر جو یکایک سنک سوار ہوئی ہے اسے جانے دے اور اس دستاویز کو منظور ہو جانے دے جو چینیوں اور سوویٹ کے باہمی اشتراک کی نظریاتی بنیاد ہے اور جس پر دونوں نے اتفاق کیا ہے۔ تب کہیں سن یات سن اس پر رضامند ہوا۔

۱۹۲۴ء کے آخری دنوں میں سن یات سن نے ایک اور گل کھلایا۔ جاپان کی حامی ٹولی یعنی "انفو" کے سربراہ تان چی جوئی نے ابھی ابھی پیکنگ میں پھر سے اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اس نے سن کو دعوت دی کہ آئیے ہم آپ سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ملک کو پرامن طریقوں سے کیسے متحد کیا جا سکتا ہے؟ سن نے یہ دعوت قبول کر لی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ سن یات سن جاتے جاتے راستے میں جاپان ٹھہرا اور وہاں اپنی تقریروں میں چین اور جاپان کی دوستی کو خوب سراہا۔ سن یات سن کی یہ چال دیکھ کر چینی کمیونسٹ پارٹی نے جنوری ۱۹۲۵ء میں ایک مقالہ چھاپا اور اس میں یہ اعلان کیا کہ سن یات سن نے عوام کا اعتماد کھو دیا ہے اور اس کی روش قومی انقلاب کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہے۔

لیکن مارچ ۱۹۲۵ء میں پیکنگ میں سن یات سن اس دنیا ہی سے کوچ کر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے خلاف سارا غصہ بھی رخصت ہو گیا۔ بعد میں اس کا نام کمیونسٹوں کے ساتھ، چین کی بہبودی کی خاطر، اشتراکِ عمل کی علامت بن گیا۔ لیکن سٹالن اور چینی کمیونسٹوں کے درمیان کشیدگی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ سٹالن نے کومنتانگ کو کبھی ٹھوس حقیقت نہ سمجھا۔ اس کی دانست میں تو بس یہ ایک ایسے اشتراک کے حصول کا وسیلہ تھا جس سے فائدے حاصل ہونے کا امکان تھا۔ مگر چینی کمیونسٹوں کو تو اس ساتھی کے ساتھ نباہ کرنا تھا۔ اور جوں جوں اس کی سیاسی اور فوجی طاقت بڑھتی تھی کمیونسٹوں کی تشویش بھی بڑھتی تھی۔

ماسکو، کومنتانگ اور چینی کمیونسٹ پارٹی، یہ گویا تعلقات کا ایک کونا تانا بانا تھا۔ اس تکون میں ۲۷-۱۹۲۵ء کے نازک برسوں میں ماؤزے تنگ مجموعی طور پر سٹالن یا چن توشو کی نسبت کومنتانگ سے زیادہ قریب رہا۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اب خود ماؤ کے لئے بھی پریشانی کا باعث ہے اور ان مؤرخین کے لئے بھی جو ان دنوں پیکنگ میں بیٹھے تاریخ مرتب کر رہے ہیں اور جنھوں نے ماؤ کی اس زمانے کی سرگرمیوں کے ریکارڈ ہی میں تحریف کر ڈالی ہے۔ سچ پوچھیے تو اس میں رسوائی کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک ایشیائی انقلابی کا معاشرتی انقلاب برائے معاشرتی انقلاب سے زیادہ

اپنے ملک کی قسمت کے بارے میں فکر مند ہونا فعلِ قبیح گردانا جائے۔ جہاں کہیں چین اور رُوس کے قومی مفادات ہم آہنگ ہوئے، ماؤ نے سٹالن سے پُورا اتفاق کیا۔ اور جہاں چین اور روس کے قومی مفادات الگ الگ ہوئے، ماؤ نے بھی الگ راستہ اختیار کیا۔ چیانگ کائی شیک نے ملک کو وحدت کے رشتہ میں پرونے کے لئے "شمالی مہم" کی تجویز پیش کی۔ سٹالن نے تو بعد میں اسے قبول کر لیا۔ ماؤ نے پہلے ہی سے اس کی حمایت شروع کر دی۔ اس لئے کہ ماؤ کی نظر میں ملکی اتحاد بہت اہمیت رکھتا تھا۔ پھر آگے چل کر اس نے ہی یہ تجویز پیش کی کہ کومنتانگ سے ناطہ توڑ دیا جائے اور کمیونسٹوں کی قیادت میں زرعی انقلاب برپا کیا جائے۔ سٹالن نے کہیں بعد میں اس قطع تعلق کو طوعاً و کرہاً قبول کیا۔ لیکن ماؤ کو اس بات سے سروکار نہیں تھا کہ روس کی سائبیریا والی سرحد کا تحفظ ہو۔ اس کی خواہش تو یہ تھی کہ کسی طرح چینی انقلاب پروان چڑھے۔

یہ اشارہ تو کیا جا چکا ہے کہ ماؤ جن دنوں شاؤشاں میں جا کر رہا، انھیں دنوں اُس پر کاشتکاروں کی انقلابی طاقت کا انکشاف ہوا۔ یہ ۱۹۲۵ء کا ذکر ہے۔ اس برس جاڑے اور بہار کے دن اس نے اسی گاؤں میں گذارے تھے۔ اُس وقت تک کومنتانگ کی کسان تحریک اچھا خاصا زور پکڑ چکی تھی۔ اسی برس فروری اور مارچ میں چیانگ کائی شیک نے جب چن چنگ منگ کے خلاف پہلی 'مشرقی مہم' شروع کی تو ہلفینگ کے کسانوں نے نہ صرف کھلے دل سے اس کی فوج کا استقبال کیا۔ بلکہ سکاؤٹ اور مزدور مہیا کر کے اس کی باقاعدہ مدد بھی کی۔ اس کسان تحریک کی خبریں ہونان پہنچ چکی تھیں، اور وہاں کسان آپ ہی آپ منظم ہونے لگے تھے۔

ہونان میں کسان تحریک ابھی اس طور جنم لے رہی تھی کہ اُدھر ۳۰ مئی والا واقعہ ہو گیا۔ اس واقعہ نے کسان تحریک کو بہت تقویت پہنچائی۔ اصل میں ۳۰ مئی ۱۹۲۵ء کا واقعہ خود چینی انقلاب کے سفر میں ایک عظیم الشان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ شنگھائی میں ۳۰ مئی کو دن ڈھلے یوں ہوا کہ کچھ مزدور اور طالب علم مظاہرہ کرنے کے لئے نکلے۔ اس مظاہرے کا سبب یہ تھا کہ ایک جاپانی فورمین نے ایک چینی مزدور کو مار ڈالا تھا۔ شنگھائی کی بین الاقوامی بندوبست کرنے والی پولیس نے ایک انگریز پولیس افسر کے حکم سے مظاہرین پر گولی چلا دی۔ دس مظاہرین ہلاک اور پندرہ زخمی ہوئے۔ اگلے روز دن ڈھلے چیمبر آف کامرس میں ایک جلسہ ہوا وہاں یہ فیصلہ ہوا کہ سب طلباء دکاندار اور سب

غیر ملکی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور عام ہڑتال کریں۔ اس کے بعد پولیس نے پھر گولی چلائی مگر اس سے ان کا عزم اور بھی پختہ ہوتا گیا۔ اور جون کے وسط تک اس تحریک نے پھیل کر کنیٹن کو بھی لپیٹ میں لے لیا وہاں بھی ۲۳ جون کو انگریز اور فرانسیسی پولیس نے ہجوم پر گولی چلائی۔ اس میں باون آدمی ہلاک ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوانگ تنگ اور ہانگ کانگ کے درمیان ساری ٹریفک کا مکمل بائیکاٹ ہوگیا۔ یہ بائیکاٹ سولہ مہینے تک رہا۔

ابھی چھ برس پہلے جاپانیوں کے خلاف ایک زبردست تحریک اٹھی تھی اور ساحلی شہروں میں تو ایک قیامت بپا ہوگئی تھی مگر کسان ٹس سے مس نہ ہوئے۔ لیکن اب وہی کسان ان ذلتوں پر جو چینیوں کو غیر ملکیوں کے ہاتھوں اٹھانا پڑ رہی تھیں تاؤ کھا رہے تھے۔ اس بڑھتے ہوئے سیاسی شعور کا اثر یہ تھا کہ کسانوں کی جماعتیں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ ماؤ نے ایڈگر سنو سے کہا۔ "پہلے مجھے یہ پوری طرح احساس ہی نہیں تھا کہ کسانوں میں طبقاتی جدوجہد کا کتنا مادہ ہے۔ لیکن ۳۰ مئی کے واقعہ کے بعد اور اس واقعہ سے پیدا ہونے والے سیاسی ہنگامے کے زمانے میں ہونان کے کسان لڑنے مرنے پر اتر آئے۔ میں اُن دنوں گھر پر آرام کر رہا تھا۔ اب آرام کو میں نے بالائے طاق رکھا اور دیہی تنظیم کی مہم شروع کر دی۔"

ایک سوویٹ افسر نے جو اس زمانے میں مشیر کی حیثیت سے چین میں کام کر رہا تھا، حال ہی میں اپنے تذکرے میں یہ لکھا ہے کہ ۱۹۲۴ء کے شروع کے زمانے میں ماؤ بورودین کے گھر آیا تاکہ ہونان جانے سے قبل اس سے مشورہ کر سکے۔ ہونان میں وہ کسانوں کی جماعتیں منظم کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں یہ جتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ چین کے انقلاب میں روس کا بہت ہاتھ تھا۔ مگر واقعات یوں رونما نہیں ہوئے جیسے بیان کئے گئے ہیں۔ ماؤ کہیں ۱۹۲۴ء کے آخری دنوں میں ہونان گیا اور اس وقت اس کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ وہاں جا کر وہ کسانوں کی جماعتیں منظم کرے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ماؤ نے بورودین کے بعض خیالات کو اپنا لیا ہو۔ کیونکہ بورودین نے ۱۹۲۵ء میں کومنتانگ کے ممبروں کو جو لیکچر دیئے تھے ان میں اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ چینی انقلاب کی کامیابی کا سارا انحصار اراضی کے مسئلہ کے حل کے لئے کسانوں کے منظم کئے جانے پر ہے۔

اس کام کی تحریک کا وسیلہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، ایک مرتبہ جب ماؤ نے اس کام میں ہاتھ ڈال دیا تو پھر

اس نے بڑی مہارت کا ثبوت دیا۔ ۱۹۲۵ء کی گرمیوں میں اس نے اس کام کا آغاز کیا تھا۔ اس وقت کے نعروں کو اس نے اس چابکدستی سے استعمال کیا کہ وہ کسانوں کے دل و دماغ میں اتر گئے۔ "فوجی بچے مردہ باد" کا نعرہ تو خیر سیدھا سچا تھا۔ ہر رنگ اور ہر قماش کی فوج نے کسانوں کو لوٹا تھا۔ یہ غریب عرصۂ دراز تک سپاہیوں کی غارت گری کا شکار رہے تھے۔ وہ کیسے اس نعرے کو نہ سمجھتے۔ ہاں "سامراجی مردہ باد" کے نعرے پر وہ تھوڑا ضرور چکرائے۔ سامراجی کو چینی زبان میں جو کچھ بھی کہتے ہوں بہر حال وہ لفظ ان کے لئے نیا تھا۔ سو اس کا ان پر زیادہ اثر نہیں ہوا۔ ماؤ نے اس نعرے کو یوں بدلا "بدیشی امیر مردہ باد" اور یوں یہ نعرہ زیادہ واضح اور با معنی بن گیا۔

ماؤ کی اس سرگرمی کا پتہ رفتہ رفتہ اس کے پرانے واقف کار چاؤ ہنگتیائی کو چلا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ماؤ کو ایک دفعہ پھر کنیٹن بھاگنا پڑا۔ کم و بیش ایک سال تک غائب رہنے کے بعد اب وہ پھر وہاں شاید اکتوبر یا نومبر میں پہنچا تھا۔

کنیٹن میں ماؤ نے دیکھا کہ صورتِ حال بہت سنگین اور پیچیدہ ہو گئی ہے۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی چوتھی کانگریس جنوری ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی۔ وہ تو بیماری کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہو سکا اُدھر کومنتانگ کے بارے میں پالیسی تبدیل ہو چکی تھی۔ اس اجلاس میں کومنتانگ سے تعلقات کے سلسلہ میں جو نہج اختیار کی گئی وہ کسی قدر گروہی اور طبقاتی تھی سن یات سن نے اپنے مرنے سے تھوڑے دن پہلے سے جو روش اختیار کی تھی، اور جس سے شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے تھے، یہ نہج انھیں شکوک و شبہات کا نتیجہ تھی۔ ۳۰ مئی کے واقعہ کا اثر یہ ضرور ہوا تھا کہ چین کے تمام معاشرتی گروہوں اور سیاسی جماعتوں کے درمیان ہنگامی طور پر تعلقات بہتر ہو گئے تھے۔ وہ اپنے آپس کے اختلافات ختم کر کے غیر ملکیوں کے مظالم کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے، لیکن آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ افتراق اور زیادہ ہو گیا۔ غیر ملکیوں کے کارخانے ہڑتالوں کی وجہ سے بند ہو گئے تھے۔ ان ہڑتالوں کی پشت پناہی وہ چینی کارخانہ دار بھی کر رہے تھے جن کا غیر ملکی کارخانہ داروں سے مقابلہ تھا چینی تاجروں اور صنعت کاروں نے اس فنڈ میں بھی بڑھ چڑھ کر چندہ دیا جو ہڑتالیوں اور ان کے خاندانوں کی امداد کے لئے کھولا گیا تھا۔ غیر ملکی کارخانہ داروں نے ایسے جتن کئے کہ چینی کارخانہ داروں کو بھی اپنے کارخانے بند کر دینے پڑے۔ اس وقت چینی سرمایہ داروں کو یہ احساس ہوا کہ ایک تو کارخانے بند ہو جانے کے سبب آمدن کے سب وسیلے ختم ہو چکے تھے، اوپر سے انھیں ہرجانہ ادا

کرنا پڑ رہا تھا۔ اور پھر یوں بھی تھا کہ ایک طرف تو غیر ملکی کارخانہ داروں اور مختلف طاقتوں کے ڈپلومیٹک اور فوجی نمائندوں سے سخت مقابلہ کی بنا پہ انھیں تشویش لاحق تھی اور دوسری طرف ٹریڈ یونینوں اور کمیونسٹ پارٹی کا اثر دن دونا رات چوگنا بڑھ رہا تھا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۲۵ء کی گرمیوں اور خزاں کے دنوں میں کومنتانگ کے اندر ایک نئے 'دائیں بازو' کے گروپ نے جنم لیا جو کمیونسٹوں کی افتراق انگیز سرگرمیوں کے خلاف تھا اور جس نے یہ تجویز پیش کی کہ کمیونسٹوں کو کومنتانگ سے نکال دیا جائے۔ اور اس کے بعد دونوں جماعتیں کسی قدر لچکدار اور اندیشوں سے خالی اشتراک کی کوئی صورت وضع کریں۔ اگست ۱۹۲۵ء میں کومنتانگ کے بائیں بازو کے سب سے زبردست رہنما لیاؤ چنگ کیائی کو قتل کر دیا گیا اور نئے دائیں بازو کا ایک رہنما ہوہان سن اتنا مشکوک قرار پایا کہ اسے ماسکو بھیجنا ضروری ہو گیا۔ اب صورتِ حال اس قدر سنگین ہو چکی تھی کہ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں جب چینی کمیونسٹ پارٹی کا جلسہ ہوا تو چن تو شیو نے تجویز پیش کی (جس کے بارے میں اُس نے بعد میں اقرار بھی کر لیا تھا) کہ کمیونسٹ کومنتانگ سے نکل آئیں۔ لیکن انٹرنیشنل کے نمائندوں نے اس کی بات چلنے نہیں دی۔ ایک بات بہر حال طے ہے کہ اس جلسہ میں کومنتانگ کے بارے میں بہت مخالفانہ رویّہ اختیار کیا گیا تھا۔

ماؤ زے تنگ کنٹین کو واپسی پر اس ساری کشیدگی سے زیادہ پریشان نہیں لگتا تھا۔ اس کے برخلاف یہی وہ وقت تھا جب اس نے کومنتانگ کے حلقہ میں کارِ نمایاں انجام دینا شروع کیا۔ اس کا رویّہ عین سٹالن کے اندازِ نظر کا آئینہ دار تھا۔ چن تو شیو اور دوسرے رہنما تو چیانگ کائی شیک اور کومنتانگ میں ابھرتے ہوئے رجحانات پر شک کرتے تھے اور اُن کے بہت خلاف تھے، مگر سٹالن ان حضرات سے مطلق اتفاق نہیں رکھتا تھا۔ ماؤ کو دراصل ایک مناسب اور موزوں بنا بنایا ڈھانچہ درکار تھا جس کے توسّط سے وہ کاشتکاروں کی انقلابی صلاحیتوں کے بارے میں اپنے نئے خیالات کو جامۂ عمل پہنا سکتا۔ صورت اب تک وہی تھی کہ چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی تو کسانوں کو گردانتی نہیں تھی مگر کومنتانگ ان پہ خاص توجہ دے رہی تھی۔

کسان تحریک کے تربیتی ادارہ نے جو ۱۹۲۴ء میں قائم ہوا تھا۔ ماؤ کو وہ موقع فراہم کیا جس کے ذریعے زرعی انقلاب کا رُخ متعین کیا جا سکتا تھا۔ جب یکم اکتوبر ۱۹۲۵ء کو اس ادارے نے اپنا پانچواں سیشن شروع کیا تو ہونان کے طلبا کی تعداد اچانک بہت زیادہ ہو گئی۔ یوں سمجھیے کہ وہ یہاں کم و بیش چالیس فیصد کی تعداد میں تھے۔

ان میں بہت سے وہ کمیونسٹ تھے جنھیں ہونان کی صوبائی پارٹی نے بھرتی کیا تھا اور شاید اس کام میں ماؤ کا بھی ہاتھ تھا۔ اس گمان کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ خود اس کا بھائی ماؤ زے من بھی جسے آگے چل کر سیاسی کاموں میں بھائی کا دست راست بننا تھا، انہیں طلباء میں شامل تھا۔ ماؤ شاید اِس سیشن کا انچارج تو نہ تھا لیکن اس نے کچھ لیکچر تو ضرور دیئے ہوں گے۔ بہرحال اس میں اس نے بہت دلچسپی دکھائی۔ اور جب اگلی مئی میں چھٹا سیشن شروع ہُوا تو اس نے صدر کے فرائض انجام دیئے۔ لیکن اس دوران میں کچھ فیصلہ کن واقعات رونما ہو چکے تھے جن کی وجہ سے ماسکو، چیانگ کائی شیک اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے تکونی رشتہ میں خلل پڑ گیا تھا۔

اس پیچ در پیچ ڈرامہ کا پہلا ایکٹ کومنتانگ کی دوسری کانفرنس نے فراہم کیا۔ یہ کانفرنس جنوری ۱۹۲۶ء میں ہوئی تھی۔ کسان تحریک میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ ماؤ نے کنیٹن واپس آکر کومنتانگ مرکزی مجلس عاملہ کے ترویج و اشاعت کے شعبہ کی بھی ذمہ داری سنبھال لی۔ شروع میں اس کا عہدہ سیکرٹری کا تھا۔ پھر اس کی حیثیت ڈپٹی چیف کی ہوگئی۔ وانگ چنگ وی چیف تھا۔ مگر برائے نام —— وہ حکومت کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے بہت مصروف رہتا تھا اور درحقیقت ماؤ ہی اس محکمہ کو چلا رہا تھا۔ پس اسی نے دوسری کانفرنس میں پروپگینڈے کے موضوع پر رپورٹ پیش کی۔

اس کانفرنس میں پروپگینڈے کے بارے میں ایک قرارداد منظور ہوئی۔ ماؤ نے رپورٹ میں جو خیالات پیش کئے تھے ان کا خلاصہ اس قرارداد میں آ گیا تھا۔ اس قرارداد میں ایک یہ بیان بھی درج ہے:۔

> "ایک جماعت کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا کوئی مرکز ثقل ہو۔ کومنتانگ کا مرکز ثقل ستم زدہ کسانوں کی خلقت کے درمیان پوشیدہ ہے پروپگنڈا ڈیپارٹمنٹ کو چاہیئے کہ پارٹی کے اراکین کو اس نکتہ کی طرف برابر توجہ دلاتا رہے اور انھیں اس مرکز ثقل پر زیادہ بھروسہ کرنے کی ہدایت کرے۔"

اس سے انکار نہیں کہ اس وقت ماؤ کسانوں کے مسئلہ میں بہت دلچسپی لے رہا تھا لیکن کانگریس کی مختلف بحثوں میں جو اس نے بار بار دخل دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظم و ضبط کے مسائل بھی اس کا درد سر بنے ہوئے تھے اور یہ وہ مسائل تھے جو اگلے چند مہینوں میں ہونے والی ترقی کی بنیاد بنے کانفرنس کو اس سلسلہ میں سب سے سنگین مسئلہ یہ درپیش تھا کہ مغربی پہاڑیوں کے نام نہاد گروہ سے کیسے نبٹا جائے اس

گروہ والوں نے نومبر کے اواخر اور دسمبر کے آغاز میں پیکنگ کے مغربی پہاڑی ضلع میں سن یات سن کے مزار کے سامنے جلسہ کیا تھا اور یہ قرارداد منظور کی تھی کہ کمیونسٹوں کو کومنتانگ سے نکال باہر کیا جائے۔ ماؤ نے سفارش یہ کی کہ ان لوگوں کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ وہ کہتا تھا کہ دائیں بازو والوں کو محض اس جلسہ کی بنا پہ سزا نہیں ملنی چاہیئے ہاں اگر وہ اس کے بعد ضابطہ کے خلاف کوئی کام کریں تو پھر ان کے خلاف کارروائی کرنی چاہیئے۔ اس نے ایک اور قرارداد میں ترمیم بھی پیش کی۔ ضابطہ کے خلاف ورزی کرنے والوں میں جو تین سب سے بڑے مجرم تھے ان کے بارے میں یہ قرارداد پیش ہوئی تھی کہ انھیں اپنے افعال و اعمال میں اصلاح کی مہلت دی جائے۔ دلیل یہ پیش کی گئی کہ "ہمیں ہنوز یہ امید ہے کہ وہ دوبارہ انقلاب کی راہ پر گامزن ہوں گے"۔ ماؤ نے اس قرارداد میں یہ ترمیم پیش کی کہ مہلت کی مدت دوگنی کر دی جائے۔ یہ قرارداد اس ترمیم کے ساتھ منظور ہو گئی۔

ماؤ خواہ اپنے نجی نقطۂ نظر کا اظہار کر رہا ہو خواہ چینی کمیونسٹ پارٹی کے ایک اچھے خاصے گروہ کی نمائندگی کر رہا ہو، بہرحال اس معاملہ میں اس کی مداخلت بہت اہمیت رکھتی ہے اور اُس کی فطرت کے مطابق بھی ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں جن کی یہاں مخالفت ہو رہی تھی ماؤ کا خیال یہ تھا کہ وہ قدامت پسند ضرور ہیں مگر چین کی آزادی اور اتحاد کی جدوجہد میں دل و جان سے شریک ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ بھائی چارے پر اصرار کر کے گویا اس نے صاف ظاہر کر دیا کہ وہ معاشرتی انقلاب پر قومی انقلاب کو مقدم جانتا ہے۔ کم از کم اس وقت اس کا نقطۂ نظر یہی تھا۔

جماعتی امور کی قرارداد پر جو بحث ہوئی وہ بھی بہت اہمیت کی حامل تھی۔ اس بحث میں چیانگ کائی شیک کے واہوا ملٹری اکیڈیمی سے متعلق ایک ساتھی نے ایک سہ نکاتی پروگرام کی تجویز پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ کومنتانگ میں کمیونسٹوں کی طرف سے جو شکوک و شبہات ہیں وہ رفع ہو جائیں۔ اس پروگرام کے مطابق جو کمیونسٹ کومنتانگ میں شامل تھے، انھیں یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ وہ چینی کمیونسٹ پارٹی کے رکن ہیں۔ کومنتانگ میں ان کی سرگرمی بالکل عیاں ہونی چاہیئے اور کومنتانگ کا کوئی رکن کومنتانگ کی مقامی تنظیم کی اجازت کے بغیر کمیونسٹ پارٹی میں شامل نہ ہو۔ کمیونسٹوں کی طرف سے اس کا جواب پہلے چانگ کوتاؤ نے اور پھر ماؤزے تنگ نے دیا اور کم از کم اس مرتبہ ان دونوں حضرات کا موقف ایک ہی تھا۔ انہوں نے کہا کہ نظری اعتبار سے یہ خیالات بڑے شاندار ہیں لیکن چین کے موجودہ حالات میں اپنے کمیونسٹ ہونے کا اعلان

کرنا گرفتاری اور پھانسی کو دعوت دینا ہے ۔ اور ماؤ نے کہا کہ انقلابی طاقتوں کے ایک حصّے کو ایسے خطرے مول لینے پر مجبور کرنے سے مستقبل میں قومی انقلاب کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ۔

کانفرنس نے بالآخر وہ مصالحتی تجویز منظور کر لی جو چنگ کنگ پو نے پیش کی تھی ۔ تجویز یہ تھی کہ دونوں جماعتوں کی مجالسِ عاملہ کا ایک جلسہ ہو ۔ اس میں ایسے طریقے سوچے جائیں جن سے کمیونسٹوں کو یہ اطمینان حاصل ہو کہ انھیں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کا حق حاصل ہے ماؤ چونکہ چوتھی کانگریس میں شریک نہیں ہو سکا تھا اس لئے چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی سے اس کی رکنیت ختم ہو گئی تھی ، لیکن اب وہ پھر کومنتانگ کی مرکزی مجلس عاملہ کا متبادل رکن چن لیا گیا ۔ وانگ چنگ وی ، تان ینکیائی ، ہونان من اور چیانگ کائی شیک ان چاروں حضرات کو کل ملا کر ۲۴۸ ووٹ ملے اور اکیلے ماؤ نے ۱۷۳ ووٹ حاصل کر لئے ۔ لی تا چاؤ کو ۱۹۲ ووٹ ملے ۔ اس کانفرنس کے کچھ عرصہ بعد وہ کومنتانگ کے نئے اخبار " سیاسی ہفت روزہ " کا ایڈیٹر مقرر ہو گیا ۔ یہ پرچہ مارچ کے آغاز سے نکلنا شروع ہوا ۔

چیانگ کائی شیک اور ماسکو کے درمیان جو زور آزمائی جاری تھی ، اس میں نمایاں اہمیت حالاں کہ کومنتانگ کے سربرآوردہ اداروں میں کمیونسٹوں کے اثر و رسوخ کے مسئلہ کی تھی ، لیکن سب سے اہم مسئلہ " شمالی مہم " کا تھا ۔ اپنے آخری دنوں میں سن یات سن کی بڑی حسرت تھی کہ کسی طور فوج کشی کر کے پیکنگ کے فوجی حاکموں کا تختہ اُلٹ دے اور ایک مستحکم اور متحد قومی حکومت قائم کرے ۔ اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ایسی فوج جو اس کام کو انجام دے سکے رُوس کی امداد ہی سے تیار کی جا سکتی ہے ۔ اس لئے اس نے رُوسی امداد بھی منظور کر لی ۔ اب ذاتی عزائم کے علاوہ چیانگ کائی شیک کو ملک کے مستقبل کی فکر نے بھی سن کی آرزوؤں کو پروان چڑھانے پر اُکسایا ۔

رُوس کا نقطۂ نظر بالکل مختلف تھا ۔ مارچ ۱۹۲۶ء میں عین اس موقعہ پر جب چیانگ کائی شیک اور ماسکو کے درمیان زور آزمائی فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی ، سوویٹ کمیونسٹ پارٹی کی پولٹ بیورو کا ماسکو میں جلسہ ہوا ۔ اس جلسہ میں مشرقِ بعید کی پالیسی سے متعلق وہ رپورٹ پیش ہو رہی تھی جسے ٹراٹسکی کی صدارت میں ایک خصوصی کمیشن نے تیار کیا تھا ۔ " انقلاب پیہم " کے اس حواری کی نگرانی میں ایک دستاویز مرتب ہوئی تھی جس میں خصوصی طور پر صرف سیاسی جوڑ توڑ کے امکانات سے بحث تھی ۔ چینی مشرقی ریلوے میں حال ہی میں جو واقعات گذرے تھے اس سے ماسکو والوں کو تشویش لاحق ہو گئی تھی ۔ سوویٹ والوں نے یہ سوچا کہ منچوریا

میں جاپانیوں کے حامی چانگ زولن کے اختیار کو تسلیم کر کے اپنا تحفظ کر لیا جائے۔ گویا چین کے قومی مفادات کو قربان کر کے یہ سودا کیا جا رہا تھا۔ پھر انہوں نے یہ بھی سوچا کہ وسطی چین میں ویپائی فو سے دوبارہ تعلقات استوار کئے جائیں، حالانکہ اس نے ابھی تین سال پہلے ریلوے کے مزدوروں کا خون بہایا تھا۔ رہا کینٹن کی انقلابی حکومت کا معاملہ تو طے یہ ہوا کہ پیرس میں مقیم سوویٹ سفیر رکوفسکی سے کہا جائے کہ وہ اسے تسلیم کرانے کے امکانات کا جائزہ لے کر حکومت کو آگاہ کرے تاکہ اس صورت چانگ زولن کی حکومت کو تسلیم کر لینے کی تلافی ہو جائے۔ رپورٹ میں جہاں کینٹن پر بحث تھی وہاں خود سٹالن کی تجویز پر مندرجہ ذیل شق شامل کی گئی:۔

"کینٹن کی حکومت کو چاہیئے کہ اس وقت جارحانہ قسم کی فوج کشی کا خیال حتمی طور پر ختم کر دے اور یوں بھی کوئی ایسی کارروائی نہ کرے جس سے سامراجیوں کو فوجی اقدام کی شہ ملے"۔

یہ سوچ بچار ۲۵ مارچ کو ہوئی۔ مگر ادھر پانچ روز قبل یعنی ۲۰ مارچ کو چیانگ کائی شیک فوجی انقلاب بپا کر چکا تھا جس کی خبر ابھی تک ماسکو نہیں پہنچی تھی۔ چیانگ نے فوج کے سیاسی افسران محکمہ میں سے کمیونسٹوں کو گرفتار کر لیا اور سوویٹ مشیروں کو ان کی قیام گاہوں میں نظر بند کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ماؤ، چیانگ کے اس فعل کو تو پسند نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن چیانگ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ اس طرح ماسکو پر دباؤ ڈال کر اس سے "شمالی مہم" کے لئے امداد حاصل کی جائے، جس سے ماؤ کو پورا پورا اتفاق تھا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۶ء کو یعنی چیانگ کے فوجی انقلاب کے دس دن بعد ماؤ نے کسان تحریک کی کومنتانگ کمیٹی جس کا وہ رکن تھا، کے ایک جلسہ میں شرکت کی۔ یہاں اس نے ایک تحریک پیش کی جس کا خلاصہ جلسہ کی کارروائی میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

"جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیاست اور عوام الناس کی تحریک کے درمیان گہرا ربط ہے اور اس بات کے پیشِ نظر کہ بہت سے صوبوں میں کسان تحریک زوروں پر ہے، ہمیں صوبوں میں کسان تحریک کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے .... جو مستقبل میں "شمالی مہم" کی تحریک میں مدغم ہو جائے گی"۔

اس موقعہ پر ماؤ کی روش دو وجوہ سے داد کی مستحق ہے۔ ایک تو اس سے شمالی مہم کے اثرات کے بارے میں اُس کی بصیرت ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ بالآخر "شمالی مہم" نے کسان تحریک کو تیز سے تیز تر کر دیا تھا۔

دوسرے اس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ ماسکو کا تابع نہیں تھا۔ جبکہ اُسی دن ماسکو کی طرف سے کینٹن والوں کو اس قسم کے اقدام سے باز رہنے کی تنبیہہ کی گئی تھی اس لئے جب چیانگ نے دو تین فوجی مشیروں کے علاوہ جنھیں وہ خاص طور پر ناپسند کرتا تھا باقی سب کو بحال کر دیا، اور کومنتانگ کے بائیں بازو کے خلاف بھی علامتی کارروائی کر کے سوویت سے صلح کر لی تو ماؤ نے اس کے ساتھ مل کر پھر کام کرنا شروع کر دیا۔ تعجب کی بات یہ نہیں کہ ماؤ چیانگ کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مئی ۱۹۲۶ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۲۶ء تک کے پورے زمانے میں ماؤ کسان تحریک کے تربیتی ادارے کے پرنسپل کے اہم عہدہ پر فائز رہا۔ چیانگ نے ماسکو سے تعلقات بحال کرنے اور "شمالی مہم" کے لئے سٹالن کی حمایت حاصل کرنے کی کچھ قیمت یوں ادا کی تھی کہ اُسے کومنتانگ کی از سرِ نو تنظیم کرنی پڑی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ جماعت میں کمیونسٹوں کے اثر و نفوذ کی حد بندی کر دی جائے۔ یہ طے پایا کہ کسی سربرآوردہ ادارہ کے عملہ میں کمیونسٹوں کی تعداد بس ایک تہائی کی حد تک ہو سکتی ہے اور یہ پابندی لگا دی گئی کہ کوئی کمیونسٹ چوٹی کا کوئی عہدہ نہیں سنبھال سکتا۔ مثلاً یہ کہ وہ کسی محکمہ کا ڈائریکٹر نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تان تنگشان کو تنظیمی محکمہ کی اور لِن زوہان کو محکمہ کاشت کاراں کی سربراہی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ خود ماؤ پروپگنڈا ڈیپارٹمنٹ کے نائب سربراہ کے عہدے سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ لیکن تربیتی ادارے کا انچارج وہ بدستور بنا رہا۔ اسے آپ موقعہ شناسی کہہ لیں یا یہ کہہ لیں کہ اس کا بڑا سبب ماؤ اور چیانگ کے درمیان قوم پرستی کا رشتہ تھا۔ بہرحال یہ واقعہ اپنی جگہ پر ہے۔

ویسے یہ صحیح ہے کہ کسان تحریک کے تربیتی ادارے میں ماؤ کی جو سرگرمیاں تھیں ان سے چیانگ اور کومنتانگ کو کوئی فیض نہیں پہنچا۔ ماؤ نے جن نوجوانوں کو دیہاتوں میں شورش پھیلانے کی تربیت دی انھوں نے چینی کمیونسٹ پارٹی ہی کو تقویت پہنچائی ان کے ذریعے سے پارٹی نے خالص بنیادی عوامی سطح پر جاری انقلابی عمل کو اپنے قابو میں لے لیا۔ ۱۹۲۷ء میں جب ماؤ نے چیانگ سے رشتہ توڑا اور پہاڑوں میں جا کر اپنے چھوٹے سے چھاپہ مار دستہ کی صف آرائی کی تو ان میں سے بہت سے نوجوانوں نے اُس کا ہی ساتھ دیا۔ لیکن کیا ماؤ کو اس انجام کا علم تھا؟ ایک شخص کا دعوٰی تو یہی ہے چانگشا کے زمانہ سے اس شخص کی ماؤ سے گہری واقفیت چلی آتی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ ماؤ نے ۱۹۲۶ء کے موسم بہار میں مجھ سے یہ ذکر کیا تھا کہ چیانگ کائی شیک سے تعلقات رکھنے میں دِقّت یہ پیش آتی

ہے کہ کمیونسٹوں کی حیثیت کمزور ہوتی جاتی ہے۔ اس کمزوری کا علاج ماؤ نے سوچ رکھا تھا۔ یہ علاج کیا تھا؟ ماؤ کی باتوں سے کچھ اندازہ یہ ہُوا کہ کسان تحریک کے تربیتی ادارے میں ایسے جوان تیار کئے جائیں گے جو آگے چل کر چھاپہ مار جنگ لڑ سکیں ویسے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ مارچ کے فوجی انقلاب کے بعد ماؤ چیانگ کے ارادوں پہ پوری طرح بھروسہ تو نہیں کر سکتا تھا۔ تو ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ اس نے یہ سوچا ہو کہ دیہاتی علاقہ میں چینی کمیونسٹ پارٹی کا اپنا ایک الگ طاقت کا اڈّہ قائم کرنا چاہیئے جو چیانگ کی فوجی طاقت کا توڑ بن سکے لیکن یہ بات بھی قرینِ قیاس نظر آتی ہے کہ ۱۹۲۶ء کی گرمیوں میں وہ ہنوز یہ توقع رکھتا تھا کہ اشتراکِ عمل کا سلسلہ ابھی کافی مدت تک چلے گا اور یہ اشتراکِ عمل چیانگ کائی شیک کے ساتھ نہیں تو کومنتانگ کے دوسرے عناصر کے ساتھ جاری رہے گا۔

کسان تحریک کے تربیتی ادارے کا چھٹا سیشن ۳ مئی ۱۹۲۶ء سے ۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء تک جاری رہا۔ اس سیشن کا نصاب مجموعی طور پر وہی تھا جو پچھلے سیشنوں میں مروّج رہا تھا۔ اپنے پیشرؤں کی طرح ماؤ بھی فوجی تربیت پر بہت زیادہ زور دیتا رہا کل ۳۸۰ گھنٹوں میں سے ۱۲۸ گھنٹے اس تربیت کے لئے وقف تھے۔ فوجی تربیت پر یہ اصرار کچھ وقت کا بھی تقاضہ تھا اور کچھ ماؤ کی افتادِ طبع کا بھی نتیجہ تھا۔ اپنے دوسرے فرائض کے علاوہ وہ چین میں کسانوں کے مسئلہ اور دیہات میں درس و تدریس کے طریقوں پر لیکچر بھی دیتا تھا۔ اوّل الذکر کے لئے تیئس گھنٹے اور مؤخر الذکر کے لئے نو گھنٹے مقرر تھے۔ اس نے ایک خاص پروگرام پہلی مرتبہ یہاں جاری کیا جو یہ تھا کہ طلبا اپنے طور پر کتابیں اور مقالے پڑھیں۔ پھر سوالوں کے جواب لکھ کر پیش کریں۔ ماؤ اس پروگرام میں خود بھی حصہ لیتا تھا۔ چنانچہ تحریری جوابات کی اصلاح دوسرے استادوں کے ساتھ خود ماؤ بھی کیا کرتا تھا۔

کسان تحریک کے تربیتی ادارے کا چھٹا سیشن کم و بیش دوسری نیشنل لیبر کانگریس اور دوسری صوبائی کسان کانگریس کے ساتھ ساتھ شروع ہوا۔ یہ اجلاس یکم مئی کو شروع ہوئے تھے۔ ۲ مئی کو چیانگ کائی شیک نے ان دونوں کانگرسوں کے مشترکہ جلسہ میں ایک رپورٹ پیش کی جس کا عنوان تھا "مزدوروں کسانوں اور سپاہیوں کا عظیم اتحاد" اُس امداد کی یاد تازہ کرتے ہوئے جو ۱۹۲۵ء کی "مشرقی مہم" کے زمانے میں ننگ پیائی کے کسانوں نے اس کی فوج کو مہیّا کی تھی، اُس نے یہ کہا کہ "انقلاب کے وقت مسلّح مزدور اور کسان فوج سے زیادہ اہم فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اس کے تین دن بعد لیو شاؤ چی نے یہ اعلان کیا کہ مزدوروں کو چاہیئے کہ وہ کسانوں کا ہاتھ پکڑیں اور ان کی رہنمائی کریں۔ مگر اس اجلاس میں جو کسان موجود تھے وہ لیو شاؤ چی کی بجائے چیانگ کائی شیک کی

بات سے زیادہ متاثر ہوئے۔

لیو کا یہ موقف چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے موقف کے عین مطابق تھا اور اس موقف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعض معاملات میں ماؤ اپنی جماعت کی نسبت کومنتانگ میں کیوں زیادہ مطمئن تھا! البتہ کومنتانگ میں کچھ ایسے کمیونسٹ تھے جو کسانوں پر اعتماد کے سوال پر اس کے ہم خیال تھے۔ ان کے ساتھ ماؤ کا اشتراکِ عمل تھا۔ زائی ہوہین کے برادر نسبتی لی فوچن نے جو کومنتانگ کے سیاسی تربیتی ادارے کا سربراہ تھا ماؤ کو دعوت دی کہ وہ اس کے طلبا کو کسانوں کے مسئلے پر ایک لیکچر دے۔ ستمبر میں ماؤ کسان تحریک کے تربیتی ادارے کے سب طلبا کو ہمراہ لے کر ہائیفنگ کے دو ہفتہ کے دورے پر نکل گیا۔ یہاں پنگ پائی نے ان طلبا کو لیکچر دیئے اور عملی طور پر زرعی انقلاب کا نقشہ کھینچ کر دکھایا۔

ہر چند کہ ماؤ کومنتانگ کے ساتھ مستقل گھلا ملا رہا تاہم چینی کمیونسٹ پارٹی کی عنایات سے بھی محروم نہ رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب گرمیوں میں چن تو شو اور اس کے رفقائے کار نے چیانگ کی "تنظیمِ نو" کے خلاف ردِّ عمل کا اظہار کیا تو ماؤ کو جماعت کے اندر ایک نیا فریضہ ادا کرنے کا موقعہ ملا۔ جولائی ۱۹۲۶ء والے دوسرے اجتماع میں ایک قرارداد ایسی منظور ہوئی جس میں "داخلی بلاک" یا دوہری رکنیت کے اصول کو ترک کئے بغیر دونوں پارٹیوں کے کے درمیان آزادانہ تعلقات قائم رکھنے کی تجویز تھی۔ اس پالیسی کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی خود کسانوں میں زیادہ کام کرے (اب تک تو کسانوں کو نچلے درجے کے بورژوا جان کر کومنتانگ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تھا) چنانچہ چینی کمیونسٹ پارٹی کی نگرانی میں ایک محکمہ مزارعین قائم ہوا ماؤ کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا، لیکن کومنتانگ سے علیحدگی کی قرارداد کو ماسکو نے منسوخ کر دیا۔ کیونکہ سٹالن کی پالیسی کی بنیاد ابھی تک یہی تھی کہ چیانگ کائی شیک پر تکیہ کیا جائے۔ یہ بات البتہ واضح نہیں ہے کہ آیا چینی کمیونسٹ پارٹی کے محکمۂ مزارعین کا واقعی کوئی وجود تھا یا نہیں، ہر چند کہ کاغذوں میں اس کا ذکر ضرور آچکا تھا۔ بہر صورت ماؤ نے جولائی ۱۹۲۷ء تک کسانوں میں رہ کر جو اہم کام کیا وہ سب کا سب کومنتانگ کے سائے میں کیا۔

۱۹۲۶ء کی گرمیوں میں ادھر ماؤ کنیٹن میں اپنے کسان رضاکاروں کو تربیت دے رہا تھا۔ ادھر چیانگ کائی شیک کی شمالی مہم فتح وکامرانی کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اگست تک ہونان پر انقلابی فوج کا پورا قبضہ ہو چکا تھا اور چیانگ نے چانگشا میں یہ اعلان کیا :۔

"سامراج کا تختہ اُلٹنے کے بعد ہی چین کو آزادی مل سکتی ہے موجودہ عالمی انقلاب کی نمائندگی

تیسری انٹرنیشنل کر رہی ہے اسے انقلاب کا عمومی عملہ کہنا چاہیئے ...... اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا انقلاب کامیاب ہو تو ہمیں روس کے ساتھ مل کر سامراج کا تختہ الٹنا چاہیئے ..... اگر روس چینی انقلاب کی امداد کرتا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ چین کو اشتراکیت قبول کرنے پر مجبور کرے گا؟ نہیں، وہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ ہم قومی انقلاب بپا کریں۔ اور اگر کمیونسٹ کومنتانگ میں شامل ہوتے ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ اشتراکیت پھیلانا چاہتے ہیں؟ نہیں وہ ایسا نہیں چاہتے! وہ تو صرف "تین جمہوری اصولوں" کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جو کمیونسٹ ہماری جماعت میں شامل ہوئے ہیں وہ اس وقت اشتراکیت پھیلانا نہیں چاہتے بلکہ قومی انقلاب بپا کرنا چاہتے ہیں ..... چینی انقلاب عالمی انقلاب ہی کی ایک کڑی ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ عالمی انقلاب کے علمبردار سامراج کا تختہ الٹنے کے لئے متحد ہو جائیں۔"

یہ جان لینا زیادہ مشکل نہیں کہ ماؤ جیسا کمیونسٹ جس نے شمالی مہم کی حمایت کر کے یہ جتا دیا تھا کہ اُس نے قومی انقلاب کے نام پر بیعت کی تھی، اپنے دوسرے ساتھیوں کی نسبت، چیانگ کے الفاظ کا زیادہ گرویدہ کیوں ہو گیا تھا۔ یہ اتفاق بھی ملاحظہ ہو کہ چیانگ کے یہ الفاظ ماؤ کے اس مقالہ کی زبان سے بہت ملتے جلتے ہیں جو فروری ۱۹۲۶ء میں لکھا گیا تھا اور جو ماؤ کی "منتخب تصانیف" میں سرِ فہرست ہے۔ ماؤ نے بھی اس مسئلہ سے بحث کی تھی کہ کومنتانگ کو قومی انقلاب کی قیادت کس طور پر کرنی چاہیئے اور اگر وہ تیسری انٹرنیشنل اور انقلاب کُش طاقتوں کے دو "بلند و بالا پرچموں" کی مخالفت کر رہا تھا تو وہ کوئی انتہا پسندانہ طبقاتی پالیسی اختیار نہیں کر رہا تھا اور نہ اس بات پر زور دے رہا تھا کہ پرولتاریوں کو یا چینی کمیونسٹ پارٹی کو یا دونوں کو مل کر انقلاب کی قیادت کرنی چاہیئے۔ وہ تو صرف ان نعروں کو دہرا رہا تھا جنھیں خود چیانگ نے چھ ماہ بعد استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھا۔ بہرحال پیکنگ میں بیٹھے ہوئے مورخین نے ماؤ کے ۱۹۲۶ء والے مقالہ کے متعلق یہی کہا ہے کہ "چین میں مارکسیت اور لیننیت کی سب سے قدیم اور سب سے واضح دستاویز" یہی ہے اور یہ وہ دستاویز ہے جس نے "چینی انقلاب کے سارے بنیادی مسائل کو صحیح طور پر حل کر دیا تھا"۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ماؤ مارکس اور لینن کے فلسفہ کا ہنوز ایک طفلِ مکتب تھا۔ اور یہ مقالہ جس طرح شروع میں لکھا گیا تھا اس میں بہت سی نظریاتی اغلاط نظر آئیں گی۔ مارکسی نظریے پر دسترس تو اسے کہیں دس برس بعد حاصل ہو

سکی۔ جب اس کے سیاسی عروج کا نقشہ بھی واضح عملی شکل اختیار کر چکا تھا۔

ماؤ نے بعد میں جو نظریات اختیار کئے ان کی تشکیل عملی تجربہ کا نتیجہ ہے اور اس عملی تجربے کے دوران ہونے والے واقعات میں سے بہت کم ایسے ہیں جو ۲۷-۱۹۲۶ء کے موسم سرما کے زمانے کے واقعات کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ جب کسان تحریک کے تربیتی ادارے کا سیشن اکتوبر میں تمام ہُوا تو ماؤ تھوڑے دنوں کے لئے شنگھائی گیا بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کی کسان تحریک کے ڈائرکٹر کا عہدہ سنبھالے گا لیکن وہ وہاں سے پھر چل کھڑا ہُوا۔ ممکن ہے کہ اُس نے نومبر کے دنوں میں شنگھائی کے شمال اور جنوب کے علاقوں میں جاکر کسان تحریک کا معائنہ کیا ہو۔ دسمبر میں وہ چانگشا آ گیا۔ وہاں اس نے پہلی صوبائی کسان کانفرنس کو خطاب کیا اور پھر اس نے پورے صوبہ میں چل پھر کر کسان تحریک کے بارے میں تحقیق کی۔ یہی تحقیق اس کی مشہور و معروف رپورٹ کا موضوع بنی۔

اس دستاویز کے بارے میں سوال یہ پیدا ہُوا تھا کہ کیا وہ مستند مارکسی نظریے کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، جس کا لبِ لباب یہ ہے کہ ماؤ نے اگر کسانوں کو اہم قرار دیا تھا تو یہ کوئی ایسا کفر نہیں تھا اس لئے کہ دوسری کومنٹرن کانگریس میں خود لینن نے کسان سوویٹ اور مشرق میں کسانوں کے ذریعہ انقلاب بپا کرنے کے امکان کا ذکر کیا تھا۔ رسمی عقیدے کی رُو سے ماؤ نے صرف ایک غلطی کی، وہ یہ کہ اس نے پرولتاریوں کی نمائندہ حیثیت کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن چونکہ اس رپورٹ کی مخاطب کومنتانگ تھی اس لئے یہ ذکر خلافِ مصلحت ہوتا۔ بہر حال اس رپورٹ کی اہمیت یہ نہیں ہے کہ وہ مارکسی خیالات کی حامل ہے۔ مارکسی خیالات تو اس میں بہت ابتدائی قسم کے ہیں۔ اس کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ وہ انقلابی جذبہ سے لبریز ہے اور اس میں ایک تاریخی لمحہ کو قلم بند کیا گیا ہے۔

چوتھی مئی کی تحریک کے وقت ماؤ زے تنگ نے خطیبانہ انداز میں تقریریں کیں اور مضامین لکھے کہ وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ثقافتی انقلاب برپا کیا جائے۔ بس اسی طور اس قوتِ عمل کو راہ دی جا سکتی ہے جس سے چین کے قومی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں مگر پھر کئی برس تک وہ کومنتانگ میں قومی انقلاب کے کام میں ایسا جتا رہا کہ چینی معاشرے کی ماہیت بدلنے کا خیال پس پشت جا پڑا۔ اچانک ہونان کے دیہاتی علاقہ میں وہ ایک نئی صورتِ حال سے دو چار ہو گیا۔ وہاں کے انقلابی جذبہ کے بہاؤ اور زور شور کا اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔

"تھوڑے ہی دنوں میں چین کے وسطی، جنوبی اور شمالی علاقوں میں سینکڑوں لاکھوں کسان اس طرح اٹھیں گے جیسے طوفان اٹھتا ہے یا سیلاب آتا ہے۔ یہ طوفان اتنا تیز و تند ہوگا کہ بڑی سے بڑی طاقت اسے دبا نہیں سکے گی۔ یہ طوفان سارے بند توڑ ڈالے گا اور آزادی کی راہ پر بڑھتا چلا جائے گا۔"

جس آزادی کو ماؤ نے سرگرم عمل دیکھا، وہ دو طرح کی تھی، ثقافتی اور معاشرتی۔ اوّل الذکر قسم کی آزادی کی صورت اس کی نظر میں یہ تھی کہ توہمات اور رسم و رواج کے پرخچے اڑ جائیں گے یعنی بزرگوں کی پرستش سے لیکر بیوی پر شوہر کے اختیار تک ہر طرح کی رسم مٹ جائے گی۔ یہ تصورات تو کومنتانگ کے ایک بڑے گروہ کے لئے قابلِ قبول تھے لیکن معاشرتی انقلاب کا تصور ان کے لئے ہرگز قابلِ قبول نہیں تھا۔ اس رپورٹ میں ماؤ نے زمینداروں کا نام نہیں لیا، وہ "مقامی غنڈوں اور بداخلاق رئیسوں" کا ذکر کر کے چپ ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرے مقامات پر اُس کی زبان پریشان کن حد تک واضح ہے۔ اس نے لکھا کہ "انقلاب تو تشدّد کا معاملہ ہے۔ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کے اقتدار کا تختہ الٹ دیتا ہے اور دیہاتی انقلاب وہ ہوتا ہے جس میں کسان جاگیردار طبقہ کے اقتدار کا تختہ اُلٹ دیں۔

سٹالن تو سٹالن۔ ٹروٹسکی تک یہی سمجھتا تھا کہ کومنتانگ کسانوں کی جماعت ہے لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس کے رہنما اس پر بہت خوش ہوتے کہ ان کا طبقہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر فتحیاب ہے۔ مگر بدقسمتی سے "انقلابی فوج کے بہت سے افسر یا تو خود زمیندار طبقہ ہی سے تعلق رکھتے تھے یا پھر ان کھاتے پیتے شہری گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے جن کا زمینداروں سے خون کا رشتہ تھا"۔ ۱۹۲۴ء میں کومنتانگ نے کسان تحریک کے حق میں بہت ہمدردی ظاہر کی۔ مگر اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ کسان جن زمینداروں کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے وہ، وہ تھے جو کوانتنگ میں چن چنگ منگ کے حمایتی تھے۔ لیکن اب شمالی مہم کی وجہ سے جو انقلابی طوفان پھوٹ پڑا تھا وہ تو انھیں علاقوں میں برپا تھا جن علاقوں سے پیش قدمی کرتی ہوئی فوجوں کے اکثر افسر بھرتی ہوئے تھے۔ اس صورت میں ٹکراؤ ناگزیر تھا۔ اور اس کے روکنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ کمیونسٹ جنھوں نے انتشار پھیلانے والوں کی بڑی تعداد کی تربیت کی تھی (اگرچہ کومنتانگ کے نام پر کی تھی) خود ہی اس دیہاتی انقلاب کے منصوبہ کو منسوخ کر دیتے۔

سٹالن نے انھیں بالکل یہی ہدایت کی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں جب یہ مسئلہ پہلے پہل سنگین صورت اختیار کرنے لگا تھا تو اس نے بذریعہ تار چینی کمیونسٹوں کو تاکید کی کہ کسان تحریک کی تھوڑی سی روک تھام کی جائے۔ دو

ماہ بعد انٹرنیشنل کی مجلس عاملہ کے ساتویں اجلاس میں بھی اُس نے ایسا نسخہ تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اس موقعہ پر سٹالن کے مُوقف کا لب لباب یہ تھا کہ چیانگ کائی ٹیک کی ٗ انقلابی فوج ٗ پر تکیہ کیا جائے ٗ شمالی مہم ٗ جب تک شروع نہیں ہوئی تھی اس وقت تک وہ اس سے مبالغہ آمیز حد تک بددل اور مایوس تھا۔ لیکن اب وہ زقند لگا کر دوسری انتہا پر پہنچ گیا تھا۔ یعنی کومنتانگ کی فوج کی نوعیت اور اس کے عزائم کے بارے میں وہ اسی مبالغہ آمیز حد تک پُر امید تھا۔ جو لوگ یہ دعوے کرتے تھے کہ جن علاقوں میں انقلابی فوج کا راج قائم ہو چکا ہے وہاں بددلی پھیلی ہوئی ہے، اُن کو سٹالن نے یہ جواب دیا کہ سوویت روس میں بھی خانہ جنگی کے دنوں میں ایسی ہی صورتِ حال تھی۔ اس طرح گویا چیانگ کی فوج اور ۱۹۱۹ء والی سرخ فوج کے درمیان ایک واضح مماثلت تلاش کر لی گئی اور جب اس مفروضہ کو تسلیم کر لیا گیا تو انقلابی زرعی منصوبہ کی فوری ضرورت سے کومنتانگ کے اراکین کو وحشت زدہ کئے بغیر کسانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا کام بھی آسان ہو گیا۔ بس اتنا ہی کافی تھا کہ انقلابی فوج اور ”عوامی انقلابی حکومت“ کی مشین کے ذریعہ سے کسان عوام کے ضروری تقاضے پورے کر دیئے جائیں۔ (کمیونسٹوں سے اِس ”عوامی انقلابی حکومت“ میں شامل ہو جانے اور اسے بائیں بازو کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرنے کو کہا گیا۔) بہر حال اس کے سوا اور کوئی عملی صورت بھی تو نہیں تھی۔ اس لئے کہ اب سینکڑوں ہزاروں چینی انقلابی (چینی کمیونسٹ پارٹی اب اس حد تک بڑھ پھیل چکی تھی) کسانوں کے بحرِ ناپیدا کنار کو صرف کومنتانگ کی سرکاری اور فوجی مشین کے ذریعہ ہی منظم کر نا ممکن تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

کومنتانگ فوج کی نوعیت اور کمیونسٹوں کی اس سے نبٹنے کی صلاحیت کے بارے میں یہ غلط خاکہ کیا لاعلمی کا نتیجہ تھا یا چینی انقلاب کے مقدر کے بارے میں شک و شبہ کا کہ روس کے مفادات کا تحفظ کئے بغیر انقلاب کی کامیابی ناممکن تھی؟ اس سوال کے جواب میں دونوں ہی باتیں شامل ہیں۔ سٹالن کی پالیسی کا واضح سراغ اس تقریر سے ملتا ہے جو اس نے جنوری ۱۹۲۵ء میں کی تھی۔ اس تقریر میں اس نے تجزیہ کر کے یہ بتایا تھا کہ سوویت روس کے چار ساتھی روسی مملکت یا حکومت کو کیا فائدے پہنچا سکتے ہیں۔ اُس نے پہلا اور سب سے اہم ساتھی ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کے پرولتاری طبقہ کو گردانا لیکن بد قسمتی سے یورپ میں انقلابی تحریک کا حال ایسا نہیں تھا کہ مستقبل قریب میں اس طرف سے کچھ زیادہ توقع کی جا سکتی۔ دوسرا ساتھی پس ماندہ ممالک

کے ستم زدہ عوام کا طبقہ تھا جن کی روسی انقلاب کے لئے "ایک زبردست محفوظ فوج" کی حیثیت تھی، لیکن کام چلانے کے نقطۂ نظر سے وہ بہت ہی سست تھے۔ اس لئے تیسرے ساتھی پر بھروسہ کرنا ضروری تھا۔ یعنی سرمایہ دار ملکوں میں فروغ پانے والے تضادات پر (یا سیاسی جوڑ توڑ) اور سب سے بڑھ کر چوتھے ساتھی کی جماعت پر ایمان لانے کی ضرورت تھی، یہ تھا روس کے کسانوں کا طبقہ۔

سٹالن کی متکبرانہ خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ وہ خود کو مارکسیت کا محافظ اور مبلغ گردانتے ہوئے یہ سمجھتا تھا کہ وہ چین جیسے وسیع و عریض اور پیچیدہ ملک کے، جو اُس کے اپنے ملک سے بالکل مختلف تھا، ہر مسئلہ کو سمجھتا ہے۔ اس زمانے میں چین میں اگر سوویت کی ہر پالیسی بُری طرح ناکام ہوئی تو اس میں اس شخص کی انانیت پسندی اور حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کا بھی ہاتھ تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر زیادہ حقیقت پسندانہ پالیسی اختیار کی جاتی تو چیانگ کائی شک کو اس کی فتوحات سے بہرہ ور ہونے سے محروم کیا جا سکتا تھا اور کمیونسٹوں کے ہاتھ میں اختیار دیا جا سکتا تھا۔ یہ بہت مشکل کام تھا خود کومنتانگ کے بائیں بازو والوں کا تجربہ اس کا شاہد ہے، جنھوں نے یہ کوشش کی تھی کہ چیانگ اور اس کی فوج پر غیر فوجی طبقہ کا اقتدار قائم ہو جائے۔

۲۰ مارچ ۱۹۲۶ء کے فوجی انقلاب سے کومنتانگ کو بائیں اور دائیں بازو کے گروہوں میں بٹ جانے کی مزید ترغیب ملی۔ ۱۹۲۶ء کے اواخر میں چیانگ اور بائیں بازو والے گروہ میں کشیدگی زیادہ شدت اختیار کر گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب جماعت اور سرکاری حکام فوج کے جلو میں شمال کی سمت پیش قدمی کر رہے تھے اور وسطی چین میں انقلابی حکومت قائم کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اس کشیدگی کو بلاشبہ چینی کمیونسٹ ہوا دے رہے تھے۔ چینی سٹالن کے چیانگ کائی شک پر اعتماد کے ہمنوا نہیں تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کشیدگی کی وجوہ اور بھی تھیں مثلاً یہ کہ چیانگ اور بائیں بازو کے رہنماؤں کے درمیان ذاتی رقابتیں پیدا ہو گئی تھیں اور پھر شہری حکام اس مطلق العنان فوجی کمانڈر سے خائف تھے جو جنگی مسائل پر ان سے مشورہ لئے بغیر فیصلے صادر کرنے کا عادی تھا۔ جنوری ۱۹۲۷ء میں نوبت یہ آ گئی کہ وہاں میں کومنتانگ کے بائیں بازو والوں اور دوسری طرف چیانگ اور اس کے طرفداروں میں جن کا اڈا نانکنگ میں تھا کھلم کھلا مخالفت ہونے لگی۔ اس پر طرہ یہ ہُوا کہ بوروڈین اور دوسرے سوویت مشیروں نے بھی چالیں بدل لی تھیں۔ وہ اب چیانگ کے خلاف کھلم کھلا صف آرائی کر رہے تھے۔ اس لئے کہ چیانگ نے پیکنگ

کی طرف بڑھنے کی بجائے مشرق میں شنگھائی کی طرف پیش قدمی کا اعلان کر دیا تھا۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں کومنتانگ کی مرکزی مجلسِ عاملہ کا جلسہ ووہان میں ہوا وہاں پارٹی، فوج اور حکومت کے مدارج و مراتب کی نئی تنظیم اس رنگ سے ہوئی کہ چیانگ پارٹی کے صاحبانِ اقتدار کا ماتحت بن گیا۔ وانگ چنگ وی کو پارٹی اور حکومت دونوں کے سربراہ کے طور پر نامزد کیا گیا۔ مگر وہ چونکہ ۱۹۲۶ء کے موسم بہار سے فرانس میں جلاوطنی کے دن گذار رہا تھا، اس لئے اس کی عدم موجودگی میں تان ینگیائی نے مقتدر حیثیت سنبھال لی۔

یہ تو تنظیمی اقدامات تھے۔ ان کے علاوہ اس اجلاس نے سٹالن کے مشورے کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے بھی ٹھوس اقدامات کئے۔ سٹالن نے پچھلے نومبر میں یہ مشورہ دیا تھا کہ حکومت میں کچھ تعداد کمیونسٹوں کی بھی شامل ہونی چاہیئے۔ پانچ نئی وزارتیں معرضِ وجود میں آئیں۔ ان میں سے دو وزارتوں کی سربراہی کمیونسٹوں کے حصے میں آئی۔ تان ینگ شان کو وزیر زراعت کے طور پر نامزد کیا گیا اور سو چاو تسنگ کو وزیر محنت بنایا گیا۔ ماؤزے تنگ انھیں دنوں ہونان کا دورہ کر کے واپس آیا تھا۔ اس نے کومنتانگ کی مرکزی مجلس عاملہ کے متبادل رکن کی حیثیت سے اس اجلاس میں شرکت کی۔

اگرچہ ماؤ کسی وزارتی عہدے کے لئے نامزد نہیں کیا گیا تھا لیکن اس اجلاس میں کسانوں کے مسئلہ پہ جو بحث ہوئی اس میں اس نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ یہ ۱۵ر مارچ کا واقعہ ہے کہ ماؤ نے "مقامی غنڈوں اور بدکردار معززنہ لوگوں کی روک تھام کے ضابطوں" کی حمایت کی، جن کی رُو سے انقلاب کے خلاف سرگرمیوں کی سزا موت یا عمر قید تھی۔ اس نے کہا کہ انقلابی حالات میں "پُرامن طریقوں سے مقامی غنڈوں اور بدکردار معززنہ لوگوں کے اقتدار کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔" ان سے تو انقلابی طریقوں ہی سے نپٹنا چاہیئے۔ بلکہ "بہتر یہ رہے گا کہ کسان خود ان کے خلاف کاروائی کریں۔"

یہ صاف ظاہر ہے کہ ماؤ نے ہونان میں جو انقلابی طوفان اٹھتے دیکھا تھا وہ ابھی تک اسی کے سحر میں گرفتار تھا۔ آنے والے ہفتوں میں اس نے اراضی کے سوال پر جو موقف اختیار کیا اس میں بھی اس تجربے کے بہت سے اثرات تھے۔ ۲ر اپریل ۱۹۲۷ء کو کومنتانگ کی مرکزی مجلسِ عاملہ نے پانچ اراکین پر مشتمل ایک "مرکزی اراضی کمیٹی" قائم کی، جس میں ماؤ اور تان ینگ شان بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے ابتدا میں چند جلسے ایسے کئے جس میں صرف اس کے رکن شامل تھے۔ ایسے ہی ایک جلسہ میں ماؤ نے اپنے ہونان کے تجربوں کا لب لباب یوں پیش کیا۔

"زمینوں کو ضبط کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ لگان ادا نہ کیا جائے۔ کوئی دوسری ترکیب استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ان دنوں ہونان اور ہوپائی میں پہلے ہی سے کسان تحریک بہت زور شور سے چل رہی ہے۔ کسانوں نے خود ہی لگان ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے اور سیاسی اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ چین میں مسئلہ اراضی طے کرتے وقت پہلے ہمیں حقیقت کو دیکھنا چاہئے۔ اس حقیقت کو قانونی طور پر بعد میں بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔"

اراکین کے جلسوں کے بعد اراضی کمیٹی نے کھلے اجلاس منعقد کئے۔ پہلا جلسہ ۱۹ اپریل کو ہوا۔ اس میں کسان تحریک کے بہت سے سیاسی کارکنوں نے شرکت کی۔ وہاں حکومت کے نمائندے بھی شامل ہوئے۔ یہاں ماؤ نے قومی انقلاب کے واسطے سے زمینداروں کی زمینیں ضبط کرنے کا جواز پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ "انقلابی فوج اسی صورت میں پیش قدمی کر سکتی ہے کہ کاشتکاروں کی کوئی فوج ان کے لئے غذا فراہم کرتی رہے۔ اور اس نہج پر کسانوں کی حمایت و تائید حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ زرعی اصلاحات نافذ کر دی جائیں۔"

زرعی اصلاحات پر ایک معین پالیسی وضع کرنے کی غرض سے اراضی کمیٹی نے پانچ آدمیوں کا ایک گروپ بنایا جن کا کام اراضی کے سوال پر ایک قرارداد کا مسودہ تیار کرنا تھا۔ ان پانچ افراد میں ماؤ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی، قرارداد کا مسودہ یہ تیار ہوا کہ "دیہات کے مقامی غنڈوں، بدکرداروں، رشوت خور ملازموں، عسکریت پسندوں اور انقلاب دشمن لوگوں سے" زمینیں چھین لی جائیں۔ یہ معیار اگرچہ کسی قدر مبہم تھے مگر نسبتاً معتدل تھے۔ "زرعی جائزے" میں زیادہ انقلابی باتیں کی گئیں ہیں۔ یہ جائزہ بھی ماؤ اور اس کے ساتھیوں ہی نے لیا تھا۔ اس میں یہ بیان درج ہے کہ "جن کسانوں کے پاس ساڑھے چار ایکڑ سے زیادہ زمین ہے ایسے سب کسان خواہ چھوٹے ہوں، بڑے ہوں یا متوسط حیثیت کے ہوں یکساں طور پر انقلاب دشمن ہیں۔ ان کی تعداد کل ملا کر آبادی کی ۱۳ فی صدی ہے۔" یاد رہے کہ ماؤ کے اپنے باپ کی ملکیت میں سوا تین ایکڑ زمین تھی۔ اسی لئے ماؤ نے انقلاب دشمن رویے کا معیار بہت معمولی سطح پر مقرر کیا تھا۔

یہ وہ جذبہ تھا جس کے تحت ماؤ نے کمیٹی کے سامنے اپنے تیار کئے ہوئے مسودے کی وضاحت کی۔ اس کے بیان سے یہ بات خوب روشن تھی کہ انقلابی عمل کا اُس کے نزدیک کیا تصور ہے، اس کے علاوہ جو قومی اور معاشرتی مقاصد اس کے پیش نظر تھے وہ بھی اس بیان سے مترشح تھے۔ وہ کہتا ہے۔

"ہم اس وقت جس بات پر زور دے رہے ہیں وہ سیاسی ضبطی ہے یعنی صرف غنڈوں، بدکردار لوگوں اور عسکریت پسندوں کی زمینوں کی ضبطی۔ یہ پہلا قدم ہے۔ اگر ہم اس سے ایک قدم آگے جائیں اور ان سب لوگوں کی زمینوں کی ضبطی کی بات کریں جو اسے خود کاشت نہیں کرتے، بلکہ لگان پر اٹھا دیتے ہیں، تو پھر یہ ایک اقتصادی اقدام ہوگا۔ اس قسم کا معاشی اقدام ہونان میں تو اب مسئلہ رہا نہیں۔ وہاں تو خود کسانوں ہی نے زمینوں کے حصے بخرے کرتے ہیں۔ ہونان میں عسکریت پسند وہ لوگ ہیں جو کسانوں کو لوٹ رہے ہیں۔ قومی حکومت (یعنی وہاں کی حکومت) بھی اپنے قائم ہونے کے بعد اس لوٹ کھسوٹ کو مکمل طور پر ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔"

یہاں ماؤ نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ یہ وضاحت کی کہ جنگ جاری رکھنے کے لئے وسائل کے حصول میں کسانوں کو جو زیر بار کیا جاتا ہے اس سے یہ لوٹ کھسوٹ مستقل شکل اختیار کر گئی ہے حالانکہ اگر زمینیں ضبط کر لی جائیں تو کسانوں سے اس سے بھی زیادہ بڑی رقم آسانی سے وصول ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں کسانوں کو لگان ادا نہیں کرنا پڑے گا اور اس لئے وہ بھاری ٹیکس بھی آسانی سے ادا کر سکیں گے۔ اس نے ایک اور نتیجہ بھی مرتب کیا جو 'جائزہ اراضی' کے بیان میں بھی مضمر تھا لیکن مسئلہ اراضی سے متعلق قرارداد کے مسودے میں تفصیلاً بیان نہیں کیا گیا تھا۔ اب ماؤ نے واضح طور پر اسے بیان کیا اور کہا کہ امیر کسانوں مثلاً زمینداروں کی اراضی بھی ضبط ہونی چاہیئے۔ آخر میں اس نے مختلف علاقوں کے حالات مختلف ہونے کے سبب اس بات کی بھی توثیق کی کہ ایک لچکدار پالیسی وضع کرنی چاہیئے مثلاً ہونان میں چونکہ کسانوں نے پہلے ہی سے زمین کی تقسیم شروع کر دی ہے۔ وہاں کے لئے 'سیاسی ضبطی' کی پالیسی ناکافی ہوگی۔ اس کے برخلاف مختلف دوسرے صوبوں میں جہاں کسان تحریک نے ابھی زور نہیں پکڑا، 'اقتصادی ضبطی' کی پالیسی کا نفاذ پیش از وقت ہوگا۔

ماؤ نے اپنی یہ قرارداد ۲۲ اپریل کو توسیعی اراضی کمیٹی کے جلسہ میں پیش کی۔ وانگ چنگ وی نے اس پر تشویش ظاہر کی۔ اس کی دانست میں اس قرارداد میں "سیاسی ضبطی کا تو نام ہی نام ہے اصل میں تو اس کا مقصد اقتصادی ضبطی ہے۔" اس کے خیال کے مطابق سیاسی ضبطی کے اصول کا اطلاق صرف بڑے زمینداروں پر ہونا چاہیے۔ وانگ کی اس نکتہ چینی پر ماؤ کو شاید تعجب نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اس سے زیادہ درشت

تنقید شیاشی نے کی تھی جو محض کمیونسٹ ہی نہیں تھا بلکہ ماؤ کا بہت گہرا دوست بھی تھا۔ اور ماؤ کے ساتھ اس کی سیاسی رفاقت اس وقت سے چلی آ رہی تھی جب ماؤ نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں چانگشا میں نئی 'عوامی انجمن مطالعہ' اور اس قسم کی دوسری انجمنیں قائم کی تھیں۔ شیا کا کہنا تھا کہ یہ قرارداد تضادات سے بھری پڑی ہے، ناقابلِ عمل ہے اور اگر اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی تو امیر اور غریب کسانوں کے درمیان فوراً کشمکش شروع ہو جائے گی۔

ایک اور کمیونسٹ پنگ نزی شیانگ نے اس قرارداد کو ناکافی قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ ہر قسم کی اراضی غیر مشروط طور پر ضبط کر لی جائے۔ گویا اعتراض دو قسم کے ہوئے۔ ایک اعتراض تو یہ تھا کہ ماؤ نے بہت انتہا پسندی دکھائی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے معترض وہ تھے جو کہتے تھے کہ اس نے اعتدال پسندی سے کام لیا ہے۔ ماؤ نے دونوں قسم کے معترضوں کو یہ جواب دیا کہ اگر چار پانچ صوبے اور ہونان جیسے ہوتے تو اراضی کے مسئلہ کو پورے طور پر حل کرنے کے لئے فوری اقدامات کئے جا سکتے تھے۔ لیکن موجودہ حالات میں یہ اقدامات پیش از وقت ہیں۔ یہ کہنے کے بعد اس نے اپنا بنیادی خیال پھر بیان کیا جس کے تحت حقائق کو قانونی کلیات سے زیادہ اہمیت حاصل تھی: "یہ بہت کافی ہے کہ لوگ زمینداروں کو لگان ادا نہیں کر رہے ہیں اور آپ کے پاس ایسا نظام ہے جس میں زمین کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے جب کوئی مسئلہ حقیقت بن جائے تو اسے قانونی طور پر بھی منوایا جا سکتا ہے۔ اور جب پورے ملک میں "اقتصادی ضبطی" کے لئے حالات سازگار ہو جائیں گے تو پھر ایک اور ایسی قرارداد منظور کی جا سکتی ہے جو زمین کے مسئلہ کا مکمل حل پیش کر سکے۔"

۲۰ راپریل ۱۹۲۷ء کو اراضی کمیٹی کے چوتھے توسیعی جلسہ میں انقلابی فوجیوں کی اراضی کے تحفظ کے ضابطے منظور کئے گئے۔ ان ضابطوں کا وصف یہ تھا کہ اگر کسی زمیندار کے رشتہ دار فوج میں ہیں تو پھر وہ کتنا ہی بڑا زمیندار کیوں نہ ہو، وہ ضبطی کے قانون سے مستثنیٰ تھا۔ باقی لوگوں کے سلسلہ میں عام طور پر اس پر اتفاق کیا گیا کہ ماؤ کا "اقتصادی ضبطی" والا طریق کار جو یہ تھا کہ کسان لگان ادا کرنے سے انکار کریں، مناسب نہیں ہے۔ اس کی بجائے کچھ حدود میں رہ کر، کہ فوجی لوگوں کی اراضی محفوظ رہیں، سیاسی ضبطی کو بہترین حل قرار دیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ چن تو شو، چو چو یائی اور چانگ کو تاؤ کو جلسوں میں شرکت کی دعوت دی جائے۔
۲۶ راپریل کو بورودین نے بھی جلسہ میں شرکت کی اور ایک مختلف پالیسی اختیار کرنے کی سفارش کی۔

یہ پالیسی یہ تھی کہ جن علاقوں میں ووہان حکومت کا اختیار ہے وہاں محدود حد تک اور تدریج ضبطی کی جائے۔ اس کے برخلاف دوسرے علاقوں میں انقلابی اور شورش انگیز نعروں سے کسانوں میں جوش وخروش پیدا کیا جائے۔ چن تو شو نے بہت حد تک بورودین سے اتفاق کیا۔ مسئلہ اراضی کے حل کی قرارداد قطعی صورت میں ۶ مئی کو منظور ہوئی اور اس میں صرف بڑے زمینداروں کی زمینیں ضبط کرنے کی سفارش تھی چھوٹے زمینداروں اور انقلابی فوجیوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔ ماؤ اور بورودین دونوں کے تقاضے کے مطابق یہ بھی سفارش کی گئی کہ کسانوں کی اپنی لوکل سیلف گورنمنٹ کی تنظیم کی جائے۔

یہ تھی اپریل کی بحثوں کی کیفیت، اپنی خودنوشت سوانح عمری میں ماؤ نے یہ تصدیق کی ہے کہ اس موقعہ پر اس نے اپنی ان پیش کردہ تجاویز پر بحث کی جن میں بڑے پیمانے پر زمینوں کی از سرِ نو تقسیم کی سفارشات کی گئی تھیں۔ غالباً ان تجاویز سے اس کی مراد قرارداد کا وہ مسودہ ہے جو اس کی نگرانی میں تیار ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ اس نے یہ ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ جو قراردادیں منظور ہوئیں وہ اس کے موقف کے بہت قریب تھیں، حالانکہ جیسا کہ ابھی کہا گیا، واقعہ یوں نہیں تھا۔

مسئلہ میں ایک اور پیچ یہ آپڑا کہ ماہ اپریل میں کل چین کسان سبھا کی عارضی مجلس نے جو پنج رکنی مستقل مجلس قائم کی ماؤ کو بھی اُس کا ممبر مقرر کر دیا گیا۔ اس مستقل مجلس کے تین رکن وہی تھے جو اراضی کمیٹی کے بھی رکن تھے یعنی ایک تو خود ماؤ۔ ایک حکومت ووہان کا وزیر زراعت تان پنگ شان اور ایک کومنتانگ کے بائیں بازو کا ایک اہم رہنما تنگ ین تا۔ لیکن کسان سبھا کی مستقل مجلس تان پنگ یائی کی صدارت میں قائم ہوئی تھی جو وانگ چنگ وی کا بہت قریبی سیاسی رفیق تھا اور وانگ کی طرح خود بھی کومنتانگ کے بائیں بازو سے البتہ سمجھا جاتا تھا لیکن کسانوں کے انقلابی عمل کو دیکھ کر اپنے خیالات کو چھپانے لگا تھا۔ ماؤ کا اپنا دعوٰے یہ ہے کہ یہ جماعت چینی کمیونسٹ پارٹی کے زیر اہتمام قائم ہوئی تھی۔ لیکن یہ تو صاف ظاہر ہے کہ کمیونسٹ ایسی جماعت کب قائم کر سکتے تھے جس کا سربراہ کومنتانگ کی ایک مقتدر شخصیت ہو، چاہے یہ سربراہی برائے نام ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال اس جماعت کا اصلی کام یہ تھا کہ کسانوں کی روک تھام کی جائے تاکہ کہیں کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے بائیں بازو کے درمیان اشتراکِ عمل میں کھنڈت نہ پڑ جائے۔ یہ بڑا ضروری امر تھا اس لئے کہ حکومت ووہان، ہونان کے فوجی رہنما تانگ شنگ چی کی فوجی حمایت کی محتاج تھی اور تانگ شنگ چی نے شمالی مہم کے وقت کومنتانگ کا ساتھ دیا تھا۔ تانگ نے اپنے طور

پر بہت روشن خیالی کا مظاہرہ کیا تھا کہ اکتوبر ۱۹۲۶ء سے اس نے کمیونسٹوں سے ربط وضبط قائم کر رکھا تھا۔ لیکن اس سے یہ حقیقت تو نہیں بدل سکتی تھی کہ اس کے بہت سے افسر ہونان کے زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ان پر ان واقعات کا براہِ راست اثر پڑ رہا تھا جن کا چند ماہ قبل ماؤ نے بہت جوش وخروش سے مطالعہ کیا تھا اور جن سے وہ بہت متاثر تھا۔ تانگ شنگ چی کی پینتیسویں فوج کے کمانڈر ہو چین نے اراضی کے سوال پر اپریل کی بحثوں میں دو ٹوک اعلان کیا تھا کہ اُس کی فوج کے بہت سے افسر اور سپاہی زمینوں کے مالک تھے اور زرعی پالیسی طے کرتے وقت اس حقیقت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

ان سب خطرے کی علامتوں کے باوجود ماسکو کو ہنوز اصرار تھا کہ ووہان میں کومنتانگ کے بائیں بازو کے ساتھ بلکہ چیانگ کائی شک کے ساتھ بھی اشتراکِ عمل برقرار رکھا جائے۔ مگر چیانگ نے اس مسئلے کو خود ہی جلد طے کر دیا۔ اپریل ۱۹۲۷ء میں مزدوروں کی بغاوت کی بدولت جب شنگھائی شہر اس کے ہتھے چڑھ گیا تو اس نے شنگھائی کے مزدوروں کو بھون ڈالا۔ اس سانحہ کے پیش نظر چینی کمیونسٹ پارٹی نے آخر اپریل میں ووہان میں اپنا پانچواں اجلاس منعقد کیا جس میں یہ کوشش کی گئی کہ ایسی پالیسی وضع ہو کہ تانگ شنگ چی کی فوجی طاقت سے بھی سہارا ملتا رہے اور ساتھ ساتھ زرعی انقلاب بھی زور پکڑتا رہے۔ اس میں تعجب کی بات نہیں اگر اُن کی یہ کوشش ناکام ہو گئی اور انھیں نہ تو تانگ شنگ چی کا سہارا نصیب ہوا اور نہ ہی انقلاب کارگر ہوا۔ لیکن اس سے تجربہ ضرور حاصل ہوا۔ اور اس تجربے کی بنا پر اُن میں سے چند نے یہ نتیجہ مرتب کیا کہ وہ اپنے معاملات کو سٹالن سے بہتر سنبھال سکتے ہیں۔

پریشانی کے سال

چیانگ کائی شک کے کمیونسٹوں سے ناطہ توڑنے اور شنگھائی میں مزدوروں کی تحریک کو کچل دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی اور کومنتانگ کے درمیان اشتراکِ عمل کی پالیسی فنا کے گھاٹ اتر گئی لیکن سٹالن نے کہیں پانچ ماہ بعد اشتراکِ عمل کے اصول کو خیرباد کہا اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے بعض عناصر سے تو اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد قطع تعلق کیا۔ خیر سٹالن کا قصہ تو یہ تھا کہ وہ اپنی ہمہ دانی کی شہرت پر آنچ نہ آنے دینا چاہتا تھا۔ ۱۹۲۷ء کے موسم بہار میں پارٹی کے اندر صف آرائی ہو رہی تھی۔ ٹروٹسکی اور زنوفیف میں آخری معرکہ ہونے والا تھا۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ چینی انقلاب کا خون سٹالن کی گردن پر ہے تو اس سے اس کی ساری ساکھ خاک میں مل جاتی۔ حزبِ اختلاف نے اب تک چین کو بڑا مسئلہ گردانا ہی نہیں تھا۔ لیکن اب اس مصلحت کے پیشِ نظر اس نے سٹالن کے خلاف زور شور سے لے دے شروع کر دی۔ سٹالن نے اپنی صفائی میں یہ اعلان کیا کہ اس نے تو شروع ہی سے یہ تاڑ لیا تھا کہ چیانگ غداری کر جائے گا۔ مگر اس بات سے خاص فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ یہی پالیسی اب ووہان کے حکام سے تعلقات میں اختیار کی جائے گی۔ جہاں یہ یقیناً کارگر ہو گی۔

چینی کمیونسٹوں کا ردعمل بالکل مختلف تھا اور بہت پیچیدہ تھا۔ ووہان والی بائیں بازو کی کومنتانگ کے

کے بارے میں انھیں وہ خوش فہمیاں نہیں تھیں جو سٹالن کو تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض چینی کمیونسٹ اس معاملہ میں ضرورت سے زیادہ پُر امید رہے۔ مگر انھیں یہ بھی علم تھا کہ کومنتانگ سے قطع تعلقی کی صورت میں انھیں شدید جبر و تشدّد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کچھ ماؤ جیسے لوگ تھے جن کا نصیب اچھا تھا کہ وانگ چنگ وی اور تانگ شنگ چی کے عہدِ حکومت میں اطمینان سے زندگی گذار رہے تھے۔ مگر شنگھائی اور دوسرے مقامات پر ان کے ساتھیوں کا جو حشر ہوا وہ ان کے سامنے تھا۔ انھیں خوب پتہ تھا کہ اگر زور آزمائی ہوئی تو ان کا کیا انجام ہوگا کم و بیش ایک ہی وقت میں ادھر چیانگ نے شنگھائی میں قیامت ڈھائی تھی اور ادھر چانگ زولن نے پیکنگ میں سوویت سفارت خانے پر حملہ بولا تھا اور بہت سے کمیونسٹوں کو گرفتار کر کے، جن میں لی تا چاؤ بھی تھا، سب کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ کینٹن میں بھی ظلم و جور شروع ہو گیا تھا۔ اس صورتِ حال میں قدرتی ردِ عمل دو ہی ہو سکتے تھے۔ یا تو یہ کہ ہر قیمت پر ووہان کی کومنتانگ کے ساتھ چمٹے رہو، خواہ ان سے کتنے ہی سمجھوتے کرنے پڑیں اور دوسرا ردعمل یہ ہو سکتا تھا کہ بورژوا قوم پرستی کی کوئی بھی صورت ہو اس سے یکسر رشتہ توڑو اور جیسے بھی بن پڑے ایک ایسی انقلاب پرور شورش برپا کرو کہ کومنتانگ کا تختہ الٹ جائے اور کمیونسٹوں کو اپنے مظلوم ساتھیوں کا بدلہ لینے کا موقعہ ملے۔ پارٹی نے ایک کے بعد دوسری پالیسی آزمائی لیکن جب دونوں دفعہ ناکامی ہوئی تو پھر ماؤزے تنگ نے بڑی تگ و دو کر کے ایسا طریقہ وضع کیا جس میں انقلابی تشدد اور مصلحت آمیز سمجھوتہ بازی کے اصول یکجا ہو گئے تھے۔ اور بالآخر اسی طریقِ کار سے کامیابی کی راہ ہموار ہوئی۔

چینی کمیونسٹ پارٹی اور کومنتانگ کے درمیان اشتراکِ عمل جس طرح ختم ہوا ہے اس میں تین منزلیں آتی ہیں۔ پہلی منزل وہ وقفہ تھا جس میں سٹالن یہ طے کر رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ ووہان میں کومنتانگ کے رہنماؤں سے مفاہمت کے لئے سرتوڑ کوششیں بھی جاری تھیں۔ دوسری منزل وہ تھی جب وانگ چنگ وی اور تانگ شنگ چی کے ساتھ تعاون برقرار رکھنے کے لئے کوشش ہو رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بنیادی عوامی سطح پر کمیونسٹوں کا تسلّط بھی قائم کیا جا رہا تھا۔ جس کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ جولائی میں ووہان والوں سے قطع تعلق ہو گیا۔ تیسری منزل وہ تھی جب ایک موہوم امید پر آخری مرتبہ کوشش کی گئی کہ کومنتانگ کے پرچم تلے کام کیا جائے۔

چیانگ کائی شیک کے شنگھائی پر قبضہ کے دو ہفتے بعد ووہان میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی پانچویں کانگرس منعقد ہوئی۔ اس میں جو بحثیں ہوئیں وہ بے حد الجھی ہوئی تھیں۔ اس انتشار کا سبب سٹالن کی پالیسی کے

بنیادی تضادات کے علاوہ یہ بھی تھا کہ اس کانگرس میں موجود دو سوویت نمائندوں کی ماسکو کے نقطۂ نظر کی تشریحات میں بھی کوئی مطابقت نہیں تھی۔ بورودین سرکاری طور پر کومنتانگ حکومت کا مشیر تھا۔ اور ابھی تک چین میں ماسکو کا سب سے زبردست فرستادہ وہی تھا۔ مگر حال ہی میں کومنٹرن کا ایک مندوب بھی یہاں آن پہنچا تھا۔ یہ ہندوستانی کمیونسٹ ایم این رائے تھا۔ رائے نے ۱۹۲۰ء کی دوسری کومنٹرن کانگرس کے وقت سے جو طریقہ اختیار کر رکھا تھا وہی طریقہ وہ یہاں برت رہا تھا۔ یعنی ظاہر میں تو وہ مرّوج اور مستند عقائد کی حمایت کرتا تھا لیکن اصل میں وہ انھیں کچھ اس طرح توڑتا مروڑتا تھا کہ کمیونسٹوں کے بورژوا اتحادیوں کے خلاف جماعتی تعصب کو ہوا ملتی تھی۔ اس کے برخلاف بورودین کومنتانگ کے بائیں بازو کے رہنماؤں سے مفاہمت کے معاملہ میں سٹالن سے بھی چار قدم آگے تھا اور چن توشو اس کا حامی بنا ہؤا تھا۔

ان دو اشخاص کے درمیان جو بُعد تھا اس کی نرالی اور دلچسپ مثال یہ ہے کہ بورودین نے شمال مغربی نظریہ پیش کیا، اور رائے نے اسے رد کر دیا۔ یہ نظریہ یہ تھا کہ کمیونسٹ پارٹی عارضی طور پر پیچھے ہٹ کر ساحل کے عقبی علاقوں میں منتقل ہو جائے جہاں رجعت پسند طاقتیں اتنی مضبوط نہیں تھیں جتنی بڑے بڑے ساحلی شہروں میں تھیں۔ بادی النظر میں تو یہ وہی صورت ہے جو ماؤ نے بعد میں واقعتاً اختیار کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا مقصد اُس وقت بالکل ہی مختلف تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ کمیونسٹوں کے اختیار کے تحت ایک آزاد مسلح فوج قائم کی جائے۔ بلکہ یہ کہ ایک فوجی رہنما کی پناہ سے نکل کر دوسرے فوجی رہنما کے سائے میں پناہ لی جائے۔ "تانگ شنگ چی کے رویّے پر تشویش و اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ پس عافیت اس میں نظر آئی کہ اس کی زد سے نکل کر عیسائی جنرل فنگ یوشیانگ کی عنایات پر بھروسہ کیا جائے، اس خیال سے ایک منطقی نتیجہ بورودین اور چن توشو نے یہ مرتب کیا کہ وہاں کی کومنتانگ پکنگ پر قبضہ کے جو منصوبے بنا رہی ہے کمیونسٹوں کو اُن کی حمایت کرنی چاہیے" تاکہ پکنگ پر قبضہ کے بعد فنگ کا حلقۂ اثر شمال میں بھی پھیل سکے۔

رائے بالکل دوسرے نقطۂ نظر کا حامی تھا۔ اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ کمیونسٹوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ انقلاب کے دائرے کو "پھیلانے" (جس کا مطلب انقلاب کو کمزور کرنا بھی تھا) کی بجائے اس میں گہرائی پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پھر اپنے پرانے ٹھکانے کوانگ تنگ میں اکٹھے ہوں جہاں انقلابی مادہ آخری حد تک پک چکا تھا، اور زرعی انقلاب کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔

اصل میں اُس وقت زرعی انقلاب ہی وہ کسوٹی تھی جس پر وہان کی حکومت پرکھی جا رہی تھی۔ صرف زرعی اصلاحات ہی کے ذریعہ سے دیہات میں طبقوں کے تعلقات کو تبدیل کیا جا سکتا تھا، اور بالآخر اسی ذریعہ سے پرولتاریوں کی اجارہ داری قائم ہو سکتی تھی۔ کانگرس نے جو روش اور معاملات میں اختیار کی وہی اس سوال پر بھی اختیار کی یعنی اس بارے میں بھی اس نے نومبر دسمبر ۱۹۲۶ء والے ساتویں کومنٹرن اجلاس کی ہدایات کی پیروی کی ٹھانی۔ حالانکہ اس وقت سے اب تک حالات بالکل ہی بدل چکے تھے زرعی سوال پر ہدایات ایسی واضح نہیں تھیں۔ سٹالن نے چینی کمیونسٹوں کو مشورہ یہ دیا تھا کہ زرعی اصلاحات کے لئے ضرور کام کیا جائے مگر صرف اس حد تک جس حد تک یہ چیز کومنتانگ کے لئے قابلِ قبول ہو۔ ساتویں اجلاس میں واضح طور پر یہ کہا گیا تھا کہ جو رجعت پسند فوجی اور زمیندار کومنتانگ حکومت کے خلاف خانہ جنگی میں مصروف ہیں، صرف ان کی زمینیں ضبط کی جائیں۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی پانچویں کانگرس میں اس مسئلہ پر جو بحثیں ہوئیں ان میں آراء کے تین نمایاں رخ تھے، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کانگرس کو چاہیئے کہ بلا تکلف ساتویں اجلاس کا طے شدہ ضابطہ قبول کرے جو یہ تھا کہ صرف انقلاب کے مخالفوں کی اراضی ضبط کی جائیں۔

۲۔ سیاسی ضبطی کا اصول برقرار رہنا چاہیئے۔ لیکن ساتویں اجلاس کے طے شدہ ضابطہ کا عمل اُلٹے رُخ سے شروع کیا جانا چاہیئے تاکہ بارِ ثبوت زمینداروں پر پڑے یعنی رجعت پسندوں کی زمینیں ضبط کی جائیں۔ لیکن ان زمینداروں کو جو انقلابی ہوں مستثنیٰ قرار دے دیا جائے اُن کا انقلابی ہونا اس بات سے ثابت ہونا چاہیئے کہ انقلابی فوج کے رہنماؤں سے ان کا کیا رشتہ ہے۔

۳۔ ساری زمین فوراً ضبط کر لی جائے۔

اس بحث میں ماؤ نے کیا کردار ادا کیا۔ سوانح عمری میں ماؤ نے یہ دعوےٰ کیا ہے کہ اس نے ہونان کی کسان تحریک کی رپورٹ میں ایسی تجاویز پیش کی تھیں جو کسان تحریک کی ایک نئی نہج کی نشاندہی کرتی تھیں۔ مگر چن تو شو کی موقع پرستی کی بدولت پانچویں کانگرس میں ان تجاویز پر بحث تک نہیں ہوئی۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ ماؤ کی رپورٹ کے پہلے مسوّدے میں زرعی اصلاحات کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ کوئی سفارش نہیں کی گئی تھی۔ لیکن جیسا کہ پچھلے باب میں ذکر ہو چکا ہے ماؤ نے اپنے ہونان کے تجربے کی بنیاد پر نمایاں انقلابی تجاویز مرتب کیں اور کمیونسٹ پارٹی کی کانگرس سے تھوڑے دن پہلے انھیں کومنتانگ کی

اراضی کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا۔ ماؤ کا نقطۂ نظر کہ جس شخص کے پاس ساڑھے چار ایکڑ سے زیادہ زمین ہو وہ انقلاب دشمن ہے۔ اس تصور کے اعتبار سے مندرجہ بالا تیسرے نقطۂ نظر سے زیادہ قریب تھا۔ (لیکن کومنتانگ نے جو نقطۂ نظر منظور کیا تھا وہ مندرجہ بالا دوسرا نقطۂ نظر تھا، وہ کم و بیش "سیاسی ضبطی" کی پالیسی کے مطابق تھا۔ کانگرس نے بھی آخر میں اسے ہی منظور کیا)۔

پس اپریل ۱۹۲۷ء میں ماؤ کا تعلق چینی کمیونسٹ پارٹی کے بائیں بازو سے تھا۔ اگرچہ وہ بائیں بازو کے انتہا پسندوں میں شامل نہیں تھا۔ اس لئے کہ کومنتانگ اراضی کمیٹی کے اپریل والے جلسہ میں بعض کمیونسٹوں نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اُسے جس حد تک آگے بڑھنا چاہئے تھا وہ آتنا نہیں بڑھا۔ لیکن اگر ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اسی وقت اس کا موقف کتنا منفرد تھا اور مستقبل کے لئے اس کے کیا مضمرات تھے تو ہمیں صرف یہی نہیں دیکھنا چاہئے کہ وہ کن لوگوں کی زمینیں ضبط کرنے کے حق میں تھا بلکہ اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اُس نے ضبطی کا لائحۂ عمل کیا تجویز کیا تھا۔ اراضی کمیٹی کے اپریل کے جلسوں میں اس نے یہ سفارش کی تھی کہ کسان خود عملی اقدام کریں خواہ یہ اقدام اقتصادی ضبطی کی صورت میں ہو یعنی لگان ادا کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ یا پھر واقعتاً کسان سبھاؤں کے مقامی اداروں کے ذریعے سے زمینوں کی از سر نو تقسیم کی جائے۔ غالباً کمیونسٹ پارٹی کانگرس میں بھی اُس نے اسی نہج کی وکالت کی تھی۔ مگر وہاں اس نے یہ رنگ دیکھا کہ وانگ چنگ وہ اور تان پنگیائی کی طرح چن تو شو اور پارٹی کے دوسرے بہت سے رہنما بھی اس پر آمادہ نہیں تھے کہ اپنی تقدیر کسانوں کی "غیر منظم" سرگرمیوں کے حوالے کر دیں اور ماؤ اس لحاظ سے ضرور حقیقت پسند تھا کہ اس نے سوچا کہ جس پالیسی کو مرکزی کمیٹی نے بھی اور اور انٹرنیشنل کے نمائندوں نے بھی رد کر دیا ہے اس کی کب تک حمایت کی جا سکتی ہے۔ (ری ایے تنگ نے بھی بالآخر اسی پالیسی کی حمایت کرنے کی ٹھانی جس کی بنیاد سمجھوتے کے اصول پر تھی اور جس کے تحت چھوٹے زمینداروں اور انقلابی افسروں کی زمینوں کو ضبطی سے بری کر دیا گیا تھا) اس لئے ماؤ نے عارضی طور پر کسانوں کے عملی اقدام کی وکالت ترک کر دی۔ لیکن اس بات سے بہر حال اسے ہمیشہ تعلقِ خاطر رہا کہ عوام کو میدانِ عمل میں لایا جائے اور ان کے ذریعے معاشرتی و اقتصادی تبدیلی لائی جائے۔

تھوڑے دن بعد ماؤ کانگرس کا رنگ دیکھ کر بددل ہو گیا۔ اس نے بیماری کا بہانہ کیا اور کانگرس میں شریک ہونا چھوڑ دیا۔ پیکنگ کے مؤرخ یہ کہتے ہیں کہ ماؤ نے ایسا اس لئے کیا کہ چن تو شو نے اسے

اظہار خیال سے روک دیا تھا۔ اور شاید وہ اس پر بھی آزردہ ہوا ہو کہ اُسے چینی کمیونسٹ پارٹی کے کسانوں کے شعبہ سے ہٹا کر چو چو پائی کو اس کی جگہ سربراہ مقرر کر دیا گیا تھا۔

پانچویں کانگرس میں کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے رہنماؤں کے درمیان ظاہری طور پر خاصے برادرانہ جذبات کا مظاہرہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ کومنٹرن کے نمائندے رائے نے کمیونسٹوں کے اغراض و مقاصد نہایت غیر دانشمندانہ طور پر صاف صاف بیان کر دیئے۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً قوم پرست رہنماؤں نے اسی وقت طے کر لیا ہو کہ بالآخر پھوٹ پڑ کر رہے گی۔ ۴ مئی کو رائے نے چینی انقلاب کی روش کے بارے میں ساتویں کومنٹرن کانفرنس کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے ایک رپورٹ تیار کی اور کانگرس کے سامنے پیش کر دی۔ ووہان حکومت کا نمائندہ وانگ چنگ وی یہ رپورٹ سننے کے لئے خاص طور پر اس اجلاس میں آیا۔ ایسے مجمع میں چیانگ وانگ اور کومنتانگ کی دوسری نامی گرامی شخصیتیں بیٹھی تھیں۔ رائے نے اس قسم کے اعلانات کئے:-

"کمیونسٹ پارٹی اس حکومت میں اسی وجہ سے شامل ہو رہی ہے کہ یہ انقلابی حکومت ہے۔ انقلاب اس وقت جس منزل میں ہے اسی میں جد وجہد کی زمام پرولتاریوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور پارٹی قومی انقلابی حکومت میں اس وجہ سے شامل ہو رہی ہے کہ سرکاری مشین استعمال کر کے اقتدار کی باگ ڈور سنبھال لے۔"

سیدھی سچی زبان میں اس کا مطلب یہ تھا کہ بھائیو ہم تمہاری حکومت میں اس نیت سے شامل ہو رہے ہیں کہ اس پر قبضہ کریں۔ اس تقریر کے بعد وانگ کھڑا ہوا اور کہا کہ اسے رائے صاحب سے پورا پورا اتفاق ہے۔ شہری متوسط طبقہ کو (جس کی ترجمانی، یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کومنتانگ کے عہدہ داران کر رہے تھے) پرولتاریوں کی طرح سوشلزم کی طرف قدم بڑھانا چاہیے۔ مگر وانگ کے خلوصِ نیّت پر بجا طور پر شک کیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ رائے نے وانگ سے اور کومنتانگ کے دوسرے نچلے بورژوا رہنماؤں سے اس انداز میں بات کر کے غیر دانشمندی کا ثبوت دیا تھا۔ مگر اس کا موقف سٹالن کے موقف کے عین مطابق تھا۔ سٹالن کا یہ موقف آٹھویں کومنٹرن کانفرنس کی اس قرارداد میں بیان ہوا ہے جو ۳۰ مئی کو منظور ہوئی تھی۔ کومنٹرن نے چینی کمیونسٹوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ کومنتانگ کو پھر سے منظم کرنے پر زور دیا جائے اور کوشش

یہ کی جائے کو منتانگ عوامی جماعتوں کے ایک غیر پیوستہ فیڈریشن کی حیثیت اختیار کرے۔ اس فیڈریشن کو آسانی سے کام میں لایا جاسکے گا اور اس طرح سے تین طبقاتی بلاک، کو مزدوروں اور کسانوں کی آمریت کی صورت میں آسانی سے منتقل کیا جا سکے گا اور وہاں حکومت میں پرولتاریوں (یعنی کمیونسٹوں) کی اجارہ داری قائم ہو سکے گی۔ یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ ایک ہی وقت میں اوپر یعنی حکومت کی سطح پر بھی اور نیچے یعنی عوام کی سطح پر بھی عمل کیا جائے اور اس دہرے عمل کے ذریعہ زرعی انقلاب کو آگے بڑھایا جائے اور فوج میں تبدیلی پیدا کی جائے۔

اس مشورے کا مطلب کچھ اس قسم کا تھا جیسے کو منتانگ کے سیاستدانوں اور جرنیلوں سے یہ گزارش کی جائے کہ آپ حضرات اپنے لئے ایک بڑی سی قبر کھودیں تاکہ کمیونسٹ آپ کو اس میں دھکا دے سکیں اس لحاظ سے یہ مشورہ خاصہ تعجب خیز ہے لیکن اگر اس کا موازنہ ان ہدایات سے کیا جائے جو انہیں دنوں شالن نے چینی کمیونسٹوں کے نام بھیجی تھیں تو اس مشورے میں بہت دوراندیشی نظر آئے گی۔ وہ ہدایات یہ تھیں :

"زرعی انقلاب کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ زرعی انقلاب نہ آیا تو کو منتانگ کی مرکزی کمیٹی غیر معتبر جرنیلوں کے ہاتھوں میں ایک فضول سا کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ زیادتیوں کی روک تھام ہونی چاہیئے لیکن فوج کے ذریعہ نہیں بلکہ کسان سبھاؤں کے ذریعہ۔۔۔۔

کو منتانگ مرکزی کمیٹی کے بعض پرانے رہنماؤں کو ڈر ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ ڈانواں ڈول ہیں اور سمجھوتا بازیاں کر رہے ہیں۔ کو منتانگ کی مرکزی کمیٹی میں نچلے طبقے سے نئے کسان اور مزدور رہنماؤں کو بڑی تعداد میں شامل کرنا ضروری ہے۔ ان کے جوش و خروش سے پرانے رہنما یا تو اپنی جگہ پر زیادہ مضبوط ہو جائیں گے یا پھر ان کی کمان ختم ہو جائے گی۔

نامعتبر جرنیلوں کا محتاج بن کر رہنے کا سلسلہ فوراً ختم کرنے کی ضرورت ہے ہونان اور ہوپائی سے بیس ہزار کمیونسٹ اور پچاس ہزار انقلابی کارکن بھرتی کر کے مختلف فوجی دستے ترتیب دو۔ سکول کے طلبا کو فوجی کمانڈر بنا کر ان سے کام لو۔ اور اپنی ایک قابلِ اعتبار فوج جلدی تیار کرو پیشتر اس کے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔۔۔۔ یہ مشکل معاملہ ہے۔ مگر اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔۔۔۔"

یہ دستاویز ستم ظریفی کا کتنا بڑا شاہکار ہے یہ آپ اس وقت سمجھ سکتے ہیں جب اس دور کے چین کی حقیقی صورت حال کو سامنے رکھ کر اسے دیکھیں۔ چین میں اُس وقت اگرچہ "تانگ ٹسنگ چی" خود انقلابی فوجی کا روپ بدستور دھارے ہوئے تھا مگر اس کے بعض ماتحتوں نے اپنی روش سے زرعی شورش کے نتائج کے بارے میں بے اطمینانی ظاہر کرنی شروع کر دی تھی۔ اپریل کے جلسوں میں ہوچین نے اس بے اطمینانی کی ترجمانی کی تھی۔ چودھویں آزاد ڈویژن مغربی ہوپائی میں اچیانگ کے مقام پر تعینات تھی۔ وسط مئی میں اس کے کمانڈر جنرل شیاتوین کو نانکنگ سے چیانگ کائی شیک کا حکم موصول ہُوا کہ وہ ہان پر چڑھائی کر دو۔ اگرچہ شیا اصل میں "تانگ ٹسنگ چی" کی کمان میں تھا مگر اس کے باوجود اس نے ۱۸ مئی کو ووہان حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ دیکھ کر کمیونسٹ جنرل یے تنگ کی کمان میں زیر تربیت فوجی جوان اور دوسرے لوگ جلدی جلدی اکٹھے کئے گئے۔ جو شیا کے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ حملہ آور ووہان سے صرف پچیس ۲۵ میل دور رہ گئے تھے جب یے تنگ کی افواج نے انھیں روکا اور یوں حالات کو قابو میں کیا۔ ادھر ہونان میں مزدوروں اور کسانوں کی جماعتوں کے درمیان کشیدگی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ یہ آگ کچھ تو کومنتانگ کے اُن ارکان نے بھڑکائی تھی جو کمیونسٹ پارٹی کے بھی ممبر تھے، کچھ اس میں مقامی فوجوں کا ہاتھ بھی تھا۔ ۲۱ مئی کو ایک اور واقعہ ہُوا۔ چانگشا میں ہوچین کی پینتیسویں ۳۵ فوج کی تینتیسویں ۳۳ رجمنٹ کے کمانڈر کرنل شیوکیشیانگ نے جنرل ہو کے براہ راست حکم پر اچانک کمیونسٹوں اور ان کے حامیوں پر حملہ کر دیا۔ چانگشا کے قریب کئی سو کسان فوجی رضاکاروں کو مشین گن سے اڑا دیا گیا۔ ممتاز کمیونسٹ گرفتار کر لئے گئے اور صوبائی مزدور سبھا اور کسان سبھا کو توڑ دیا گیا۔ اس اقدام کا سلسلہ براہ راست شیاتوین کے اقدام سے ملتا تھا جس نے پیش قدمی کر کے ووہان اور چانگشا کے درمیان ریل کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ پھر اس نے افواہوں کا بازار گرم کر کے واقعات کی رفتار کو مہمیز لگائی۔ شو اور ہو نے بھی اسی طور ٹسنگ چی اور بائیں بازو والے کومنتانگ سے اپنی وفاداری ختم کر کے چیانگ کائی شیک سے ناطہ جوڑا۔ چیانگ نے کرنل شو کو اس کا انعام یہ دیا کہ ایک ڈویژنل کمانڈ اس کی ماتحتی میں دے دی۔

کمیونسٹوں پر اور ان پالیسیوں پر جن کی وہ ترجمانی کر رہے تھے ان تابڑ توڑ حملوں کے پیش نظر بورودین زیادہ سے زیادہ یہی کر سکا کہ بڑی لمبی چوڑی بحثوں کے بعد ایک تحقیقاتی کمیشن تشکیل کروا دیا۔ جس میں خود اُس کے علاوہ تانگ ٹسنگ چی، چن کنگ پو اور دو افسر تانگ کے عملہ سے بھی شامل تھے۔

یہ لوگ چانگشا روانہ ہوئے مگر آدھے رستے میں تھے کہ شو کیشیانگ نے انھیں جان سے مارنے کی دھمکی دے کر واپس کر دیا۔ صرف چن کنگ پو کو چانگشا جانے کی اجازت ملی۔ تانگ شنگ چی کے سابق ماتحتوں نے ہونان میں جو کمیونسٹ دشمن سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں اس نے دبے دبے لفظوں میں اس کی مذمت تو ضرور کی مگر اُس کا سارا احتجاج زبانی رہا۔

ان حالات میں سٹالن کے احکامات پر کیسے عمل کیا جا سکتا تھا۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کو جب سٹالن کا تار ملا تو اس پر غور کیا گیا۔ کمیٹی کے سارے ارکان کی متفقہ رائے تھی کہ کومنتانگ سے زرعی اصلاحات کی بات کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ لہٰذا انھوں نے یہ طے کیا کہ ہدایات کے صرف نصف حصّہ پر عمل کیا جائے۔ یعنی کسانوں کو زیادتیاں کرنے سے روکا جائے۔ اب یہ کام ماؤ کا تھا کیونکہ کل چین کسان فیڈریشن کی مجلسِ عاملہ کا سب سے سرگرم کمیونسٹ ممبر وہی تھا۔ اس فرض کو وہ بیشک بہت ایمانداری سے بجا لایا۔ مگر اس دَوران میں اُسے بہت ذہنی کرب سے گزرنا پڑا۔ سٹالن کے جس تار کو اوپر نقل کیا گیا ہے اس کے موصول ہونے سے چند ہی دن پہلے کسان فیڈریشن نے ۱۲ مئی کے فتنِ عام پر ضبط وتحمل کی اپیل کی تھی۔ جون کے پورے مہینے میں ماؤ اور اس کے رفقا کسانوں کے غم و غصّہ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اگرچہ زمیندار لوگ کسان سبھاؤں کے خلاف جو زہر پھیلا رہے تھے انہوں نے اس کی بھی مذمّت کی۔ اور یہ اعلان بھی کیا کہ جب تک دیہات میں رجعت پسند جاگیردار طاقتوں کو کچل نہیں دیا جاتا وہاں کی قومی حکومت کو استحکام نصیب نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ ماؤزے تنگ کومنتانگ کی قائم کی ہوئی اس تنظیم میں ابھی تک شامل تھا اور کسان تحریک تربیتی ادارے کی ابھی تک سربراہی کر رہا تھا۔ جس کی ایک شاخ وہاں بھی کھل گئی تھی تو وہ در اصل چینی کمیونسٹ پارٹی کی پالیسی کو بجا لا رہا تھا۔ ۴ جون کو مرکزی کمیٹی نے ایک اعلان نامہ کے ذریعہ ہونان کے کسانوں کو تنبیہہ کی گئی تھی کہ وہ سپاہیوں کے خاندان والوں کی زمینوں پر دست درازی نہ کریں۔ کمیٹی کا کہنا تھا کہ "اس قسم کی طفلانہ حرکتوں سے رجعت پسند عسکریوں اور نوکر شاہی والوں کو کسان تحریک کے خلاف سپاہیوں کو بھڑکانے کا اچھا موقعہ مل جاتا ہے۔ کسان سبھاؤں کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ ان طفلانہ حرکات سے لوگوں کو منع کریں۔" تاکید یہ کی گئی کہ کسان "عوامی حکومت کو چانگشا میں پھر سے اپنی سیاسی طاقت قائم کرنے میں مدد دیں۔" اور بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ سٹالن کی خوش فہمیوں کے برعکس

"عوامی حکومت" انقلاب دشمن عسکریت پسندوں کو درست کرنے کی مطلق نیت نہیں رکھتی تھی۔ اس کے برخلاف وانگ چنگ وی نے فنگ یوشیانگ سے چیانگ کائی شیک کے ساتھ مفاہمت کرنے کے متعلق بات شروع کر دی تھی۔ وانگ نے چیانگ سے مفاہمت کا جو فیصلہ کیا تھا اس کا فوری سبب ایم این رائے کی اُس سے سٹالن کے ۲۰ مئی والے تار کا مضمون سنانے کی معروف حرکت تھی۔ بورودین اور چینی کمیونسٹوں کے برخلاف ایم این رائے سٹالن کی ہدایات کو نیک نیتی سے ایک ایسے انقلاب کے لئے عمل میں لانے کا قائل تھا، جو بیک وقت بالائی سطح پر بھی ہوا اور نچلی سطح پر بھی۔ مگر مرکزی کمیٹی میں اس کی بات نہیں چلی۔ تب اس نے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ سٹالن کی تجویز یہ تھی کہ کومنتانگ کا پورا اختیار کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں آ جائے۔ رائے نے سوچا کہ اگر وانگ سے اس تجویز پر صاد کرا لیا جائے تو اس کے ساتھی اس کی بات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ کوئی معقول بات تو تھی نہیں لیکن اس کے نتائج کا اندازہ لگاتے ہوئے مبالغہ سے کام لینا غلط ہو گا۔ وہاں اور کمیونسٹوں میں بگاڑ تو لازم تھا۔ رائے کے اس اقدام سے زیادہ سے زیادہ یہ ہُوا کہ جو قطع تعلق ایک یا دو ہفتے بعد ہوتا وہ ایک یا دو ہفتے پہلے ہو گیا۔ بہرحال ۱۵ جولائی کو قطعی طور پر قطع تعلق ہو گیا۔ آخری وقت قطعی مایوسی کے عالم میں بھی کچھ اقدامات کئے گئے مگر حالات کا رُخ نہ بدل سکا۔ مثلاً تانگ پنگشان نے جولائی کے آخر میں وزارت زراعت سے استعفا دیا اور ساتھ ہی یہ معذرت کی کہ میں کسانوں کو راہِ راست پر لانے میں ناکام رہا۔ لیکن اس اقدام کا بھی کوئی اثر نہیں ہُوا۔

ماؤ نے جب نو سال بعد ۱۹۲۷ء کے واقعات کا جائزہ لیا تو اس نے سب سے زیادہ الزام چن توشو کی گردن پر رکھا۔ لیکن اسی کے ساتھ اس نے کومنٹرن کے دونوں نمائندوں کا بھی بہت سخت محاکمہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ "رائے بے وقوف آدمی تھا۔ بورودین نے فاش غلطیاں کیں اور چن دانستہ طور پر غداری کا مرتکب ہُوا۔" اس نے سٹالن کا ذکر تو نہیں کیا لیکن اس سانحہ میں روسی رہنما نے جو کردار ادا کیا وہ یقیناً اس کے ذہن سے محو نہیں ہُوا تھا۔ پچیس برس بعد جب چینیوں اور خروشیف کے درمیان معرکہ پڑا تو چینیوں نے اس کا اقرار کیا اور کہا کہ "سٹالن کی حمایت کرتے وقت ہم سٹالن کی غلطیوں کی حمایت نہیں کرتے۔ چینی کمیونسٹوں کو تو بہت پہلے اس کی بعض غلطیوں کا تجربہ ہو چکا ہے۔" یقیناً اسی تجربے نے ماؤ کو اکسایا کہ اس نے آگے چل کر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک نئی راہ نکالنے کی کوشش کی، ایسی راہ جو چین کی اپنی راہ ہو۔

ووہان سے قطع تعلق ہونے کے بعد کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے درمیان اشتراکِ عمل کا شیرازہ اور زیادہ



وہ کمرہ جس میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی پہلی نیشنل کانگریس شروع
کی گئی۔



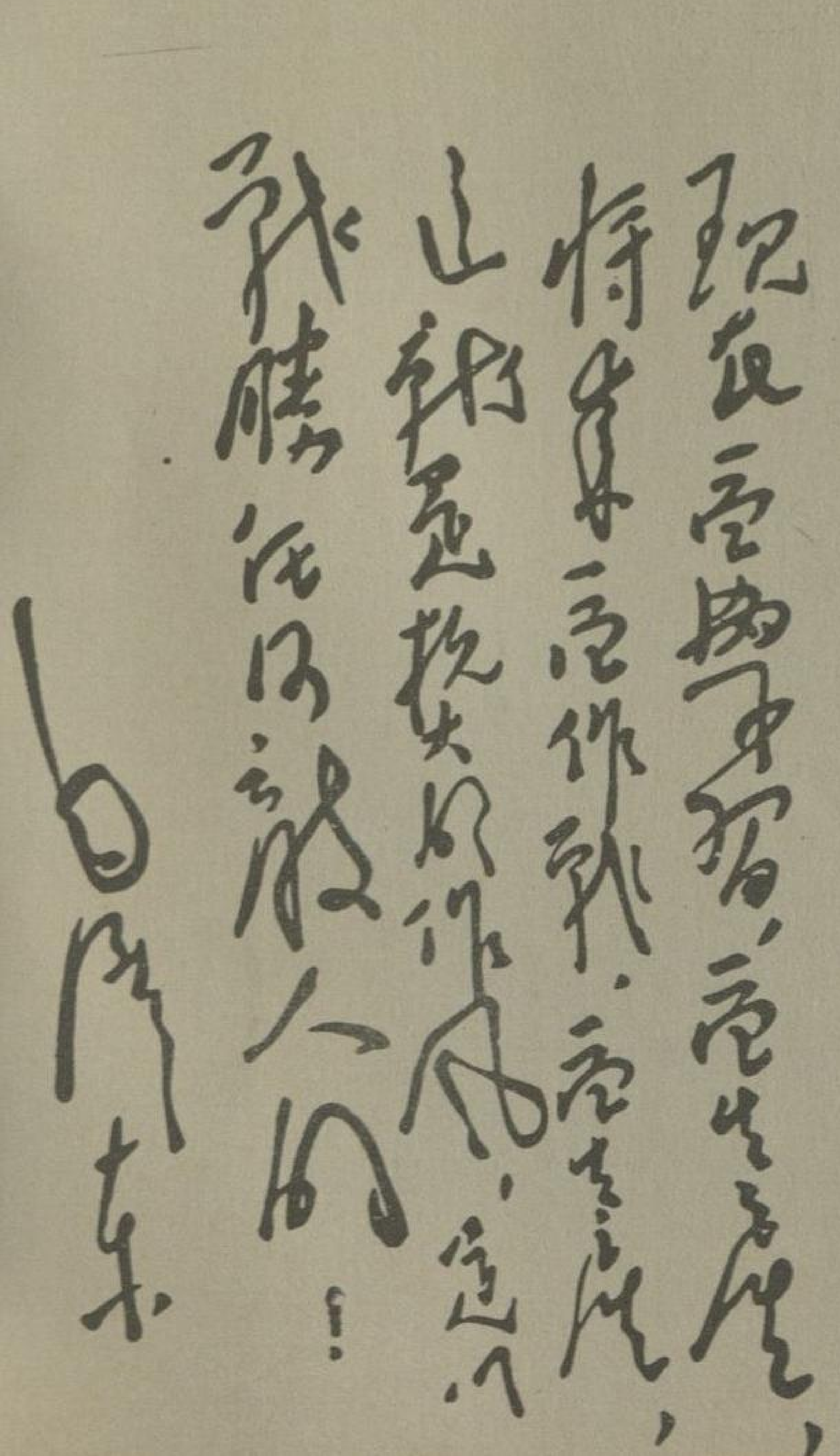
ھائی میں وہ مقام جہاں چینی کمیونسٹ پارٹی کی پہلی نیشنل کانگریس
عقد ہوئی۔



نین ہو جھیل میں اس کشتی کا خاکہ جس میں پہلی نیشنل کانگریس کے
مندوبین نے اپنا جلسہ منتقل کیا تھا۔



ماؤزے تنگ کی ۱۹۳۷ کی تصویر: ینان میں جاپان دشمن ملٹری اینڈ پولٹیکل کالج سے خطاب کرتے ہوئے۔



جاپان دشمن ملٹری کالج کے لئے ماؤ کا لکھا ہوا ایک نقش

"ابھی آپ لوگ علم حاصل کریں۔ اور پیداوار میں مصروف رہیں۔ یہی جاپان دشمن ملٹری اور پولٹیکل کالج کا اسلوب ہے۔ اور اسی سے ہم دشمن پر فتح حاصل کریں گے۔"



تائین زین صوبے کے مضافات کا معائنہ کرتے ہوئے
۱۹۵۸ میں ماؤزے تنگ کی تصویر :



جاپان کے ساتھ مزاحمتی جنگ کے دوران میں ماؤ یانگ
چیالنگ کے کسانوں کے ساتھ۔




ماؤزے تنگ البانیہ کے حکومتی وفد کے ہمراہ



۱۹۶۴ء میں ماؤزے تنگ افرو ایشیائی ادیبوں کے ساتھ۔



ماؤزے تنگ ۱۹۶۶ء میں گرمیوں میں پاکستانی پارلیمانی
وفد کے ہمراہ۔



- ماؤزے تنگ جولائی ۱۹۶۶ء میں یانگ زی دریا میں تیراکی کے بعد۔

پیراکی[1]

ابھی ابھی میں نے آب دریائے چانگشا کا مزا چکھا ہے،
ووچانگ کی مچھلیوں کی لذت سے یہ زبان آشنا ہوئی ہے،
ہزار میلوں میں بہتے دریا کو پار کرتا ہوں
دور چُو[2] کی کھلی فضاؤں میں آسمانوں کو تک رہا ہوں،
یہ شور کرتی ہوئی ہوائیں، کہ زور کرتی ہوئی یہ لہریں،
بھلا مجھے ان کی کب ہو پروا
کہ گھر کے آنگن میں چلنے پھرنے سے ان سے ٹکرانا خوب تر ہے۔

میں آج آزاد ہو گیا ہوں
کہ دیکھ کر ایک بہتا دریا عظیم استاد نے کہا تھا
تمام فطرت بہاؤ میں ہے[3]۔

یہ تند لہریں، یہ تیز دھارے
کہ جن میں لہراتے بادباں اپنی لہر میں ہیں۔
خموش ہیں سانپ اور کچھوے[4]
کہ اب یہاں آدمی کے منصوبے بن رہے ہیں۔
شمال سے ایک پل اڑے گا، جنوب جس کی پہنچ میں ہوگا
یہ گھاٹیاں جو بہت ہی گہری ہیں شارع عام بن کے چمکیں گی
اور دریا کے تیز دھاروں کو روکنے کو
بہت سی دیواریں پتھروں کی،
سب اپنے سینوں کو تان لیں گی[5]
ووشان کے بادلوں کو بارش کو روک لیں گی[6]
یہ گھاٹیاں تنگ وتار، ہموار جھیل بن کر ابل پڑیں گی۔
اگر پہاڑوں کی دیویوں کا وجود اب بھی ہوا کہیں پر
تو وہ ہماری بدلتی دنیا کو دیکھ کر چونک چونک اٹھیں گی۔

۱۔ مئی ۱۹۵۶ء میں مصنف نے دریائے یانگسی کو ووچانگ کے مقام سے ہانکو تک تیر کر عبور کیا۔ موسم گرما میں پھر دوسری اور تیسری بار اس دریا کو ہان یانگ سے ووچانگ تک عبور کیا۔ یہ نظم اس واقعہ سے متعلق ہے جب اس نے پہلی بار دریا کو عبور کیا۔

۲۔ ووچانگ قدیم مملکت چُو کا ایک علاقہ ہے۔

۳۔ کنفیوشس کے واقعات میں یہ درج ہے کہ اس دانشمند نے کسی دریا کے کنارے پر پہنچ کر یہ کہا تھا کہ: "ساری فطرت دن رات اسی طور مسلسل بہاؤ میں ہے"۔

۴۔ ہان یانگ کی کچھوا پہاڑی اور ووچانگ کی سانپ پہاڑی دریائے یانگسی پر ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ انہیں دونوں پہاڑیوں پر دریائے یانگسی کا پل تعمیر کیا گیا ہے۔

۵۔ اشارہ اس بند کی طرف ہے جو دریا کے دہانے کے قریب باندھا جانیوالا ہے۔

۶۔ دریائے یانگسی کے پہاڑی علاقے کا ایک مشہور پہاڑ ہے کہاوت یہ ہے کہ بادل اور بارش اس پہاڑ کی دیوی کے تابع فرمان ہیں۔



ماؤزے تنگ اپنے دستِ راست لن پیاؤ کے ہمراہ :



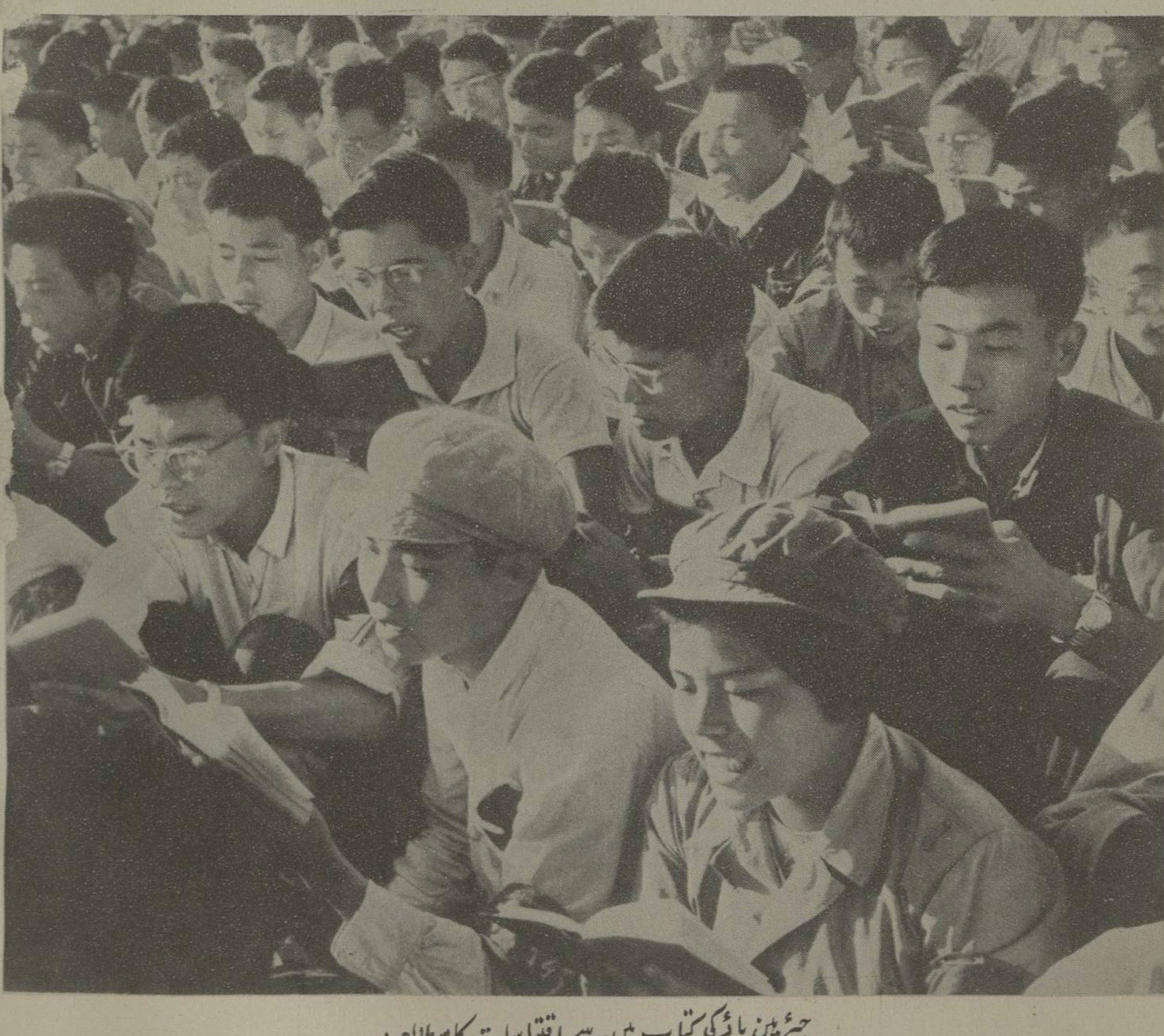
چین کے قومی دن کے موقعہ پر ماؤزے تنگ اور چو این لائی تائین آن مین
کے دروازے کے سامنے آتش بازی کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں۔



ایک ریڈ گارڈ لڑکی ماؤ کے بازو پر ریڈ گارڈ کا
نشان باندھ رہی ہے۔



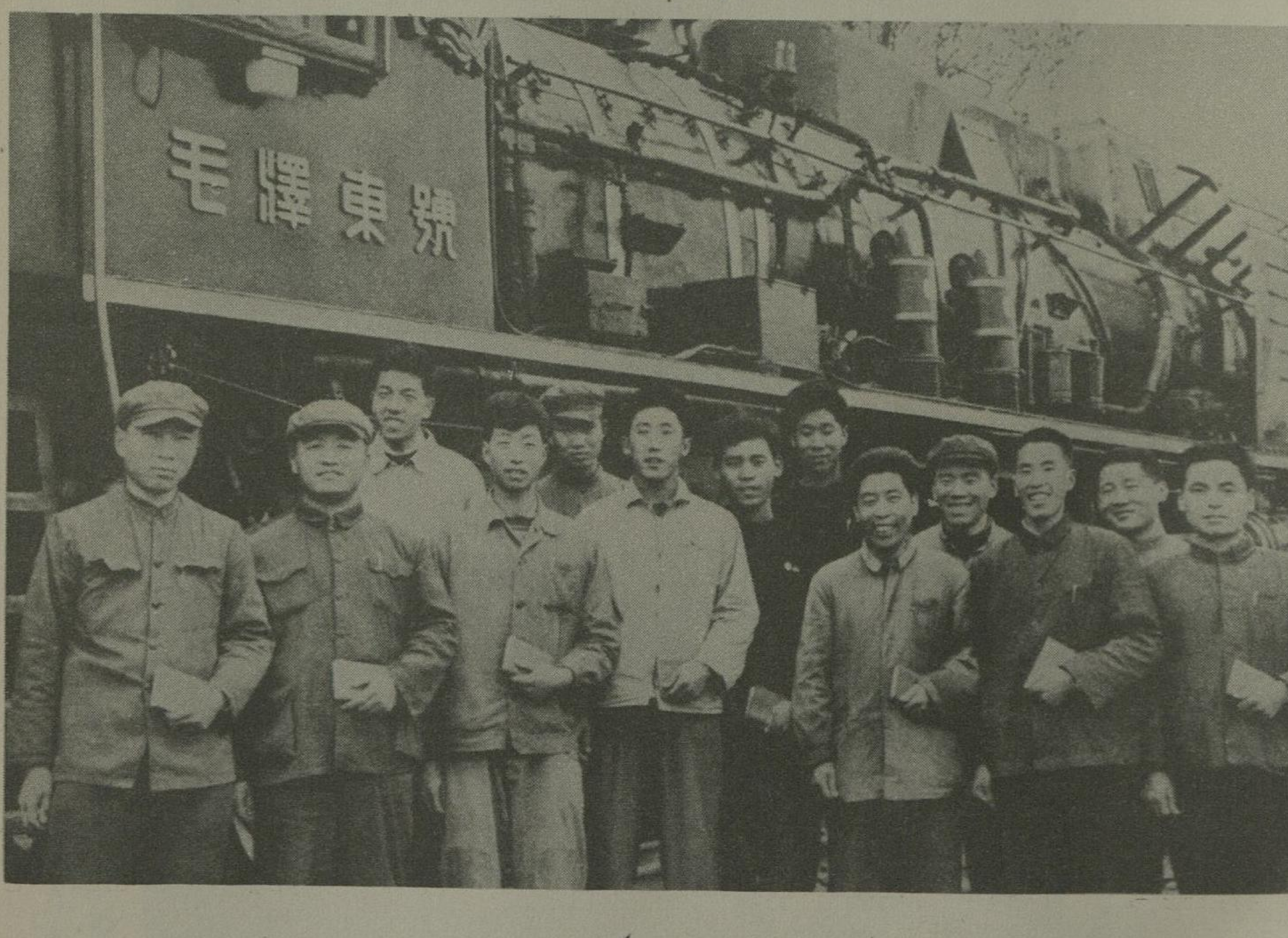
ریڈگارڈز چوک تائمین آن مین میں ۔



چیئرمین ماؤ کی کتاب میں سے اقتباسات کا مطالعہ:



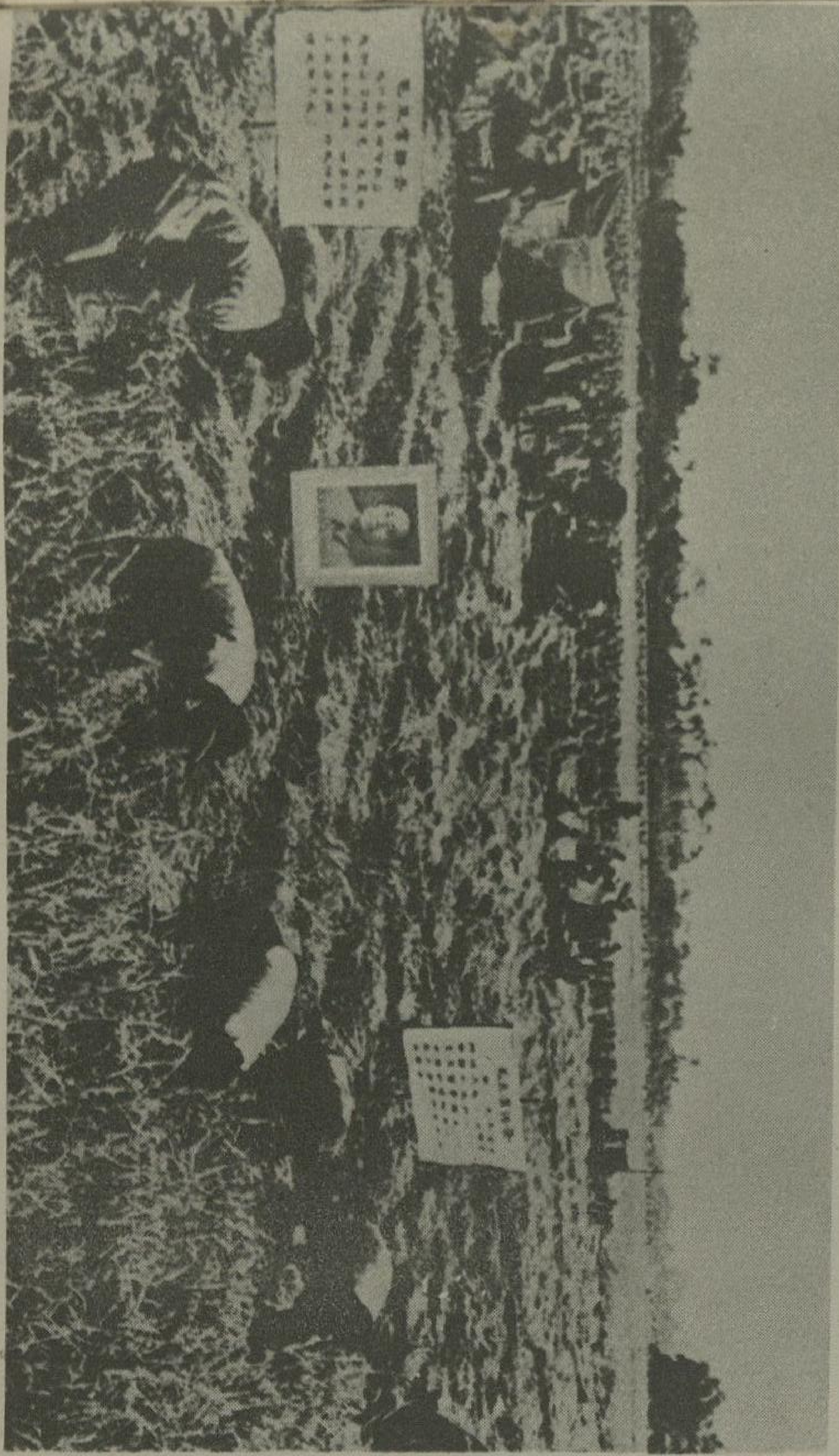
تاچنگ میں تیل کے ذخائر کی دریافت، جسے ماؤ زے تنگ
کے فکر کی کامرانی سمجھا جاتا ہے۔



ریلوے کے ملازمین کا ایک دستہ۔ ماؤ کی 'سرخ کتاب' کی جلدیں
ہاتھوں میں پکڑے ہوئے۔



یہ تصویر ایک چینی رسالے سے لی گئی ہے۔ اس پر یہ عنوان نصب ہے :-
"نیوچن جو ایک پرانا سٹور کیپر ہے چیئرمین ماؤ کے افکار کے مطالعہ کے سلسلے میں ریڈ بریگیڈ کی ترقی کی رفتار متعین کرتا ہے۔ ماؤ کے احکامات کے مطالعہ کی بدولت وہ اپنے کام میں پہلے سے زیادہ راست باز اور با اصول بن گیا ہے۔ عوام اسے سرخ محافظ کے لقب سے نوازتے ہیں۔ اور اس کے معترف ہیں۔"



زے کوان صوبے کی پہیہ سین کاؤنٹی کی ہنگ کوانگ پیپلز کمیون کے کسان دھان کے کھیت میں جھکے ہوئے۔ پس منظر میں ماؤ کی تصویر اور اسکے نظموں کے نقش نظر آرہے ہیں۔

۱۹۵۷ء کے موسم بہار میں لی شوئی نے اپنے خاوند لیوچی شون کی یاد میں جو ۱۹۳۳ء کی جنگ میں مارا گیا تھا ایک نظم لکھی اور ماؤ کو بھیج دی۔ اس نظم کے جواب میں ماؤ نے لیو اور اپنی اہلیہ یانگ کائی ہوئی جسے کومنتانگ والوں نے ۱۹۳۰ء میں ہلاک کر دیا تھا، دونوں کی یاد میں یہ نظم تحریر کی۔ لیوچی شون چینی کمیونسٹ پارٹی کی ہونان صوبائی کمیٹی کا رکن اور ہونان کے کسانوں کی صوبائی تنظیم کا سیکرٹری رہا تھا۔ اس نے یکم اگست ۱۹۲۷ء کی نانچانگ بغاوت میں حصہ لیا تھا۔ اور آخری وقت تک سرخ فوج کی طرف سے جنگ میں شریک رہا تھا۔ اپنے طور پر لی شوئی بھی یانگ کائی ہوئی کی بہت اچھی دوست تھی۔

یانگ کائی ہوئی کا استعارہ "سفیدے کا درخت" ہے۔ اور لیوچی شون کا "بیدِ مجنوں" ہے۔ چینی زبان میں ان دونوں الفاظ "یانگ" اور "لیو"، کو اکٹھا لکھا جائے تو اس سے مراد بھی بید کا پودا ہوتا ہے۔ اسی لئے نظم کا دوسرا مصرعہ نہ صرف دو گہری روحوں کی عمودی پرواز کو واضح کرتا ہے بلکہ بیدِ مجنوں کی شاخوں کے نرم ہوا میں اٹھکیلیاں لینے کی تصویر بھی بناتا ہے، وو کانگ کا کردار ایک پرانی داستان میں موجود ہے۔ اُسے ابدیّت کی تلاش کے جرم میں چاند پر اُگے ہوئے کیکر کے درخت کو ہمہ وقت کاٹتے رہنے کی سزا دی گئی تھی۔ درخت کو ایک بار کاٹ کر وہ کلہاڑی اٹھاتا تھا تو درخت پھر پہلے جتنا بلند ہو جاتا تھا۔ اور یوں اسے تا ابد اسی درخت کو کاٹتے رہنا تھا۔ ساتویں مصرعے میں شیر سے مراد کومنتانگ کی حکومت ہے۔ اور آخری بند ماؤ کے کھوئے ہوئے ساتھی کے اس جذبے کو بیان کرتا ہے جو اس نے انقلاب کی فتح پر محسوس کیا۔ شائد اسی لئے اس نظم کی سرکاری تشریح کے مطابق اسے بہت حد تک انقلابی رومانیت کے جذبے کا اظہار سمجھا گیا ہے۔

ماؤ کی خوشنوشت نظم "لافانی روحیں"
یہ نظم ماؤ نے اپنی اہلیہ کی یاد میں لکھی تھی !

ترا بید مجنوں، مرا سرو نازاں، یہ دونوں ہمیں چھوڑ کر چل دیئے ۔

زمیں تنگ دیکھی تو یہ روح بن کر بلند آسمانوں کی زینت ہوئے ۔

کسی نے جو وو کانگ سے جا کے پوچھا،

ترے پاس کچھ ہے جو تو نذر دے ؟

بڑی ہی عقیدت سے کیسکر کی مے وہ،

حضوری میں ان پاک روحوں کی لایا ۔

وہ دیوی کہ جو چاند میں تھی اکیلی خبر ان کی آمد کی اس نے جو پائی ،

تو پہنائے افلاک میں آستینوں کو پھیلا کے اٹھی ،

وفا کیش روحوں کی نذرِ عقیدت کو وہ آسمانوں میں رقصاں ہوئی ۔

زمیں پر ہوئی ہار جب بھیڑیئے کی ،

تو روداد یہ آسماں پر گئی ۔

مسرت کے آنسو انہوں نے بہائے ،

دھواں دھار بارش زمیں پر ہوئی ۔

بکھر گیا۔ یوں سمجھئے کہ شیرازہ بکھرنے کا عمل اب دوسری منزل یعنی بالائی سطح اور نچلی سطح پر بیک وقت کارروائی سے نکل کر تیسری اور آخری منزل میں داخل ہو رہا تھا، جس میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کومنتانگ کے پرچم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی حالانکہ کومنتانگ کا کوئی صاحب اختیار رہنما کمیونسٹوں سے اشتراکِ عمل پر آمادہ نہیں تھا۔ مگر یہ سلسلہ بہت تھوڑی دیر چلا، بس کچھ دن اوپر دو ماہ۔ یعنی وسط جولائی سے ستمبر کے آخر تک۔ لیکن یہ تھوڑی سی مدت بھی ماؤ کی زندگی میں فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہی تو وہ مہینے تھے جن میں مرکزی کمیٹی کی طرف سے ماؤ کو ہونان بھیجا گیا تھا کہ وہاں جا کر خزاں کی فصل کٹتے وقت ہونان میں مسلح بغاوت کا انتظام کرے۔ اس کارروائی کا انجام شکست تھا۔ لیکن ایک طرح سے دیکھا جائے تو اس کی گونج بہت دیر تک باقی رہی۔ اس لئے کہ ماؤ نے ان بچے کھچے لوگوں کو جمع کر کے ایک چھوٹی سی چھاپہ مار فوج تیار کر لی۔ اس فوج کو لے کر اس نے چنگ کانگشان پر دھاوا بولا چنگ کانگشان پیکنگ جانے کے لئے راستے کے پہلے پڑاؤ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہونان میں فصلِ خزاں کی بغاوت ایک زیادہ بڑے جنگی اہمیت کے منصوبے کا جز تھی، جسے جولائی کے دوسرے پندرھواڑے میں تیار کیا گیا تھا۔ چن توشو نے جب یہ دیکھا کہ وہ پالیسی جو کسی حد تک اس کی اور اس سے زیادہ سٹالن کی تھی، ناکام ہو گئی ہے تو وہ بددل ہو کر شنگھائی چلا گیا مگر مرکزی کمیٹی کے بہت سے ممبر وہاں کے علاقہ ہی میں جمے رہے۔ پولیس ابھی سختی کرنے میں ایسی زیادہ مستعدی نہیں دکھا رہی تھی۔ اور یہ لوگ اچھی خاصی آزادی سے گھوم پھر اور آپس میں مل بیٹھ سکتے تھے اور جیسا کہ ایسی ناگہانی صورتِ حال میں عموماً ہوتا ہے انہوں نے تین ہفتوں تک مسلسل اپنے اجلاس منعقد کئے۔ بورودین اور ایم این رائے تو اس سانحہ کے رونما ہوتے ہی روانہ ہو گئے تھے۔ ان کی جگہ کومنٹرن کی طرف سے نیا نمائندہ لومنازے بھیجا گیا مگر اس کے ۲۰ جولائی کو یہاں وارد ہونے سے پیشتر ہی مرکزی کمیٹی یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ موسم خزاں میں لگان کم کرنے کی تحریک دیہات میں چلائی جائے۔ لومنازے نے اس فیصلہ پر صاد کیا مگر اسی کے ساتھ یہ بات کہی کہ تحریک کا مرکزی نقطہ زمینوں کی ضبطی ہونا چاہیئے۔ ویسے ضبطی کے اقدام کو بڑے اور متوسط درجہ کے زمینداروں کی حد تک رکھنا چاہیئے۔ گویا یہ لوگ اس طرح نومبر ۱۹۲۶ء کی منظور کردہ زرعی پالیسی کے اصل مقاصد سے دامن بچا کر نکل گئے۔

انہیں دنوں کمیونسٹ رہنماؤں کی ایک ٹولی جس میں لی لیہ زان، تان پنگشان اور چو چو پائی بھی شامل

تھے کیوکیانگ کے نواح میں صلاح مشورے میں مصروف تھی۔ انہوں نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ نانچانگ میں مقیم قوم پرست فوج کے یونٹوں کو بغاوت برپا کر دینے کی سفارش کی جائے۔ اس منصوبے کی اطلاع پانے پر مرکزی کمیٹی اور لومنازے دونوں نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی معمولی بحث وتمحیص کے بعد طے ہُوا کہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب شورش برپا ہو جائے تو واپس کوانگ تنگ جایا جائے اور ینگ پیائی کے کسان باغیوں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے۔ ۲۵ر جولائی کو چو این۔ لائی کو محاذ کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کر کے نانچنگ روانہ کر دیا گیا۔ یہ کمیٹی اس غرض سے بنی تھی کہ بغاوت کی رہنمائی کرے۔

چو این لائی ۲۶ر جولائی کو کیوکیانگ سے ہوتا ہُوا گزرا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ مختلف کمیونسٹ رہنما جن میں لی لیزاں، تنگ چنگ نیا اور تان پنگشان بھی شامل ہیں بغاوت کے اغراض ومقاصد کے بارے میں سر جوڑ کر مشورے کر رہے ہیں۔ سٹالن کی اس وقت کی لائن کے مطابق فیصلہ یہ ہُوا تھا کہ کومنتانگ کے پرچم تلے جمع ہو کر تمام اعلانات کومنتانگ کی مرکزی مجلس عاملہ کے نام سے جاری کئے جائیں۔ البتہ یہاں جو لوگ موجود تھے وہ زرعی پالیسی پر متفق نہیں تھے۔ تانگ پنگ شان اب بھی اس پر متاسف نظر آتا تھا کہ جب وہ وزیرِ زراعت تھا تو "کسانوں کو صحیح راستہ پر نہیں لگا سکا۔" اس کی تجویز تھی کہ بغاوت شروع ہونے کے بعد کسی بھی زمین کو ضبط کرنے کی مطلق کوشش نہیں ہونی چاہیے۔ ورنہ خواہ مخواہ فوج میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ چو این لائی نے کوشش کر کے ان سب کو پانچویں کانگریس کے مؤقف کا حامی بنا لیا، جو یہ تھا کہ صرف بڑے زمینداروں کی زمینیں ضبط کی جائیں۔ بڑے زمیندار کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ جس کے پاس ۷۰ ایکڑ سے زیادہ زمین ہو بڑا زمیندار ہے۔ چین کے اس علاقہ میں اتنی زمین بہت بڑی جائداد سمجھی جاتی تھی۔

بغاوت کی فوجی رہنمائی کے امیدوار اور ہولنگ تھے۔ یے تنگ تو پہلے ہی سے کمیونسٹ تھا۔ مگر ہولنگ ابھی تک کومنتانگ کے انتہا پسند بائیں بازو کا نمائندہ تھا۔ ویسے بغاوت شروع ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد وہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا تھا۔ ہولنگ کا اپنی کمان کے افسروں میں بہت اثر ورسوخ تھا۔ اندازہ یہ تھا کہ اس کے اثر سے بہت سے افسر باغیوں سے آملیں گے۔ ہولنگ کی اہمیت کا احساس اس کے قدامت پسند رفقا کو بھی تھا۔ چنانچہ انہوں نے بار بار کوشش کی کہ اسے اپنے ساتھ ملا لیں۔

ہولنگ کی کمان میں بیسویں فوج تھی اور یے تنگ کی کمان میں گیارہویں فوج کی چوبیسویں ڈویژن تھی۔ ان کا افسر بالا جنرل چانگ فاکوآئی تھا۔ وہ دوسری فرنٹ آرمی کا کمانڈر تھا۔ مگر وہ چیانگ کائی شیک اور وانگ چنگ وی کے کمیونسٹ دشمن موقف کا کچھ زیادہ حامی نظر نہیں آتا تھا۔ کم از کم کمیونسٹ پارٹی کے بعض رہنماؤں اور سب سے بڑھ کر سوویت فوجی مشیر گالین کو یہی گمان تھا۔ ۲۶ جولائی کو مرکزی کمیٹی کے ایک جلسہ میں گالین نے اس گفتگو کی رپورٹ پیش کی جو اس نے چانگ فاکوآئی سے کی تھی، گالین نے کہا کہ چانگ فاکو آئی باغیوں کی منزلِ مقصود کوانگ تنگ میں واپس آنے پر رضامند تھا۔ گالین کا خیال تھا کہ جب یہ صورت ہے تو بغاوت چانگ کے ساتھ مل کر شروع کی جائے۔ اور اس سے قطع تعلق صرف اس وقت کیا جائے جب سب لوگ کوانگ تنگ پہنچ جائیں۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ ہولنگ اور یے تنگ نے تو بغاوت کیلئے پانچ ہزار سے آٹھ ہزار تک کی تعداد میں فوج جمع کی ہے۔ لیکن اگر چانگ فاکوآئی کا بھی تعاون حاصل ہو جائے تو باغیوں کی کمک پچیس ہزار فوج ہو جائے گی۔ کمیٹی میں موجود حضرات نے اس نتیجہ سے کلی اتفاق کیا۔

لومنازے یوں تو اب تک بغاوت کے حق میں تھا۔ لیکن پھر اس نے ماسکو سے آیا ہوا ایک تار پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ اگر کامیابی کا امکان نہ ہو تو مناسب یہ ہوگا کہ منصوبے کو ترک کر دیا جائے اور ساتھیوں کو کسانوں کے درمیان کام کرنے پر لگا دیا جائے۔ چانگ کوتاؤ کو مقرر کیا گیا کہ وہ یہ اطلاع لے کر نانگنگ جائے اور منصوبہ بنانے والوں تک پہنچائے۔ دورانِ سفر اس نے ان لوگوں کو تار کے ذریعے پیغام پہنچایا کہ جب تک وہ خود وہاں نہیں پہنچتا اس وقت تک کچھ نہ کیا جائے۔ لیکن ۳۰ جولائی کو نانگنگ میں پہنچ کر اسنے یہ دیکھا کہ تمام رہنما بغاوت پر تلے بیٹھے ہیں اور خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ کہے کوئی اس کی نہیں سُنے گا۔ اس نے لوگوں کو اپنے دانشمندانہ موقف پر رضامند کرنے کی نیت سے ماسکو کے پیغام کو موڑ توڑ کر سنایا۔ یہ کہنے کی بجائے کہ کامیابی کی امید نہ ہو تو بغاوت کا خیال ترک کر دو اس نے یہ کہا کہ احکامات یہ ہیں کہ اگر کامیابی یقینی ہو تب کوئی قدم اُٹھایا جائے۔

لیکن یہ وار خالی گیا۔ چواین لائی نے دھمکی دی کہ اگر منصوبے پر عمل درآمد نہ ہوا تو وہ محاذ کمیٹی سیکرٹری کے عہدے سے استعفیٰ دے دے گا۔ دوسرے دن صبح چانگ کوتاؤ نے بالآخر اکثریت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے لیکن اس بات پر وہ اب تک مصر تھا کہ بغاوت کو دو تین دن کے لئے ملتوی کر دیا جائے تاکہ اس عرصے میں یہ پتہ چل جائے کہ چانگ فاکوآئی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ ممکن ہے یا نہیں لیکن چونکہ ادھر یہ

معلوم ہوگیا تھا کہ چانگ فا کوآئی لوشان میں وانگ چنگ وی سے مل کر کمیونسٹوں کے سدباب کی خاطر اقدام کر رہا ہے اس لئے ان لوگوں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور یکم اگست کو صبح منہ اندھیرے بغاوت برپا ہوگئی۔

یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ چین میں نانچانگ کی بغاوت جس کی سالگرہ اب سرخ فوج کے نام سے منائی جاتی ہے سٹالن کے احکامات کے خلاف برپا کی گئی۔ اس داستان کا ماخذ خود چانگ کوتاؤ ہے جس نے مختلف مغربی مورخوں کو انٹرویو دیتے وقت واقعات کو اس طور بیان کیا ہے۔ اصل میں ایسی باتیں کر کے چانگ نے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ اس نے اس وقت انٹرنیشنل کے احکامات پر ایمانداری سے عملدرآمد نہیں کیا۔ چانگ نے جس طرح یہ داستان سنائی ہے یوں تو یہ محض جھوٹ ہے۔ لیکن وہ ایک اہم نفسیاتی صداقت کی ترجمان ضرور ہے اس نفسیاتی صداقت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ سٹالن کی پالیسی کی اندوہناک ناکامی کے سبب ماسکو پر سے بالکل اعتبار اٹھ گیا تھا۔ نوبت یہ آگئی تھی کہ چینی کمیونسٹ رہنماؤں کا ایک گروہ ان احکامات کی نافرمانی پر آمادہ ہوگیا تھا جنھیں وہ سٹالن کے احکامات جانتا تھا۔

نانکنگ کی بغاوت کی بعد کی تاریخ فاش غلطیوں کا ایک پلندہ ہے۔ جو دس ہزار یا گیارہ ہزار سپاہی بغاوت کے لئے جمع ہوئے تھے وہ ۴ اور ۵ اگست کو جنوب کی طرف چلے لیکن کوانگ تنگ کے پورے سفر میں انہوں نے نہ تو کسانوں کو اکسانے کی کوشش کی اور نہ ہی کوئی زرعی اصلاحات کیں۔ بلکہ انہوں نے تو بڑے سے بڑے زمیندار کی بھی کوئی زمین ضبط نہیں کی۔ جب ستمبر کے آخر میں انہوں نے آخر کار سواتو پہ قبضہ کیا تو وہ قانون اور نظم وضبط کے بہت بڑے محافظ بن گئے۔ پولیس کو انہوں نے اپنے تصرف میں لے لیا اور لوٹ مار کرنے کے جرم میں مختلف لوگوں کو گولی مار دی۔ یہ عالم دیکھ کر مقامی آبادی حیران رہ گئی اور ان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ تو دوسرے چیانگ کائی شیک کی فوجیں ہیں۔ غرض یہ پوری مہم شروع سے آخر تک ایک فوجی قسم کی مہم تھی۔

فوجی مہم جوئی کا الزام ماؤزے تنگ پر بھی لگا۔ وہ ہونان میں فصل خزاں کی بغاوت کی قیادت کر رہا تھا۔ لیکن یہ مختلف قسم کی مہم تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں ماؤ کے عسکری ذوق کا بھی عمل دخل تھا۔ مرکزی کمیٹی کے نزدیک ہونان، ہوپائی، کیانگسی اور کوانگ تنگ کی بغاوتیں بڑی بغاوت کے بنیادی منصوبے کی ترجمان تھیں اور نانچنگ کی فوجی بغاوت بھی اسی کا ثانوی اور متاخرہ ضمیمہ تھی۔ اس وقت کی دستاویزوں

میں ماؤ کا نام لیا تو نہیں گیا ہے لیکن اس نے اگر تمام میں نہیں تو چند جلسوں میں ضرور شرکت کی تھی - مرکزی کمیٹی کے یہ جلسے جولائی کے اواخر اور اگست کی ابتدا میں ہوئے تھے - اور ان جلسوں میں پالیسی کی تشریح و توضیح کی گئی تھی ۔

ان میں سب سے زیادہ فیصلہ کن جلسہ ۷ اگست کو منعقد ہوا تھا۔ تاریخ میں یہ جلسہ ۷ اگست کی ہنگامی کانفرنس کے نام سے مشہور ہوا ۔ اسے ہنگامی کانفرنس اس لئے کہا گیا کہ مرکزی کمیٹی کے ابتدائی جلسہ میں جتنا کورم ہونا ضروری تھا وہ پورا نہیں ہوا ۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے ایک نئی مرکزی کمیٹی کا انتخاب کر ڈالا - اس کمیٹی میں ماؤ کو بھی چنا گیا چن تو شو چونکہ غیر حاضر تھا - اس لئے اس کا نام کاٹ دیا گیا ۔ موقعہ پرستی کی خوب مذمت کی گئی مگر ماسکو کا نام نہیں لیا گیا ۔ پارٹی کی روح رواں اب چو چو پائی تھا - یہ شخص ایک دانشور تھا جسے روسی ادب پر بہت عبور تھا - اس کی طبیعت نے دیکھتے دیکھتے انتہا پسندانہ انقلابی رنگ پکڑا اور ساری پارٹی کو اس رستے پر ڈال دیا جسے سرکاری مورخوں نے "بائیں بازو والوں کی پہلی موقعہ پرستانہ لائن" کہا ہے ۔ لیکن فی الحال ۷ اگست کی کانفرنس میں جو پالیسی وضع کی گئی وہ نہایت اعتدال پسندانہ تھی اور انٹرنیشنل کی مرتب کی ہوئی لائن کے عین مطابق تھی ۔ طے یہ پایا کہ کومنتانگ کا پرچم ("سچا انقلابی کومنتانگ") ایک دفعہ پھر استعمال کیا جائے - صرف بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں ضبط کی جائیں اور سوویتوں کی تشکیل ابھی نہ کی جائے ۔ کیونکہ ایسا کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ کومنتانگ کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان ہو جائے گا ۔

کانفرنس کے چند ہی دنوں بعد ماؤزے تنگ کو سپیشل کمشنر بنا کر ہونان بھیج دیا گیا وہاں اسے بغاوت کا اختیار سنبھالنا تھا اور ان گمراہ کن رجحانات کی اصلاح کرنی تھی جو اس کے ہونانی ساتھیوں میں پیدا ہو چکے تھے ۔ خاص طور پر فوجی موقع پرستی کا رجحان بہت گمراہ کن تھا ۔ یعنی کسان عوام کی بے ساختہ شورش پر بھروسہ کی بجائے منظم و مسلح گروہوں کی مداخلت پر اعتماد کیا جاتا تھا اور ان گروہوں میں مزدور فوج سے لے کر قزاق اور لٹیرے سب ہی شامل تھے - مرکزی کمیٹی نے جلد ہی یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جن ساتھیوں کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے ماؤ کو بھیجا گیا تھا ان سے زیادہ فوجی موقعہ پرستی کا مرتکب وہ خود ہوا ہے۔ اس عیب کو کمیونسٹوں کی لغت میں دائیں بازو والی ذہنیت کہتے ہیں ۔ لیکن ماؤ نے اس عیب کے ساتھ ساتھ بعض ایسی حرکتیں کیں جنہیں بائیں بازو والی ذہنیت کے خانے میں ڈالنا چاہیے مثلاً ماؤ نے سوویتوں

کے فوری قیام کی وکالت کی۔ ہونان پہنچنے کے کوئی ہفتہ دس دن بعد یعنی ۲۰ اگست کو اس نے مرکزی کمیٹی کو لکھا "ایک ساتھی نے ہونان آکر اعلان کیا ہے کہ انٹرنیشنل سے نئی ہدایت یہ آئی ہے کہ چین میں مزدوروں کسانوں اور سپاہیوں کی سوویتیں فوراً قائم کی جائیں۔ یہ سن کر میں تو خوشی سے اچھل پڑا۔ معروضی طور پر دیکھئے تو چین ایک مدت ہوئی ۱۹۱۷ء والے مقام پر پہنچ چکا ہے لیکن اب تک ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ ہم ہنوز ۱۹۰۵ء والی منزل میں ہیں یہ ایک سنگین غلطی تھی ۔۔۔۔"

بات اصل میں یہ تھی کہ سٹالن نے جولائی کے اواخر میں اپنے موقف میں کچھ ترمیم کی تھی۔ اس کی غلط سلط خبریں پھیلیں۔ غالباً انھیں خبروں سے ماؤ نے یہ تاثر قبول کیا کہ انٹرنیشنل کی پالیسی بدل گئی ہے۔ اگر سٹالن یہ مان لیتا کہ چین میں سوویتوں کے قیام کا وقت آگیا ہے تو پھر حزب اختلاف کی ساری نکتہ چینی صحیح ہو جاتی۔ یہ لوگ تو مارچ سے سوویتیں قائم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ سٹالن نے ایسا کوئی اقرار نہیں کیا تھا۔ اس نے صرف یہ حکم جاری کیا تھا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی کے مبلغوں کو چاہیئے کہ وہ عوام میں سوویتوں کے تصور سے شناسائی پیدا کریں۔ اس سے سوویتوں کی تشکیل کے لئے زمین ہموار ہو جائے گی۔ پھر جیسے ہی کوئی نئی انقلابی شورش جنم لے گی، تو سوویتیں قائم کر دی جائیں گی۔ لیکن سٹالن کا خیال تھا کہ اس رَو کو دوبارہ کبھی جنم لینے میں سال چھ مہینے لگیں گے۔ اس عرصہ میں سوویتوں کی تنظیم کی قطعی ممانعت تھی۔ ان کے تصور کے متعلق البتہ باتیں کی جا سکتی تھیں۔

سوویتوں کے قیام کے سوال پر انٹرنیشنل کی پالیسی میں مفروضہ تبدیلی کی پرجوش حمایت کے ساتھ ساتھ ماؤ نے دو اور بنیادی سوالوں پر بھی بائیں بازو والی روش اختیار کی۔ ماؤ نے اپنے خط میں لکھا کہ ہونان میں آکر اُسے یہ معلوم ہوا کہ کومنتانگ عوام تک پہنچنے کا کوئی موثر ذریعہ نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ "سچی بات یہ ہے کہ ہم کومنتانگ کے پرچم کو استعمال نہیں کر سکتے اگر ہم نے اس پرچم کو استعمال کیا تو ہمیں پھر شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پہلے تو ہم نے کومنتانگ کی قیادت پر قابض ہونے کی ایسی کوشش نہیں کی اور اسے وانگ چنگ وی، چیانگ کائی شیک، تانگ چنگ چی اور دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اب اس پرچم کی وقعت ختم ہو چکی ہے۔ اب وہ کالا پرچم ہے جسے وہ لوگ چاہیں تو سنبھالے رکھیں۔ ہمیں تو اب فوراً پورے عزم و استقلال سے سُرخ پرچم اٹھانا چاہیئے۔" دوسرا سوال اراضی کے مسئلہ کے مکمل حل کا تھا جس کی ماؤ نے بہت ثابت قدمی سے حمایت کی۔ اس مکمل حل میں یہ بات شامل تھی کہ تمام اراضی کو بلا استثنا ضبط کیا جائے

اور اس کی از سرِ نو تقسیم کی جائے۔

۲۰ اگست کے خط میں ماؤ نے جو دلیلیں دی تھیں ان کا مرکزی کمیٹی پر کوئی اثر نہیں ہُوا۔ مرکزی کمیٹی نے اس کے جواب میں قطعی الفاظ میں اسے حکم دیا کہ اُسے طے شدہ نہج کی پابندی کرنی ہے۔ سوویتیں قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کومنتانگ کا پرچم استعمال کیا جانا چاہیے اور زمینیں صرف بڑے زمینداروں کی ضبط کی جائیں گی۔ لیکن ایک طرف تو یہ لوگ ماؤ کے بائیں بازو کی سمت انحراف کی مذمت کر رہے تھے اور دوسری طرف یہی لوگ یعنی چوچیو پائی اور اس کے رفقا خود بائیں بازو کی نہج پر ایک مختلف قسم کی مہم کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ۲۰ اگست کے لگ بھگ قراردادوں کا ایک پورا سلسلہ منظور ہُوا جن میں "پٹ شسٹ" نہج کا پورا خاکہ پیش کیا گیا تھا جس کی مزید وضاحت اور منظوری نومبر ۱۹۲۷ء کے اجلاس میں کی گئی

اس نہج کا ٹھوس اظہار بغاوت کے اس منصوبے کی صورت میں ہُوا جو ہونان اور ہُوپائی کے لئے تیار تھا۔ مرکزی کمیٹی نے اس منصوبے کی تفصیلات طے کیں اور اگست کے اواخر میں ماؤ کو اس کی اطلاع دے دی ان ہدایات میں تشدد اور دہشت پسندانہ سرگرمیوں کے ذریعہ انقلابی شورش برپا کرنے پر زور دیا گیا۔ کمیونسٹوں کو احکام جاری کئے گئے کہ بغاوت برپا ہونے سے پہلے دیہات کے چند ایک بدنام زمینداروں کو قتل کر دیا جائے۔ اس سے کسانوں میں انقلابی جذبہ زور پکڑے گا۔ اور پھر بغاوت کے ہنگام میں انہیں حکم تھا کہ دیہات میں بدکردار رئیسوں، مقامی غنڈوں اور رجعت پسندوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ بس اسی ایک طریقے سے عوام کا سیاسی اقتدار قائم ہو سکتا ہے۔ بغاوت شہروں سے شروع ہونی چاہیے اور شہروں پر قبضہ کرنے کے لئے لٹیروں، مختلف فوجوں کے بچے کھچے سپاہیوں، مزدوروں یا کسانوں کی رضاکار فوجوں کے جو گروہ موجود ہوں، اُن سے کام لیا جائے۔ لیکن ان سب کو معاون دستوں کے طور پر استعمال کیا جائے۔ شہروں اور دیہاتوں میں، دونوں جگہ، خود وہاں کے مقامی مسلح باشندے بغاوت شروع کریں۔

ایک طرف تو انقلاب کا یہ تصور تھا کہ عوام بے ساختہ مسلسل تشدد کا عمل شروع کر دیں۔ دوسری طرف ماؤ انقلاب کی منصوبہ بندی مکمل تدابیر کے ساتھ کر رہا تھا۔ اور اس منصوبے میں منظم فوج کو نمائندہ کردار ادا کرنا تھا۔ انقلاب کے ان دو تصورات میں شدت کا اختلاف تھا۔ ماؤ نے یقیناً ابھی ضابطے یا اصول کے طور پر اس تصور کو قبول نہیں کیا تھا کہ چند ایسے علاقے ہونے چاہئیں جو مضبوط و مستحکم انقلابی اڈوں کی حیثیت رکھیں اور تکلیف دہ حالات میں بھی کافی عرصے تک قائم رہیں۔ اس وقت تو اس کا مرکزی کمیٹی کے ساتھ

صرف اتنا جھگڑا تھا کہ کسی طور وہ ذریعہ تلاش کیا جائے جس سے ابتدائی کامیابی حاصل ہو سکے، تاکہ وہی کامیابی ملک گیر پیمانے پر انقلابی رستاخیز کا نقطۂ آغاز بن سکے۔ لیکن پھر بہت جلد وہ منزل آگئی جب ماؤ نے یہ سوچا کہ جو فوجیں اس کے اپنے اختیار میں ہیں وہ انقلاب کے حق میں بہت کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

فصلِ خزاں کی بغاوت کے وقت ماؤ کے اختیار میں کل ملا کر چار رجمنٹیں تھیں۔ پہلی رجمنٹ تو وہی تھی جو پہلے ووہان کی بائیں بازو کی کومنتانگ حکومت کی گارڈ رجمنٹ تھی۔ فوجی لیاقت کے اعتبار سے یہ رجمنٹ ماؤ کی رجمنٹوں میں سب سے زیادہ اہم تھی۔ اس کے افسر سب کے سب تقریباً کمیونسٹ تھے۔ ۱۵ جولائی کو جب کمیونسٹوں اور کومنتانگ میں قطع تعلق ہؤا تو یہ رجمنٹ نانکنگ کی بغاوت میں شریک ہونے کی نیت سے شہر سے نکل کھڑی ہوئی مگر رستے میں انھیں پتہ چلا کہ یے تنگ اور ہولنگ کی فوجیں نانچانگ سے جنوب کی طرف چل پڑی ہیں۔ یہ جان کر اس سپاہ نے اپنا راستہ بدلا اور ہونان میں آن داخل ہوئی۔

دوسری رجمنٹ مستند و مسلّمہ مارکسی تصور کے اعتبار سے بہت قابلِ اعتبار تھی۔ اس لئے کہ اس میں اَن یوان کے ہزاروں کان کن اور پنگشیانگ اور لائی لنگ کے بہت سے کسان شامل تھے تیسری رجمنٹ میں پنگ چیانگ اور لیویانگ کے مزدور اور کسان رضا کار بھرے ہوئے تھے۔ ان میں ہوپائی کے فوجی کسان بھی شامل تھے۔ چوتھی رجمنٹ میں وہ دستے از سرِ نو منظم کئے گئے تھے جو پہلے جنرل شیاتوین کی کمان میں تھے۔ شیاتوین وہ شخص تھا جس نے مئی میں ووہان حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔

ماؤ کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلی اور چوتھی رجمنٹیں جو میمنہ کی حیثیت رکھتی تھیں شمال مشرق سے چانگشا کی طرف بڑھیں۔ دوسری رجمنٹ جو میسرہ کی حیثیت رکھتی تھی، چانگشا کے جنوب مغرب میں اَن یوان کی طرف سے بڑھے اور پنگ شیانگ اور لائی لنگ پر قبضہ کرنے کے بعد لیویانگ کی طرف رجوع کرے۔ تیسری رجمنٹ قلب کی حیثیت رکھتی تھی اور اسے منصوبے کے مطابق تنگ من شی پر حملہ کرنا تھا۔ تنگ من شی، چانگشا کے مشرق میں اور کسی قدر شمال کی طرف واقع ہے۔ اس کے بعد تیسری رجمنٹ کو دوسری رجمنٹ کے ساتھ مل کر ۱۲ ستمبر کو لیویانگ پر قبضہ کرنا تھا۔ خیال یہ تھا کہ اس کے بعد یہ چاروں رجمنٹیں چانگشا میں اکٹھی ہوں اور ۱۵ ستمبر کو صوبے کے صدر مقام پر ہلہ بولیں۔ کئی سو مسلح کامریڈ اور کئی ہزار مزدور حملہ آوروں کے قدم بقدم چلیں اور اس طرح اندر اور باہر سے اکٹھی کارروائی ہو اور شہر پر قبضہ کر لیا گیا۔

مرکزی کمیٹی نے جب اس منصوبے کی اطلاع پائی تو ۲۳ اگست کو اس نے ماؤ کے نام ایک خط لکھا یہ وہی خط تھا جس میں سوویتوں، زرعی اصلاحات اور کومنتانگ کے پرچم کے بارے میں ماؤ کے خیالات کی تردید کی گئی تھی۔ اس منصوبے کے بارے میں خط میں یہ لکھا تھا کہ اصولی طور پہ تو یہ بالکل درست ہے کہ چانگشا پر قبضہ بغاوت کا نقطۂ آغاز ہونا چاہیئے۔ مگر اس مقصد کے لئے ماؤ نے جو طریقہ سوچا ہے وہ اغلاط سے بھرپور ہے۔ اولاً ماؤ پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ اس نے فوج کی طاقت کو غیر ضروری اہمیت دی اور عوام کی انقلابی طاقت پر اعتبار نہیں کیا اور اس طرح اس نے بغاوت کو محض ایک فوجی مہم بنا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد مرکزی کمیٹی نے اس کی خاطر عوامی بغاوت کا ایک منصوبہ تیار کیا۔ اس بغاوت کو ان علاقوں میں شروع ہونا تھا جو چانگشا کے مشرق، جنوب اور جنوب مغرب میں واقع ہیں۔

اس پہ ماؤ نے کچھ تنک کر یہ جواب دیا کہ مرکزی کمیٹی متضاد پالیسی کا شکار ہے۔ ایک طرف وہ فوجی امور کو پسِ پشت ڈال رہی ہے۔ دوسری طرف اس کی خواہش یہ ہے کہ عوام مسلح بغاوت کریں۔ ماؤ نے کہا کہ میری کمان میں منظم فوج کے دستے ہیں انھیں میں محض معاون فوج جانتا ہوں اور یہ معاون فوج مزدوروں اور کسانوں کی ناکافی طاقت کی کمی کو پورا کرے گی۔

مرکزی کمیٹی کی نسبت ماؤ کو واقعتاً عوامی طاقت کے ناکافی ہونے کا زیادہ شدت سے احساس تھا موسم بہار اور موسم گرما میں جو ظلم و تشدد ہوا تھا اس میں ہونان سب سے زیادہ پسا تھا۔ جماعت کے دفتری بلیٹن میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے تھے ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کل تیرہ لاکھ آدمی اس سانحہ میں ہلاک، زخمی اور گم ہوئے، جن میں سے کم و بیش نصف آدمی صرف ہونان کے تھے۔ (ویسے ان اعداد و شمار میں شنگھائی کی گنتی شامل نہیں تھی۔) چانگشا کے ۲۱ مئی والے قتلِ عام سے پہلے یہاں پورے صوبے میں کمیونسٹ پارٹی کے بیس ہزار سے زیادہ ممبر تھے۔ ان میں سے تین ہزار کے لگ بھگ چانگشا میں تھے۔ اب اس واقعہ کے بعد ان کی گنتی صوبے میں پانچ ہزار سے بھی کم رہ گئی تھی اور صدر مقام میں ان کا شمار ایک ہزار رہ گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ماؤ نے اپنی ساری جمعیت چانگشا کے علاقہ ہی میں اکٹھی رکھی حالانکہ مرکزی کمیٹی نے اُس کی اس بات پہ سرزنش بھی کی کہ جنوبی ہونان کے علاقے میں بھی فوجی انتظامات ضروری تھے، ماؤ کی جمعیت بہت محدود تھی۔ اس نے دور اندیشی سے کام لیا اور سوچا کہ اس چھوٹی سی جمعیت کو اتنا نہیں پھیلانا چاہیئے کہ وہ بالکل بکھر جائے۔

بغاوت ۹ ستمبر کو شروع ہوئی۔ تخریبی کارروائی کی بدولت چانگشا تک آنے والی ریلوے لائین تو فوراً ہی منقطع ہوگئیں۔ اور اگلے ایک ہفتے تک یہاں کوئی گاڑی نہیں پہنچی پھر ۱۰ ستمبر کو سیکنڈ رجمنٹ نے ان یوآن میں بغاوت کی اور منصوبے کے مطابق پنگشیانگ پر حملہ کر دیا۔ ۱۲ کو لائی لنگ پر قبضہ ہوگیا اور ایک انقلابی کمیٹی قائم ہوگئی۔ اس نے زمینوں کی ضبطی کا اعلان کر دیا اور مزدور یونینوں اور کسان سبھاؤں کو بحال کر دیا۔ دوسری رجمنٹ پر جب دشمن کی طرف سے حملہ ہوا جس کے پاس بھاری جمعیت تھی، تو اسے لائی لنگ کے علاقہ کو خالی کرنا پڑا۔ مگر پھر اس رجمنٹ نے ۱۵ کو لیویانگ پر یلغار کر دی۔ اس حملہ میں اسے اندوہناک شکست نصیب ہوئی اور رجمنٹ کے دو تہائی سپاہیوں کا صفایا ہوگیا۔ اس کے بعد اسے ایک اور شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ یوں ہوا کہ جب اس نے پہلی اور چوتھی رجمنٹ کے ساتھ مل کر پنگ چیانگ پر چڑھائی کی تو چوتھی رجمنٹ نے جس میں کومنتانگ کے رنگروٹ بھرے ہوئے تھے، عین حملہ کے دوران اپنی پچھلی وفاداری کے قصے کو تازہ کیا اور عقب سے پہلی رجمنٹ پر حملہ کر دیا۔ پہلی رجمنٹ کے جس میں پرانی گارڈ رجمنٹ کے لوگ تھے، تقریباً ایک سو سپاہی ہلاک ہوئے۔ تیسری رجمنٹ اپنے طور پر گرم کارزار رہی۔ منصوبے کے عین مطابق اس نے تنگ من تشی پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد لیانگ پر چڑھائی کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ مگر اب چونکہ دوسری رجمنٹ اس کی کمک پر تھی نہیں اس لئے شہر پر قبضہ نہ کیا جا سکا۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ماؤ نے ۱۵ ستمبر کو یہ فیصلہ کیا کہ چانگشا پر حملہ کرنا بے سود ہے۔ اس نے پہلی اور دوسری رجمنٹ کے بچے کھچے سپاہیوں کو اکٹھا کیا جو ملا کر کل ایک ہزار تھے انھیں اس نے چانگشا کے محاذ سے ہٹایا اور دیہات کی طرف نکل گیا۔

مرکزی کمیٹی کو ان واقعات کی اطلاع ما نامی ایک کامریڈ نے دی۔ وہ خود چل کر کمیٹی کے پاس پہنچا اور ہونان میں متعین پارٹی کے رہنماؤں کو بہت بُرا بھلا کہا۔ اس نے ان پر بزدلی اور دغابازی کے الزامات لگائے اور کہا کہ اگر باغی پھر کر چانگشا پر حملہ کر دیتے تو فتح یقینی تھی اس اطلاع کی بنیاد پر مرکزی کمیٹی نے ۱۹ ستمبر کو ہونان کمیٹی کے نام احکامات بھیجے کہ چانگشا پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ ماؤ کو یہ مکتوب ملا یا نہیں ملا، یہ مشکوک بات ہے۔ بہرحال اس نے اس حکم پر عمل نہیں کیا۔ اس نے اپنی جمعیت کو از سرِ نو منظم کیا اور ہر یونٹ میں سیاسی نمائندگی کا طریقہ رائج کیا۔ بعد ازاں وہ اس جمعیت کو ہمراہ لے کر

ان پہاڑوں میں نکل گیا جو چنگ کانگشان کے نام سے مشہور ہیں اور یہ ہونان اور کیانگسی کے درمیان واقع ہیں۔ یہاں ماہ اکتوبر میں پہلا اڈا قائم کیا گیا۔

یہ عجیب وغریب اتفاق بھی ملاحظہ فرمایئے کہ جس روز (یعنی ۱۹ ستمبر کو) مرکزی کمیٹی کے ممبروں نے ماؤ کی چانگشا کے محاذ پر بزدلی کا مظاہرہ کرنے کی مذمت کی، اسی روز انہوں نے ایک قرارداد منظور کی جس میں انہوں نے تینوں بنیادی سوالوں پر ماؤ والا نقطۂ نظر شامل کر لیا۔ یہ وہی بنیادی سوال تھے جن پر اواخر اگست میں بہت سی لے دے ہوئی تھی۔ یعنی سوویتوں کا فوری قیام، کومنتانگ کے پرچم سے قطع تعلق، اور بغیر کسی استثنا کے ساری زمینوں کی ضبطی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماؤ نے بہت پہلے ان مسائل کا صحیح حل پا لیا تھا۔ مگر یہ حقیقت اسے سزا پانے سے تو نہیں بچا سکتی تھی۔ جب نومبر میں مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہوا تو اسے اپنے کئے کی سزا ملی۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے زرعی انقلاب کے بپا کرنے میں کوتاہی کی تھی اور "فوجی موقع پرستی" کا مرتکب ہوا تھا۔ اس خطا میں اُسے مرکزی کمیٹی اور ہونان صوبائی کمیٹی، دونوں جگہ سے نکال دیا گیا۔ اِدھر ماؤ کو اس واقعہ کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اسے کہیں مہینوں بعد اپنے معتوب ہونے کا علم ہوا۔ اسے اس سیاسی نہج سے بھی مطلع نہیں کیا گیا جس کا فیصلہ نومبر کے اجلاس میں ہوا تھا۔ اس اجلاس میں مستقل یا مسلسل انقلاب کا تصوّر ایک عام نظریاتی اصول کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ اس طرح سٹالن کے لئے یہ رستہ نکل آیا کہ اگر کہیں چینی قائدین کی پالیسی ناکام ہو جائے تو انہیں ٹروٹسکی کے مقلّدین بتا کر اُن پر حملہ کیا جا سکے۔ اس اصول کو عملی جامہ پہنانے کی صورت یہ تھی کہ بغاوتوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جائے اور اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک آخری فتح نہ حاصل ہو جائے۔ فی الحال پروگرام یہ تھا کہ بغاوتیں دیہات میں برپا کی جائیں۔ لیکن ان بغاوتوں کا مقصود یہ نہیں تھا کہ علاقوں پر قبضہ کر کے مستقل اڈے قائم کر لئے جائیں جیسا کہ ماؤ کر رہا تھا۔ یہاں مقصود یہ تھا کہ عوام میں انقلابی جوش وخروش برقرار رکھا جائے۔ شہروں کے متعلق یہ طے ہوا کہ وہاں بغاوت بعد میں کی جائے گی، یعنی اس وقت جب آئے دن کی اقتصادی کشمکش سے برسرِاقتدار طبقہ کمزور پڑ جائے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی طے تھا کہ شہر کے پرولتاری طبقہ کا اقدام فیصلہ کن ہوگا۔ اس دوران میں مزدوروں کو خفیہ فوجی تربیت دینے کا منصوبہ بھی تھا تاکہ وہ اپنا کام انجام دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور ان نیم فوجی تنظیموں کو مستقبل میں "حاسد اور بزدل" مزدور رہنماؤں کو قتل

کرنے، بنکوں کو لوٹنے اور پولیس تھانوں وغیرہ پر ہلہ بولنے کے کاموں پر لگایا جائے۔

ہونان اور ہوپائی کے کمیونسٹوں کو شروع دسمبر ۱۹۲۷ء میں ایک ہدایت نامہ بھیجا گیا۔ اس میں نئی نہج کے داؤں پیچ بیان کئے گئے تھے اور یہ توقع ظاہر کی گئی تھی کہ ماؤ انھیں زیادہ منجھے ہوئے انداز میں استعمال کرے گا۔ یہ داؤں پیچ یہی تھے کہ جابجا تحصیلوں پر قبضہ کیا جائے (یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ کام کیسے انجام دیا جائے گا) انقلابی حکومت قائم کی جائے۔ بدکردار رئیسوں، رجعت پسندوں اور بڑے زمینداروں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں قتل کیا جائے اور ایک مکمل و مفصل معاشرتی انقلاب برپا کیا جائے۔ شہروں میں دہشت پسندی اور قتل و خون کی اس پالیسی کے ساتھ ساتھ عوام کو غیر ملکیوں پر حملہ کرنے کے لئے بھی تیار کیا جائے۔

اجلاس نومبر کی قرارداوں کی طرح یہ ہدایت نامہ بھی ماؤ کو دیر سے ملا، اوّل تو اسی میں شک ہے کہ وہ اس کے پاس پہنچا بھی یا نہیں بہرحال اگر وہ اُسے ملا بھی تو کہیں ۱۹۲۸ء کے موسم بہار میں ملا۔ ادھر وہ چنگ کانگشان میں بالکل مختلف داؤں پیچ سے اپنی حیثیت مضبوط کر رہا تھا۔ مرکزی کمیٹی نے تو نومبر میں یہ ہدایت کی تھی کہ پارٹی کی صفوں میں اور فوج میں مزدوروں کو بھرتی کیا جائے۔ مگر ماؤ نے اس ہدایت پر عمل کرنے کی بجائے دوسرا ہی طور اختیار کیا۔ اس نے ڈاکوؤں کے دو سرداروں یان دینز ائی اور وانگ زو سے اتحاد قائم کر لیا۔ ان دور دراز علاقوں میں جو ناقابل رسائی تھے ان سرداروں کے پہلے ہی سے اڈے قائم تھے۔ ان سے اتحاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوج میں چھ سو آدمی اور شامل ہوگئے، علاوہ اُن ایک ہزار سپاہیوں کے جو پہلی اور تیسری رجمنٹوں سے بچ گئے تھے۔ اُس نے اپنے چھوٹے موٹے توپ خانے کے لئے ایک سو بیس رائفلیں بھی حاصل کریں۔ خود ماؤ کا بیان یہ ہے کہ جب تک وہ چنگ کانگ شان میں رہا، یان اور وانگ بہت پُرخلوص قسم کے کمیونسٹ ثابت ہوئے۔ یہ دونوں رجمنٹ کمانڈر بنائے گئے تھے۔ جبکہ ماؤ خود پوری فوج کا کمانڈر تھا لیکن ماؤ کے جانے کے بعد جب ان پر کوئی روک ٹوک نہ رہی تو وہ پھر اپنے ڈاکوؤں والے طور طریقوں پر اتر آئے۔ اور کسانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ وانگ اور یان کا واقعہ بہت وسیع معنی رکھتا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماؤ خارجی عوامل سے زیادہ انسانی عزم و ارادے کا قائل تھا۔ آج بھی ماؤ کی مارکسی تعبیر میں یہ رجحان نمایاں نظر آئے گا۔ اس کی فوج میں مختلف

طبقوں کے افراد بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ ماؤ نے اس پر رائے زنی کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس صورتِ حال کا صرف ایک علاج ہے اور وہ یہ کہ سیاسی تربیت کو تیز کیا جائے تاکہ ایسے عناصر میں ماہیتی تبدیلی پیدا کی جا سکے۔ ماؤ کا تصور یہ تھا کہ دیہاتی علاقوں کے آوارہ لوگوں کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو ان کی کایا کلپ ہو سکتی ہے اور وہ پرولتاری طبقہ کا محافظ دستہ بن سکتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا انسانی ارادے میں کتنا گہرا یقین تھا اسی یقین نے بالآخر ماؤ کے اس نظریئے کو جنم دیا کہ داخلی صورتِ حال خارجی صورتِ حال کو جنم دیتی ہے۔

ماؤ کی فوج کی صورتِ حال یہ تھی کہ غیر پرولتاری عناصر اس میں بہت تھے۔ مارکسی تعلیم کے ذریعہ ان کا تزکیہ نفس کیا گیا تھا۔ اس صورتِ حال سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ پرولتاریوں میں سے مخصوص طبقے سے تعلق رکھنے والے سپاہیوں اور افسروں کی فراہمی کتنا مشکل مسئلہ تھا۔ ماؤ نے تو اس مسئلہ کو اپنی پارٹی کے سامنے اسی طرح پیش کیا تھا۔ مگر بات صرف اتنی نہیں تھی۔ یہ صورتِ حال ماؤ کی مخصوص افتادِ طبع اور اور رنگِ تخیل کی بھی غمازی کرتی ہے۔ وہ بچپن ہی سے مقبولِ عام چینی ناولوں کے اُن کرداروں کا شیدائی تھا جو ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب اس کا تصورِ کائنات دیہاتی باغیوں کے افق تک محدود نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی درست ہے کہ اس کے مارکسی عقائد نے اس کے وائل عمر کے جذباتی تصورات کو یکسر زائل نہیں کیا تھا۔ اس نے ۱۹۲۶ء میں چینی معاشرہ کے طبقوں پر جو مضامین لکھے تھے ان سے اس کی مؤثر طریقے پر تصدیق ہوتی ہے۔ ان مضامین میں اس نے معاشرہ کو پانچ درجات میں تقسیم کیا ہے اور ان درجات کا ذکر بڑے رنگین انداز میں کیا ہے۔ یہ طبقے ہیں۔ سپاہی، قزاق، لٹیرے، گداگر، اور طوائفیں۔ وہ کہتا تھا کہ یہ لوگ بڑے زبردست انقلابی مجاہد ہوتے ہیں۔ ان مضامین میں اس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے بہت کھل کر ان کی تعریف کی ہے۔ بعد میں جب انھیں کتابوں کے مروجہ مستند ایڈیشن چھپے تو اُن میں ماؤ نے زیادہ احتیاط سے باتیں لکھیں۔ اس نے امداد باہمی کی ان خفیہ انجمنوں کا ذکر بھی بڑے ہمدردانہ انداز میں کیا ہے جو سیاسی و اقتصادی جد و جہد میں اُن کی امداد کر رہی تھیں۔ یہ یقینی امر ہے کہ جس زمانے میں وہ چنگ کانگ شان میں تھا اُن دنوں یہ رجحان اس کے یہاں کام کر رہا تھا۔ ڈاکوؤں اور اس قسم کے معاشرہ کے ٹھکرائے ہوئے دوسرے کرداروں کی حمایت و امداد کو اس نے صرف طوعاً و کرہاً قبول نہیں کیا تھا بلکہ اسے ان سے خاصا لگاؤ بھی تھا۔ اس کے علاوہ چینی تاریخ کے اور بہت

سے جلا وطن مجرموں کی طرح یان اور وانگ بھی خفیہ انجمنوں کے سربراہ تھے۔ زیر بحث انجمن کو لاؤ ہُوئی سے نسبت رکھتی تھی۔ جسے ماؤ نے ۱۹۱۱ء کے ہونان کے انقلاب کے سلسلے میں بہت سراہا تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے ان دو افراد پر اُسے زیادہ بھروسہ ہو گیا تھا۔

ماؤ تو ان پرانی طرز کے باغیوں کا بہت ہمدرد تھا۔ لیکن مرکزی کمیٹی جس کی جائے پناہ شنگھائی تھی ان کی بالکل قائل نہ تھی۔ بلکہ ماؤ کی سرگرمیوں کی جو خبریں ان کے پاس پہنچ رہی تھیں۔ ان کی وجہ سے انھیں ماؤ کے بارے میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہو رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے چوتے کی امداد چاہی کہ وہ ماؤ کے ساتھ مل کر کام کرے اور جن غلطیوں کا وہ مرتکب ہو رہا ہے۔ ان کی اصلاح کرے۔ ماؤ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اُس نے بالکل 'واٹر مارجن' کے ہیروڈاکوؤں کی روش اختیار کر رکھی تھی یعنی عوام کو فوری مسلح بغاوت پر اکسانے کی بجائے وہ پہاڑوں میں لیانگ شان پو کے مقام پر قلعہ بند بیٹھا تھا اور عوام کے نام پر بہادری کے کارنامے سرانجام دے رہا تھا۔

اگرچہ اس وقت مرکزی کمیٹی کی نظر میں ماؤ کی نسبت چُوتے زیادہ قابل اعتبار تھا مگر چوتے ایک دوسری قسم کی غلطی کا شکار تھا، جس کی مذمت بھی اس خط میں موجود تھی۔ یہ غلطی کومنتانگ سے اشتراک عمل کی پالیسی کی طرف مراجعت کے قریب قریب تھی۔ پچھلے ستمبر میں نانچنگ کی فوج کے سواتو کے مقام پر شکست کھانے کے بعد چُوتے نے بچے کھُچے کم و بیش دو ہزار آدمیوں کو جمع کیا اور انھیں ساتھ لے کر کوانگ تنگ اور پاس پڑوس کے صوبوں میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ بالآخر اس مختصر سی فوج کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اُس نے یہ طے کیا کہ بنائی جنرل فان شی شنگ کی کمان میں کومنتانگ کے ایک یونٹ کی حیثیت سے اپنی نئی تنظیم کی جائے۔ جنرل فان شی شنگ نے اس کے بدلے میں بہت سا سامان رسد فراہم کیا اور اس طرح سے اس کی اچھی خاصی مدد کی۔ مرکزی کمیٹی کو اس اشتراک کی خبر سے بہت تشویش ہوئی۔ اس نے دفعتاً چُوتے کو فان سے قطع تعلق کرنے اور اس کی فوج میں سے بیشتر آدمیوں کو توڑ کر اپنے ساتھ ملانے کا حکم دیا۔ یہ ہدایات پانے پر اس نے جنوری ۱۹۲۸ء میں فان سے قطعی طور پر تعلق ختم کر دیا اور جنوبی ہونان کی طرف روانہ ہو گیا۔

چُوتے کا طرزِ عمل بظاہر عجیب لگتا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔ صورت یہ تھی کہ چین کے ایک سرے سے دوسرے تک کوئی چھ صوبوں میں کمیونسٹوں

کے مختلف گروہ کومنتانگ کی قیادت میں سرگرم عمل تھے۔ یہ صورتِ حال اتنی پھیل گئی تھی کہ ۳۱ر دسمبر کو مرکزی کمیٹی نے چاروناچار ایک گشتی مراسلہ جاری کیا، جس میں پارٹی کی تمام شاخوں اور اداروں کو حکم دیا گیا تھا کہ اس قسم کی سرگرمیوں کو فوراً بند کر دیا جائے اور جو ساتھی کومنتانگ سے مستعفی ہونے سے انکاری ہوں ان سب کو جماعت سے نکال باہر کیا جائے۔

کومنتانگ سے اشتراک کے خلاف یہ اقدامات کینٹن کمیون کی ناکامی کے بعد کئے گئے۔ کینٹن کمیون اس بغاوت کا نام ہے جو وسط دسمبر میں برپا ہوئی تھی۔ یہ لاحاصل مہم سٹالن کے حکم پر شروع کی گئی تھی۔ اور سٹالن نے یہ حکم دیتے وقت مطلق یہ نہیں سوچا کہ چینی انقلابیوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ وہ تو بس یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح روسی حزبِ اختلاف کو شکست دی جائے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ کھیل کھیلا گیا۔ چنانچہ شروع شروع میں اس مہم میں "انقلابِ مسلسل" کی پالیسی پہ بہت بڑھ چڑھ کر زور دیا گیا۔ لیکن دو ماہ کے اندر اندر ماسکو نے اس واقعہ سے کچھ اور ہی نتائج مرتب کئے۔ کومنٹرن کے نویں اجلاس میں فروری ۱۹۲۸ء میں ایک قرارداد منظور ہوئی۔ اس قرارداد میں چوچیو پائی کے فوجی انقلاب (پُٹ شسٹ) کی نہج کی اتنے ہی زور شور سے مذمت کی گئی۔ جتنے زور شور سے پچھلی گرمیوں میں چن تو شو کی موقع پرستی کی نہج کی گئی تھی۔ ان دونوں معاملات میں یہ ہُوا کہ شروع میں تو سٹالن کی آنکھوں پر پردے پڑے رہے۔ نہ اسے یہ پتہ چلا کہ لوگ صحیح راہ سے منحرف ہو رہے ہیں، نہ اس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا لیکن جب سخت شکست کا سامنا ہُوا، تب اس کی آنکھیں کھلیں۔ اس موقع پر چُو کی طلبی ماسکو میں ہوئی اور پھر اسے چین واپس جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ وہ وہاں ۱۹۳۰ء تک ستراخوف کے نام سے مقیم رہا۔

کومنٹرن کی فروری ۱۹۲۸ء والی قرارداد شنگھائی میں مرکزی کمیٹی کے پاس شروع جون میں پہنچی۔ اور ماؤ کو وہ کہیں ۲ر نومبر تک موصول ہوئی۔ مگر اس عرصے میں چنگ کانگ شان کے محاذ کی فوج بہت سے ڈرامائی مرحلوں میں ایک سال گزار چکی تھی۔ یہ ہنگامہ خیز ڈرامائی مرحلے بڑی حد تک اُن مختلف فرستادوں کی مداخلت کے باعث پیدا ہوئے تھے جو کسی نہ کسی صورت فوجی انقلاب کی نہج سے متاثر تھے۔ اور یہ وہ نہج تھی جسے ماسکو نے پہلے ہی رد کر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ماؤ کی پالیسی بھی چوچیو پائی کی پالیسی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی، یہ الگ بات

ہے کہ اب اس امر پہ پردہ ڈالا جاتا ہے۔ اجلاس نومبر میں جن دہشت پسندانہ طریقوں کی وکالت کی گئی تھی وہ کسی حد تک چنگ کانگ شان کے علاقہ میں استعمال کئے گئے۔ پہلے جاڑوں میں چھاپہ مار سرگرمیاں بہت زور شور سے برپا ہوئیں۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ "زمینداروں کا قتل عام" کیا جائے۔ (منتخب تصانیف کے مروجہ ایڈیشن میں البتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ محض ان کا تختہ الٹنا مقصود تھا) اس شروع کے زمانے میں سیاسی تنظیم کی جو صورتیں وضع کی گئیں ان میں سے بعض ماؤ کے قول کے مطابق اس کی اپنی بے ڈھنگی ایجادات تھیں۔ ان میں ایک ایجاد مقامی سوویتوں کا قیام تھا ان کے علاوہ تنظیم کی باقی صورتیں کمنٹرن کمیون کے طریقوں کے مطابق وضع کی گئیں، جن کے بارے میں ماؤ اور اس کے رفیقوں کو اخباروں سے معلومات حاصل ہوئی تھیں۔

زرعی پالیسی کے متعلق اس کی تصانیف کے مروجہ ایڈیشن میں یہ لکھا ہے کہ اس کی نظر میں ہر وہ کسان جو زمین کا مالک تھا دشمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی دانست میں صرف زمین سے محروم غریب کسانوں پر اعتبار کیا جا سکتا تھا اس کے علاوہ اس کا خیال تھا تھوڑے بہت زمین کے مالک کسانوں کو معمولی سزائیں دینے کی بجائے اگر پھانسی بھی دے دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ زرعی اصلاحات کے خلاف مدافعت ختم ہو جائے گی۔

بہرحال ماؤ ۱۹۲۸ء میں ایسا اعتدال پسند نہیں تھا جیسا وہ اب اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن ہونان کے پارٹی حکام کے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو وہ یقیناً بہت اعتدال پسند تھا اور چونکہ اس وقت مرکزی کمیٹی سے تو کوئی رابطہ تھا نہیں، اس لئے ماؤ اصولی طور پہ ہونان کی پارٹی ہی کے سامنے جواب دہ تھا۔ شہر کے نچلے بورژوا طبقہ کے سلسلہ میں تو اس کی روش خاص طور پہ اعتدال پسندانہ سمجھی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں ماؤ نے اپنے تجربات کچھ طنزیہ انداز میں قلمبند کئے ہیں۔" مارچ میں ہونان سپیشل کمیٹی کا نمائندہ ننگ کانگ (چنگ کانگ شان علاقہ کا صدر مقام) پہنچا اور ہم پر یہ اعتراض کیا کہ ہم لوگوں نے تو قتل و غارت بہت ہی کم کیا ہے اور نچلے بورژوا دانیوں کو پرولتاری بنا کر انقلاب میں شامل کرنے کی نام نہاد پالیسی پہ بالکل عمل نہیں کیا۔ اس بنا پہ محاذ کمیٹی کی قیادت کی تنظیم نئے سرے سے ہوئی اور پالیسی تبدیل کی گئی۔ اپریل میں بھی، جب ہماری ساری فوج سرحدی علاقہ میں تھی، قتل و غارتگری کچھ ناکام سی رہی۔ اس کی بجائے شہروں میں متوسط درجہ کے تاجروں کی املاک

کو ضبط کر لیا گیا اور دیہات میں چھوٹے زمینداروں اور امیر کسانوں سے جبری چندے کی وصولیابی بہت سختی سے کی گئی۔ جنوبی ہونان کی سپیشل کمیٹی کے نعرہ کی، جو یہ تھا کہ "سب کارخانے مزدوروں کے حوالے کئے جائیں" بڑے وسیع پیمانے پر اشاعت کی گئی۔ نچلے بورژوا طبقہ پر اس کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس طبقہ کے بہت سے لوگ زمینداروں کے طرفدار بن گئے۔ انہوں نے سفید فیتے باندھ لئے اور ہماری مخالفت کرنے لگے۔"

ماؤ نے جس نئی تنظیم کا ذکر کیا ہے وہ صرف پالیسی کی تبدیلی کا معاملہ نہیں تھی۔ اس کی بدولت ماؤ کو سرحدی علاقے کی پارٹی میں اپنی مقتدر حیثیت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ مرکزی کمیٹی نے محاذ کمیٹی کو فصلِ خزاں کی بغاوت کی نگرانی کی غرض سے مقرر کیا تھا اور ماؤ اس کمیٹی کا سکریٹری تھا۔ اب تک یہ کمیٹی چنگ کانگ شان کے علاقہ میں نہایت اہم حیثیت میں کام کر رہی تھی۔ لیکن متذکرہ بالا تنظیم کے بعد اسے ڈویژنل پارٹی کمیٹی کی حیثیت دے دی گئی اور جنوبی ہونان کمیٹی کے ایک نمائندے کو اس کا سکریٹری بنا دیا گیا، جس نے اپنے اختیارات کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ماؤ کو حکم دیا کہ جنوبی ہونان میں فوجی کارروائی شروع کرے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک طرف تو جنوبی ہونان میں ماؤ کی فوج نے ہزیمت اٹھائی اور دوسری طرف اس کی عدم موجودگی میں کومنتانگ کی فوج اس علاقے کے اڈے پر قابض ہو گئی۔

مگر ماؤ کے نصیب اچھے تھے۔ اس مہم کے دوران اس نے چوتے کے ساتھ مل کر صف آرائی کر لی اور پھر جنوبی ہونان سے بھی اس نے مزید آٹھ ہزار کسان سپاہی بھرتی کر لئے۔ یوں سرخ فوج کو ایک نئی توانائی اور تقویت حاصل ہو گئی، اور اس نے واپس آ کر اس علاقہ کو دوبارہ فتح کر لیا۔ ۲۰ مئی ۱۹۲۸ء کو سرحدی علاقہ کی کانفرنس ننگ کانگ کے قریب ماؤ پنگ میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں تئیس ممبروں کی ایک سپیشل کمیٹی چنی گئی۔ ماؤ اس کا سکریٹری مقرر ہوا۔ اس طرح ماؤ نے مقامی پارٹی کی تنظیم پر دوبارہ تصرف حاصل کر لیا۔ فوج کو منظم کر کے "چوتھی سرخ فوج" کی حیثیت دی گئی۔ چوتے اس کا کمانڈر انچیف بنا اور ماؤ کی حیثیت پارٹی کے نمائندے کی تھی۔ یہ فوج چھ رجمنٹوں پر مشتمل تھی۔ یہ رجمنٹیں اٹھائیسویں رجمنٹ سے شروع ہوتی تھیں اور تینتیسویں رجمنٹ پر ختم ہوتی تھیں، اور ان میں کل ملا کر دس ہزار سپاہی تھے۔ لیکن ان میں سے صرف دو رجمنٹیں رائفلوں سے مسلح تھیں۔ باقیوں کے پاس صرف بلمے بھالے تھے۔ مزید یہ کہ یہ فوج بظاہر بہت بڑی نظر آتی تھی۔ لیکن اس کے زیادہ سپاہی جنوبی ہونان کے

وہ کسان تھے جنہیں اپنے علاقہ کی یاد نے اداس کر رکھا تھا۔ اور مئی کے ختم ہوتے ہوتے تیسویں اور تینتیسویں رجمنٹوں کے سپاہیوں نے فوج سے کنارہ کیا اور اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

جب یہ دو رجمنٹیں چلی گئیں تو پھر "چو۔ ماؤ فوج" (اب اس فوج کا یہی نام پڑ گیا تھا) کی باقی چار رجمنٹوں نے دشمن کی آٹھ سے اٹھارہ رجمنٹوں کے تابڑ توڑ حملوں کو کامیابی سے روکا۔ ماؤ اور چو تے نے ہنگامی جنگ کا ایک بنیادی اصول گرہ میں باندھ رکھا تھا کہ فوجوں کو اکٹھا رکھا جائے تاکہ یہ نہ ہو کہ ایک ایک کر کے سب سپاہی مارے جائیں۔ لیکن پارٹی کے اعلیٰ حکام کا خیال اب تک یہی تھا کہ سُرخ فوج تو اصل میں ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے اچانک انقلاب کی آگ بھڑکائی جا سکتی ہے۔ وہ یہ نہیں جان سکے تھے کہ سُرخ فوج چین کے سیاسی منظر کا مستقل جُزو ہے اور یہ کہ اسے نسبتاً طویل مدت تک کے لئے کام انجام دینا ہے۔ پس انہوں نے جو ہدایات بھیجیں وہ سیاسی اغراض کے تحت بھیجیں۔ فوجی اغراض کو انہوں نے ملحوظ نہیں رکھا۔ جون کے اواخر میں ہونان صوبائی کمیٹی کے دو فرستادے تو شیو چنگ اور یانگ کائی منگ سرحدی علاقہ میں پہنچے اور ماؤ اور چو کو فوراً جنوبی ہونان کی سمت پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ اپنے نقطۂ نظر کے جواز میں انہوں نے ایک مکتوب پیش کیا۔

جن پالیسیوں کی تو اور یانگ حمایت کر رہے تھے، اُن کے پیشِ نظر یہ مکتوب غالباً ان ہدایات کی نقل یا خلاصہ تھا جو مرکزی کمیٹی نے مارچ کے اواخر میں ہونان صوبائی کمیٹی کو بھیجی تھیں۔ اس خط میں اس بات کا اعادہ کیا گیا تھا کہ ملک بھر میں تحریک کا مرکز ہونان، ہوپائی اور کیانگسی کے تین صوبے ہیں کہ ان تین صوبوں میں بغاوتوں کا مرکز جنوبی ہونان ہے۔ مرکزی کمیٹی کا خیال یہ تھا کہ عسکریت پسندوں کے مختلف گروہوں کی باہمی کش مکش سے جو سیاسی صورتِ حال پیدا ہوئی ہے، اس سے فائدہ اٹھا کر بڑی آسانی سے زمینداروں کی سیاسی و فوجی طاقت کو کچلا جا سکتا ہے اور پورے چین میں بغاوت کی آگ بھڑکائی جا سکتی ہے۔ اس مکتوب میں شہروں سے خارجی طور پر کنارہ کشی کرنے اور داخلی طور پر اُن کو حقیر سمجھنے کی مذمت کی گئی تھی۔ اس سے ایک تو پارٹی کی ترکیب و تشکیل متاثر ہو سکتی تھی۔ دوسرے پرولتاریوں کے زرعی انقلاب کی قیادت کر سکنے کا بنیادی سوال پیدا ہوتا تھا۔ ان رجحانات کی اصلاح کی غرض سے مرکزی کمیٹی نے یہ مطالبہ کیا کہ ہونان میں پارٹی کو فوری طور پر نئے سرے سے منظم کیا جائے۔ سرحدی علاقے کے سلسلہ میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ ایک خصوصی کمیٹی مقرر کی جائے جسے

سیاسی و تنظیمی معاملات میں پورے اختیارات حاصل ہوں۔

خصوصی کمیٹی کو پہلے ہی سے موجود پا کر یانگ کائی منگ نے یہی کافی سمجھا کہ ماؤ کو سیکرٹری کے عہدے سے ہٹا دیا جائے اور خود یہ عہدہ سنبھال لیا جائے۔ اس بارے میں غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آیا ماؤ کے کان میں پہلے سے ہی خصوصی کمیٹی کی تجویز کی بھنک پڑ گئی تھی۔ اور آیا اس نے مئی میں جو اقدامات کیے تھے ان کی غرض یہ تھی کہ ہونان میں پارٹی کے حکام کے ممکن اقدامات کے خلاف پہلے سے بندوبست کر لیا جائے۔ بہرحال آنا طے ہے کہ یانگ اور تو کی حکمتِ عملی کو پارٹی کے اعلیٰ عہدیداروں کی واضح اور زبردست تائید حاصل ہونے کے باوجود ماؤ نے یانگشن شہر میں، جو ننگ کانگ سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ہے، اپنے ساتھیوں کا ایک جلسہ طلب کر لیا اور اُن سے ایسی قرارداد منظور کرائی جس میں صوبائی کمیٹی کے جنوب کی سمت پیش قدمی کے حکم کو رد کیا گیا تھا۔ لیکن یانگ اور تُو نے کچھ ماؤ کی عدم موجودگی سے اور کچھ اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ جنوبی ہونان کے کسان سپاہیوں کو گھروں کی یاد ستا رہی تھی، اُن لوگوں کو اس مہم کے لئے آمادہ کر لیا۔ چُو تے سُرخ فوج کا کمانڈر بن کر ساتھ گیا، یہ رضا و رغبت یا مجبوراً؟ یہ جاننا ناممکن ہے۔

سُرخ فوج اٹھائیسویں اور انتیسویں رجمنٹوں پر مشتمل تھی۔ تیلیسویں رجمنٹ عقب میں چلی۔ اب ماؤ کے پاس صرف تیلیسویں رجمنٹ رہ گئی، جس کے پاس کل دو سو رائفلیں تھیں اور ماؤ کو اس اکیلی رجمنٹ کی مدد سے مقبوضہ علاقہ کی حفاظت کرنی تھی۔

یہ احوال دیکھ کر کومنتانگ کی تیسری فوج کی پانچ رجمنٹوں اور کومنتانگ کی چھٹی فوج کی چھ رجمنٹوں نے متحد ہو کر ننگشن پر حملہ کر دیا۔ ماؤ کے پاس صرف ایک ہی رجمنٹ تھی اور وہ بھی ڈھنگ سے مسلح نہیں تھی۔ پھر بھی ماؤ نے چھاپے مار مار کر پچیس دن تک ان کی مدافعت کی۔ لیکن آخر کار وسط اگست میں ننگشن اور ننگ کانگ دونوں ہاتھ سے نکل گئے۔ اس موقعہ پر کومنتانگ کی تیسری فوج اور چھٹی فوج کے درمیان لڑائی ہو گئی۔ لیکن سرخ فوج میں اتنا دم کہاں تھا کہ وہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتی لہٰذا ماؤ جنوبی ہونان کی طرف چل پڑا کہ وہاں جا کر چُوتے سے واپس چلنے کو کہے۔ ادھر چوتے ایک معرکہ میں پوری انتیسویں رجمنٹ سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ یہ معرکہ ۲۷ جولائی کو اُس کے پرانے ساتھی فان شی شنگ کے ساتھ پڑا تھا۔ البتہ زیادہ طاقت ور رجمنٹ یعنی اٹھائیسویں رجمنٹ ابھی تک سلامت تھی۔

اس نے ۱۸ر اگست کو کوئی تنگ پر قبضہ کر لیا۔ ۲۳ر اگست کو ماؤ وہاں جا پہنچا۔ پھر ماؤ اور چو دونوں نے طے کیا کہ مل کر واپس چنگ کانگ شان چلیں۔

جب یہ دونوں چنگ کانگ شان پہنچے تو انہوں نے اور ہی ڈرامائی صورت حال دیکھی۔ سُرخ فوج کے قبضہ میں لے دے کے چند پہاڑی چوٹیاں رہ گئی تھیں۔ میدان اور سارے شہر دشمن کے قبضہ میں تھے۔ لیکن اکتوبر تک پورا علاقہ تو نہیں لیکن ہارے ہوئے علاقے کا بہت بڑا حصہ واپس لے لیا گیا۔ جب اس طور حالات کچھ درست ہو گئے تو ماؤ اور اس کے رفیقوں نے سرحدی علاقہ کی دوسری پارٹی کانفرنس منعقد کی۔ یہ کانفرنس ۱۴ر سے ۱۶ر اکتوبر تک جاری رہی۔ اس میں نئی خصوصی کمیٹی چنی گئی اور سکریٹری ایسا شخص چنا گیا جو ماؤ کے حق میں تھا۔

اس موقعہ پر ماؤ کو مرکزی کمیٹی کا ۴ر جون والا مکتوب ملا۔ اس مکتوب کے ساتھ کومنٹرن کی قرارداد فروری کی ایک نقل تھی۔ یہ وہ قرارداد تھی جس میں "انقلاب مسلسل" کے نظرئے اور "بغاوت پیہم" کی چالوں کی مذمت کی گئی تھی۔ اس مکتوب میں یہ ہدایت بھی درج تھی کہ پنج رکنی محاذ کمیٹی دوبارہ قائم کی جائے اور ماؤزے تنگ اس کا سکریٹری بنے۔ ۶ر نومبر کو جلسہ کر کے اس ہدایت کی تعمیل کی گئی۔ اس جلسہ میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ مرکزی کمیٹی کی ہدایات کو مجموعی طور پر قبول اور نافذ کیا جائے۔ البتہ ایک دو ایسی تفاصیل کو نظر انداز کر دیا گیا جو فوج کی تنظیم سے متعلق تھیں۔ ۱۴ر نومبر کو سرخ فوج کی چھٹی پارٹی کانفرنس نے تئیس ممبروں کی ایک کمیٹی نامزد کی۔ اور ایک پنج رکنی مستقل مجلس بنا کر چُو تے کو اس کا سکریٹری بنایا گیا۔ اس طرح ماؤ کو سرحدی علاقہ کی پوری جماعتی تنظیم پر پورا پورا اختیار حاصل ہو گیا۔ اس لئے کہ خصوصی کمیٹی اور فوج کمیٹی دونوں اس کی محاذ کمیٹی کی ماتحت تھیں اور دونوں میں ایسے لوگ تھے جو اس کے ہم خیال تھے

اب ایک مرتبہ پھر ماسکو اور شنگھائی کی مرکزی کمیٹی کے درمیان اور شنگھائی اور چنگ کانگ کے درمیان پیغام رسانی کے کمزور سلسلہ کی بدولت ماؤ ان فیصلوں کو لئے بیٹھا رہا، جن کی میعاد ختم ہو چکی تھی۔ اگست و ستمبر ۱۹۲۸ء میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کی چھٹی کانگرس ماسکو میں منعقد ہوئی۔ اس کے ساتھ چینی کمیونسٹ پارٹی کی چھٹی کانگرس بھی وہاں منعقد ہوئی۔ مؤخر الذکر کانگرس میں جو فیصلے ہوئے ان کی خبر چنگ کانگ شان میں ۲۹-۱۹۲۸ء کے موسم سرما میں پہنچی اور ماؤ کا کہنا ہے کہ وہ اور چُو تے ان

فیصلوں سے پورے طور پر متفق تھے ۔ ماؤ کہتا ہے کہ " اس کے بعد سے پارٹی کے رہنماؤں اور سوویت تحریک کے رہنماؤں کے جو اختلافات زرعی اضلاع میں تھے، ختم ہو گئے ۔ پارٹی میں پھر اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا ہو گئی"۔

اس بات سے ہر ایک واقف ہے اور آئندہ کے صفحات میں بھی ایسے واقعات کا بیان آئے گا جن سے پتہ چلے گا کہ یہ بیان گمراہ کن تھا ۔ البتہ اس بیان میں اس حد تک صداقت ضرور تھی کہ چھٹی کانگرس نے کم از کم اتنا تسلیم کر دیا تھا کہ ایک ہی وقت میں چاروں طرف بے ہنگم طور پہ ہاتھ پیر مارنے کا فائدہ نہیں ہے جس کی سفارش چوچیو پائی نے کی تھی ، زیادہ سود مند کام یہ ہوگا کہ دیہی علاقہ میں سوویتیں قائم کی جائیں اور وہاں سے کارروائی شروع کی جائے ۔ لیکن اس طریقِ کار کو ایک عارضی طریقِ کار کے طور پر قبول کیا گیا تھا ۔ یعنی یہ طریقِ کار اس وقت تک استعمال کیا جانا تھا جب تک پورے ملک میں انقلاب کی ایک نئی لہر نہیں آتی جس کی بدولت عوامی بغاوت برپا کرنا اور کومنتانگ حکومت کا تختہ الٹنا ممکن ہو جائے ۔ پھر اگرچہ یہ مان لیا گیا تھا کہ فی الوقت شہروں کے مزدور طبقہ کی نسبت دیہات کا کسان طبقہ زیادہ سرگرمِ عمل ہے لیکن اس صورتِ حال کو غیر فطری قرار دیا گیا تھا ۔ تصور یہ تھا کہ یہ صورتِ حال شنگھائی اور دوسرے شہروں میں ہونے والے قتل و غارت کا افسوس ناک نتیجہ تھا اور اس کا جلد سے جلد تدارک ہونا چاہیئے ۔ پرولتاری اجارہ داری کو اب بھی ایک مسلّمہ اصول کی حیثیت حاصل تھی ۔ پارٹی کے حکام کا منصوبہ یہ تھا کہ صنعتی کارخانوں میں سیل قائم کئے جائیں اور یوں " پارٹی کی معاشرتی ترکیب کو سنوارا جائے "۔ طے یہ پایا کہ دیہات میں پارٹی کے ممبر خاص طور پر زرعی مزدوروں اور غریب کسانوں میں سے بھرتی کئے جائیں اس طرح پارٹی نہ تو صرف کسان طبقہ کی نمائندہ رہے گی اور نہ ہی مختلف معاشرتی طبقات کی پیداوار کہلائے گی ۔

شہر کے پرولتاری طبقہ کی قیادت ، دیہاتوں میں کمیونسٹ پارٹی کی تنگ طبقاتی بنیاد اور سُرخ علاقوں کی تدریجی توسیع کی بجائے مستقبل قریب میں ایک ایسی جدوجہد کی منصوبہ بندی کہ پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے ـــــ یہ تینوں نکات ان تدابیر کے بالکل خلاف تھے جن پر اس وقت ماؤ زے تنگ عمل پیرا تھا ۔ اب تک ماؤ کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ ایسے علاقے ضرور ہونے چاہئیں جنہیں اپنے اڈے بنایا جا سکے ۔ ۱۹۲۸ء کے موسم خزاں میں اس نے اپنے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ " ایک علاقے کا اڈے کے طور پر قبضہ میں ہونے کا پوری فوج کے ساتھ وہی تعلق ہے جو کولہوں کا آدمی کے پورے جسم کے ساتھ ہوتا ہے ۔ آدمی کولہوں سے اور فوج علاقہ سے محروم ہو تو ستانے اور دم لینے

کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس بھاگتے دوڑتے رہیئے اور بالآخر تھک کر گر پڑیئے۔" اسی کے ساتھ یہ جتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ماؤ کے ذہن میں ابھی تک کوئی واضح تصور نہیں تھا کہ مکمل اور قطعی کامیابی کیسے حاصل ہوگی۔ نومبر ۱۹۲۸ء میں اس نے بڑے دکھ کے ساتھ لکھا تھا کہ سرخ فوج جہاں بھی جاتی ہے وہاں عوام بڑی سرد مہری دکھاتے ہیں اور بے تعلق رہتے ہیں اور ہمارے پروپیگنڈے کے بعد ہی اُن میں تھوڑی بہت تحریک ہوتی ہے۔ جن دشمن فوجی دستوں سے ہم دوچار ہوتے ہیں ان میں نہ کوئی بغاوت ہوتی ہے نہ کوئی ٹوٹ کر ہماری طرف آتا ہے۔ ہمیں پوری طرح لڑ کر ہی اُن سے فیصلہ کرنا پڑتا ہے...... ہمیں یہ اذیت ناک احساس ہے کہ ہم لوگوں سے بچھڑ گئے ہیں۔ بہر حال ہم یہ امید لئے رہتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جڑ جائے گا۔"

اپنی رپورٹ کے اصل متن میں ماؤ نے اس ٹوٹے رشتہ کی وضاحت کچھ ایسے رنگ میں کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت جو خیالات پھیلے ہوئے تھے ان سے وہ بھی متاثر تھا۔

"اسے بغاوت تو کہا نہیں جاسکتا۔ بس ملک کے حصول کی خاطر لڑائی کہہ لیجیے۔ ملک کے لئے لڑنے کا یہ طریقہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس سارے قصّہ کی وجہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر ملک میں انقلاب کی کوئی رَو سرے سے پیدا نہیں ہوئی۔...... مظلوم طبقوں کی بے پناہ قوّت ابھی حرکت میں نہیں آئی، اس لئے ہماری حیثیت یہ رہ گئی ہے کہ ہم اس سرد مہری کی فضا میں ملک کی خاطر لڑتے رہیں۔"

یہ صاف ظاہر ہے کہ ابھی تک اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ پورے ملک۔ میں کومنتانگ کی مضبوط حکومت کے قیام کے باوجود یہ ممکن تھا کہ ایک محدود علاقہ میں انقلابی فضا پیدا کی جائے۔ اگر اس پر یہ حقیقت منکشف نہیں ہوتی تھی تو اس کی ایک وجہ اس کی غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابلِ عمل زرعی پالیسی تھی۔ چنگ کانگ شان میں شروع کے دور میں ساری اراضی کو ضبط کر لیا گیا اور پھر اس کے بعد اسے کسانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا، جیسا کہ ماؤ نے ۲۰ اگست ۱۹۲۷ء کو مرکزی کمیٹی کے نام مکتوب میں تجویز کیا تھا۔ لیکن اس پالیسی میں ایک حقیقت کو فراموش کر دیا گیا۔ وہ یہ تھی کہ جس کسان کے پاس اپنی زمین کا بہت چھوٹا قطعہ بھی تھا، وہ اُس کی ذات کے لئے بہت اہم تھا۔ اب اگر وہ تھوڑی سی زمین اس سے چھین کر مشترکہ اراضی میں جمع کر دی گئی ہے تو خواہ اسے مشترکہ اراضی میں سے زیادہ بڑا اور زیادہ زرخیز قطعہ بھی کیوں نہ مل جائے اسے تسکین نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ تو اپنی چپہ بھر زمین کو

رہ رہ کر یاد کرتا رہے گا۔ اپریل ۱۹۲۹ء میں اس غلطی کی اصلاح کی گئی اور پالیسی یہ اختیار کی گئی کہ شروع میں صرف زمینداروں کی املاک ضبط کی جائیں۔ شاید اس اصلاحی اقدام میں چھٹی کانگرس کے فیصلوں کو بھی کسی قدر دخل ہو، جو موسم سرما میں موصول ہو گئے تھے۔ اور جن میں تقسیم اراضی کے معاملہ میں نچلے بورژوا طبقہ والی مساوات پسندی پر بہت تنقید کی گئی تھی۔

۱۹۲۹ء کے موسم بہار میں جو نئی زرعی پالیسی وضع کی گئی تھی اس میں شاید اس بات کو بھی دخل ہو کہ اس وقت تک ماؤ اپنی کارروائیوں کا مرکز ایک زیادہ بڑے اور زیادہ زرخیز علاقہ میں منتقل کر چکا تھا، جس کا معاشرتی تانا بانا بھی زیادہ پیچیدہ تھا۔ نومبر ۱۹۲۸ء میں پنگ تی ہوائی پانچویں سرخ فوج کا سربراہ بن کر چنگ کانگ شان پہنچا۔ پہاڑی سرحدی علاقہ اب متحدہ فوجوں کا مزید متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس مرتبہ جاڑا بھی کچھ غیر معمولی طور پر سخت پڑا تھا اس سے صورت حال اور ابتر ہو گئی۔ پھر کومنتانگ کی فوجوں نے اس اڈے پر نئے سرے سے فوج کشی شروع کر دی تھی۔ لہذا فیصلہ یہ ہوا کہ جنوب مشرق کی طرف جنوبی کیانگسی کو ہجرت کر دی جائے اور پنگ تی ہوائی اور وانگ سو کو چنگ کانگ شان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

پنگ تی ہوائی وہ شخص تھا جس نے اس کے بعد سے ۱۹۵۹ء تک یعنی اپنے معتوب ہونے تک سرخ فوج کی تشکیل اور رہنمائی میں اہم کردار ادا کرنا تھا۔ وہ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ ایک کسان گھرانہ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ گھرانہ صوبہ ہونان کی تحصیل چیانگشان میں آباد تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں کا ماؤ رہنے والا ہے۔ دس برس کی عمر میں وہ گھر سے بھاگ نکلا۔ کبھی گوالا بنا، کبھی کوئلہ کی کانوں میں جا کر محنت مزدوری کی، کبھی کسی موچی کی دوکان پہ بیٹھ کر جوتے گانٹھے۔ ۱۹۱۶ء وہ ہونان کی فوج میں بھرتی ہو گیا، اور درجہ بدرجہ ترقی کرتا چلا گیا۔ اس زمانے کے جتنے حالات معلوم ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سیاسی سرگرمی سے بالکل الگ تھلگ رہا۔ جب ۱۹۲۶ء میں شمالی مہم شروع ہوئی تو وہ تانگ سنگ چی کے تحت مہ چین کی پینتیسویں فوج کی پانچویں ڈویژن کا کمانڈر تھا۔ جب کمیونسٹوں اور کومنتانگ میں پھوٹ پڑی تو ہو کی بائیں بازو والوں کو اپنی صفوں سے صاف کرنے کی کوشش کے باوجود پنگ نے اپنی حیثیت برقرار رکھی۔ ۱۹۲۸ء کے اوائل میں وہ ہو کی فوج کی پہلی بریگیڈ کی کمان کر رہا تھا۔ جولائی ۱۹۲۸ء میں جب پنگ چنگ میں بغاوت ہوئی تو وہ اپنی فوج لے کر میدان میں اتر آیا۔ اس معرکہ میں

جو سپاہی بچ گئے وہ چند ماہ بعد اس کے پیچھے پیچھے چانگ کنگ شان پہنچ گئے۔

چو اور ماؤ نے چنگ کانگ شان کا مرکز ۱۴ر جنوری ۱۹۲۹ء کو چھوڑا تھا۔ پھر تاپوتی کے مقام پر ایک خونریز معرکہ پڑا۔ اس معرکہ میں ان کی آدھی فوج ضائع ہو گئی۔ مگر انھوں نے ٹنگ کُو اور ژہنگ کو کے اردگرد کے علاقہ میں اپنے پاؤں جما لئے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں انھوں نے مرکز کی تعمیر کی جس نے بڑھ پھیل کر بالآخر چینی سوویت جمہوریہ کی صورت اختیار کی اور جوئی چین اس کا صدر مقام کہلایا۔ ادھر چنگ کانگ شان کی فوج پر کومنتانگ کی فوجوں نے تین طرف سے گھیر کر حملہ کر دیا تھا۔ وانگ سو اپنے مٹھی بھر پیروؤں کے ساتھ پہاڑوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے اب پھر ڈاکوؤں کے طور طریقے اپنانے شروع کر دیے۔ پنگ تے ہوائی نے پانچویں فوج کے بچے کھچے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور جنوبی کیانگسی جا کر ماؤزے تنگ اور چوتے سے جا ملا۔ جب اپریل ۱۹۲۹ء میں دونوں فوجوں کا ملاپ ہُوا تو اُس وقت ماؤ اور چو کے پاس دو ہزار سپاہی تھے اور پنگ کے پاس آٹھ سو آدمی تھے۔

ان حالات میں ماؤزے تنگ کو مرکزی کمیٹی کا ۹ر فروری کا پیغام موصول ہُوا۔ اس میں پوری مہم کے بارے میں قطعی طور پر بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ سرخ فوج کے تحفظ اور عوام کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی خاطر فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں بانٹ کر دیہاتوں میں پھیلا دے۔ چُوتے اور خود ماؤ سے یہ درخواست کی گئی کہ فوج سے کنارہ کر لیں تاکہ خاص خاص اڈّوں کی نشاندہی نہ ہو پائے اس کے جواب میں ماؤ نے ۵ر اپریل کو خط لکھا کہ حالات جتنے خراب ہیں اتنی ہی اس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری فوجیں اکٹھی رہیں اور اس کشمکش میں رہنماؤں کے پائے ثبات میں جنبش نہ آئے۔

لیکن جھگڑا محض جنگی تدابیر پر نہیں تھا۔ مرکزی کمیٹی کو اس بات پر بھی بہت تشویش تھی کہ کیانگسی میں جدوجہد مارکسیت کے مسلّمہ طریق سے ہٹ گئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پرولتاریوں کا اس میں کوئی عمل دخل ہی نہیں تھا۔ مرکزی کمیٹی کا روح رواں لی لیسزان تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا عہدہ سکریٹری کا نہیں تھا۔ نومبر ۱۹۲۸ء میں لی نے ایک گشتی چٹھی کے ذریعہ شکایت کی تھی کہ تحریک کا سارا زور چونکہ دیہات میں ہے، اس لئے پارٹی میں کسان ذہنیت در آئی ہے۔ اس شکایت کے بعد یہ جتایا گیا کہ کسان ذہنیت میں جو خطرے پوشیدہ ہیں ان کی اصلاح صرف پرولتاری قیادت کر سکتی ہے۔ اور کہیں اگر یہ اصلاح نہ ہو سکی تو انقلاب

اور پارٹی دونوں کا تختہ الٹ جائے گا۔

اس طرزِ استدلال کا جواب ماؤ نے ۵ اپریل کے خط میں دیا جواب اس نے اپنے مخصوص رنگ میں دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ مرکزی کمیٹی کا نظریاتی موقف برحق ہے، مگر عملی میدان میں اُسے یہ اجازت ہونی چاہیے کہ جو مناسب سمجھے وہ کرے۔ اہم شہروں میں پارٹی کو پرولتاری بنیادوں پر استوار کرنا بے شک وقت کی بہت بڑی ضرورت تھی۔ یہ تنظیمی کام یقیناً سرانجام پانا چاہیئے۔ اور دیہاتوں میں چھوٹے چھوٹے علاقوں میں سوویتیں قائم کرنا بھی بہت مفید کام ہے اس سے انقلابی جوش وخروش میں اضافہ ہوگا لیکن شہروں میں تحریک کو فراموش کرکے صرف کسانوں کی چھاپہ مار سرگرمی میں مگن ہو جانا غلطی ہوگی۔

ماؤ نے یہ باتیں ضرور کہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ " ہماری رائے میں یہ خوف کھانا بھی غلطی ہے کہ کہیں کسان طاقت نہ پکڑ جائیں۔ اگر پارٹی کے کچھ ممبران یہ سوچتے ہیں کہ کسانوں کے طاقت پکڑنے سے مزدوروں کے ہاتھ سے قیادت نکل جائے گی، اور اس طرح انقلاب کو ضرر پہنچے گا تو وہ غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ نیم نوآبادیاتی چین میں انقلاب صرف اس صورت میں ناکام ہوگا کہ کسان تحریک مزدوروں کی قیادت سے محروم ہو جائے۔ لیکن اگر کسان تحریک اس طور پر بڑھتی پھیلتی ہے کہ کسان مزدوروں سے زیادہ طاقت ور ہو جاتے ہیں تو اس سے انقلاب کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں "

یہ اشارہ کہ اگر پارٹی کے کچھ ممبران اس انداز سے سوچتے ہیں کسی قدر پس وپیش کے ساتھ کیا گیا ہے مگر شاید یہ جانے بوجھے طنز کا پہلو بھی رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لی لیزان اور اس کے شنگھائی والے ساتھی ہی نہیں بلکہ خود ماسکو والوں کو بھی کسانوں کی چھاپہ مار چالوں کی افادیت میں بہت شک تھا۔ اور یہ چالیں اس وقت چین میں کم وبیش نصف درجن مرکزوں میں مستعمل تھیں۔ مگر کومنٹرن والے لی سے بھی دو قدم آگے نکل گئے۔ چین کی کمیونسٹ پارٹی کے نام تحریر کردہ کسانوں کے سوال پر اُن کے ۷ جنوری کے خط میں یہ تجویز رقم تھی کہ اس پوری مہم ہی کو ترک کر دیا جائے۔" کسان عوام کی جدوجہد کا شہر کے پرولتاری طبقہ کی انقلابی جدوجہد سے رابطہ ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ دیہات کے علاقے میں ہمارا طریق ایسا ہونا چاہیے کہ پارٹی کے کام سے اس کی مطابقت ہو، جو شہر کے پرولتاری طبقہ کی روزمرّہ کی اقتصادی جدوجہد میں شامل ہو کر اسے اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کر رہی ہے کسان تحریک کو یوں شروع کرنا مطلق ضروری نہیں کہ زرعی انقلاب برپا

کرنے کے نعرے لگائے جائیں، چھاپہ مار جنگ شروع کر دی جائے اور شورشیں برپا کی جائیں۔ اس کے برخلاف چین کی موجودہ صورتِ حال کا تقاضا یہ ہے کہ پارٹی چھوٹے موٹے تصادم کے واقعات سے فائدہ اٹھائے۔ لوٹ کھسوٹ کی تمام صورتوں کے خلاف کسان عوام کی روزمرّہ جدوجہد کو فروغ دے، اور ان کی سیاسی سطح بلند کرے"۔

جس روزمرّہ جدوجہد کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد ہے ٹیکسوں کے خلاف اور لگان کی تخفیف یا عدم ادائیگی کی تحریک۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ مغربی جمہوری ملکوں کے حالات سے مطابقت رکھنے والے اور اُن سے مستعار لئے ہوئے یہ طریقے چین کے دیہاتی علاقہ میں موجود جبر و تشدّد کی فضا میں کیسے برتے جائیں گے۔ کومنٹرن کے ماہ جون کے مکتوب میں بھی زرعی پالیسی کے بارے میں بالخصوص سوویت علاقوں میں زرعی پالیسی کے بارے میں کچھ عجب قسم کے حوالے پائے جاتے ہیں۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ماؤزے تنگ کو ایک خط لکھا تھا جس میں اسے امیر کسانوں سے مفاہمت مکمل کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ کومنٹرن نے اپنے مکتوب میں اس خط سے ایک عبارت نقل کی اور اس موقعہ پرستانہ انحراف کی سخت مذمت کی۔ کومنٹرن کا موقف یہ تھا کہ تحریک جاگیرداروں کے خلاف ہی نہیں بلکہ امیر کسانوں کے خلاف بھی ہونی چاہیئے۔ اور اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھنا چاہیے کہ ان کسانوں کا سامراج دشمن قومی آزادی کی تحریک کے بارے میں کیا رویہ ہے۔

اس دستاویز سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ان ابتدائی برسوں میں زرعی مسئلہ کے بارے میں ماؤ کی پالیسی مرکزی کمیٹی کے مقابلہ میں زیادہ انقلابی تھی۔ اگرچہ عام طور پر ایسا نہیں سمجھا جاتا۔ اس زمانے میں ماؤ کے یہاں ایک انقلابی جوش اور بے صبراپن کارفرما تھا، اور زرعی مسئلہ کے بارے میں یہ انقلابی اندازِ فکر اس رویّے کے عین مطابق تھا۔ ماؤ نے اپنے مکتوب اپریل میں مرکزی کمیٹی کے سامنے ایک منصوبہ پیش کیا کہ ایک برس کے اندر اندر پورے صوبہ کیانگسی کو بلکہ ساتھ میں نانچانگ کے صدر مقام کو بھی فتح کر لیا جائے اور یہ منصوبہ اس نے ایسے وقت میں پیش کیا جب اس کی فوج میں کل ملا کر دو ہزار آٹھ سو آدمی تھے۔ جنوری ۱۹۳۰ء میں بھی اس کا خیال یہی تھا کہ اگرچہ ایک سال کی مدّت کا تعیّن بڑی میکانکی سی بات ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ صوبے پر بڑی تیزی سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کو اس امکان میں شک نظر آتا ہے وہ وہ لوگ ہیں جو خارجی طاقتوں کو زیادہ اہمیت دے رہے ہیں اور داخلی طاقتوں کی اہمیت کو محسوس

نہیں کر پاتے۔"

بعد میں خود ماؤ نے یہ کہا کہ ان رجائیت پسندانہ خیالات کی بنیاد اس مفروضے پر تھی کہ انقلاب کی ایک زبردست رَو اُٹھ رہی ہے جس وقت ماؤ نے یہ خیالات پیش کئے تھے اس وقت کومنٹرن کا رویہ اس بارے میں نسبتاً محتاط تھا لیکن ۱۹۲۹ء کے موسم خزاں میں ماسکو کا موقف یکایک بالکل بدل گیا۔ اس کی وجہ بڑی حد تک یہ تھی کہ امریکہ میں اقتصادی بحران کی وجہ سے ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ اب سرمایہ پرستی کا سفینہ ڈوبنے والا ہے۔ پھر ایک وجہ خود چین کے اپنے حالات بھی تھے، جہاں چیانگ کائی شیک اپنے حریف جنرلوں سے متواتر نبرد آزما تھا۔ ان حالات میں ماسکو والوں نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو چینی کمیونسٹ پارٹی کے نام ایک چٹھی لکھی اور اطلاع دی کہ انقلاب کی ایک نئی لہر اُٹھ رہی ہے اور جونہی یہ لہر اپنے عروج پر پہنچے لازم ہے کہ فوراً زمینداروں اور بورژواؤں کی حکومت کا تختہ الٹنے کا سامان کیا جائے اور سوویت طرز پر کسانوں اور مزدوروں کی آمریت قائم کی جائے۔

اس کے بعد سے ماؤ اور لی لیزان اس تاک میں لگے رہے کہ کب انقلاب کی لہر اپنے عروج پر پہنچے۔ لیکن اس آنے والی گھڑی کے لئے وہ جس طریقے سے تیاریاں کر رہے تھے اس کی قطعی طور پر مخالفت کی گئی۔ جب دسمبر ۱۹۲۹ء میں چوتھی فوج کے کمیونسٹوں کی کانفرنس کوتائین کے مقام پر ہوئی تو ماؤ نے برملا اعتراف کیا کہ سرخ فوج میں سپاہیوں کی اکثریت مختلف دوسرے طبقوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ وہ عناصر ہیں جن کے اثر سے فوج میں آوارہ باغیوں والی ذہنیت پیدا ہو گئی ہے اور فوج کو خراب کر رہی ہے لیکن ماؤ کا اب تک یہی خیال تھا کہ اگر انھیں شد و مد سے تعلیم دی جائے تو ان کو مکمل طور پر دوسرے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ اور بھانت بھانت کے طبقوں کے افراد پر مشتمل اسی سُرخ فوج کے سپرد یہ کام ہوا تھا کہ عوام کو منظم اور مسلح کرے، سیاسی اقتدار قائم کرے، رجعت پسند طاقتوں کو تہس نہس کرے، اور انقلاب کے سمندر میں طوفان اٹھائے۔"

لی لیزان اپنے طور پر، نہ تو اس مختلف طبقوں سے جمع کی ہوئی پرولتاری فوج سے اور نہ دیہاتی علاقہ کے حالات واقعات ہی سے مرعوب تھا۔ اس نے مارچ ۱۹۳۰ء میں یہ بات لکھی تھی کہ "دیہات حکمران طبقہ کے اعضا اور شہر اس کے دل و دماغ ہیں۔ اگر دل و دماغ سے رشتہ منقطع کر دیا جائے تو پھر اس طبقہ کی موت یقینی ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے اعضا قلم کرتے چلے جائیں تو لازم نہیں کہ وہ ضرور

ہلاک ہوجائے۔" لی لیزاں یہ کہہ کر گویا کومنٹرن ہی کی رائے کو دہرا رہا تھا۔ کومنٹرن نے پچھلے اکتوبر والی چٹھی میں لکھا تھا کہ "سوویت کے علاقوں نے اپنے آپ کو برقرار رکھا ہے بلکہ کچھ عرصے سے تو انہوں نے اپنی سرگرمیوں میں توسیع کر لی ہے اور مزید مستحکم ہوگئے ہیں ...... کسانوں کی ان سب سرگرمیوں نے مل جل کر انقلابی طوفان کے ایک معاون دھارے کی حیثیت اختیار کر لی ہے جو زیادہ بڑھے پھیلے گا اور قومی انقلابی تحریک میں جا ملے گا۔"

واقعہ یوں ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء تک خود ماؤ کا بھی یہی خیال تھا کہ اس کی سرگرمیوں کی حیثیت ایک معاون دھارے کی ہے اور اگر پورے ملک میں انقلاب کا کوئی بڑا طوفان نہ اٹھا تو اس کی ساری کاوش مٹی میں مل جائے گی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاون دھارے کو لی لیزاں اور ماسکو کی نسبت اس نے زیادہ اہمیت دی تھی۔ البتہ جب ۱۹۲۹ء کے اواخر اور ۱۹۳۰ء کے آغاز میں سرخ فوج نے نمایاں معرکے مارے تو یکایک سوویت علاقوں کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ جون ۱۹۳۰ء تک خود لی لیزاں اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ اگرچہ آنے والے انقلابی طوفان میں فیصلہ کن حیثیت شہروں کے مزدوروں کی جدوجہد ہی کو حاصل ہوگی لیکن سرخ فوج کے زبردست حملے بھی کامیابی کی راہ میں بڑا کام انجام دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے جنوب وسطی چین کے بڑے بڑے شہروں پر مسلسل حملوں کے احکامات جاری کر دیئے۔

پہلے حملے میں چانگشا پر قبضہ ہوگیا۔ یہ حملہ پنگ تی ہُوائی کی سربراہی میں تیسری فوج کے دستوں نے ۲۸ جولائی کو کیا تھا اور شہر پر اُن کا قبضہ دس دن تک رہا۔ اسی عرصے میں پہلی فوج کے دستوں نے چوتے کی قیادت میں نانچنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس فوج کے ساتھ ماؤ بھی تھا جس کی حیثیت سیاسی ناظر کی تھی۔ دوسری فوج کے دستے ہولنگ کی سالاری میں ووہان کی سمت بڑھے۔ چوبیس گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد چو اور ماؤ نے نانچنگ پر قبضہ کے خیال کو ترک کیا اور مغرب کی سمت میں پیچھے ہٹنے لگے۔ جب یہ لوگ واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں ان کی مڈبھیڑ پنگ تی ہُوائی سے ہوگئی۔ اسے لی لیزاں کی طرف سے یہ حکم موصول ہوا تھا کہ چانگشا پر دوبارہ چڑھائی کرو۔ سو یہ مشترکہ فوج جو اب بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، دوبارہ چانگشا کی طرف بڑھی۔ لیکن ادھر کومنتانگ کی فوج اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ تیرہ دن لڑائی ہوتی رہی۔ اور آخر ماؤ نے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ اس بے سود معرکہ آرائی

کو ترک کر کے جنوبی کیانگسی کے ٹھکانے کی طرف لوٹا جائے۔ ماؤ نے دو سال پہلے بھی اپنی فوج اور انقلابی ٹھکانے کو خطرے میں پا کر ہونانی صوبائی کمیٹی کے جنوبی ہونان کو پیش قدمی کے احکامات کو رد کر دیا تھا۔ اس مرتبہ پھر اس نے یہی کیا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ پارٹی کے اعلیٰ حکام کے احکامات سے اس کی فوج اور انقلابی ٹھکانے کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا ہے تو اس نے دیدہ دانستہ ان احکامات کے خلاف ورزی کی۔

کیانگسی سے ینان تک

چینی انقلاب کے لئے نئی پالیسی کی شرح وضع کرنے سے پیشتر، ہمیشہ کی طرح، کومنٹرن نے یہ سوال اٹھایا کہ پچھلی غلطیوں کا ذمہ دار کسے گردانا جاتے؟ شروع میں اس تحقیق کا بار چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی پر پڑا جس کا ابتدائی اجلاس ستمبر ۱۹۳۰ء میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں چو چیو پائی اور چو این لائی دونوں موجود تھے۔ اور یہ دونوں وہ شخص تھے جو ماسکو کے اس اجلاس میں شریک ہوتے تھے جس میں لی لیزاں کی پالیسی پر بحث ہوئی تھی۔ ان دو حضرات کے علاوہ خود کومنٹرن کا نمائندہ پافل مِف بھی اجلاس میں موجود تھا۔ مگر ان لوگوں کے موجود ہونے کے باوجود جو نتیجہ نکلا وہ غیر تسلی بخش تھا۔ چو چیو پائی اور چو این لائی نے کہہ سن کر نہایت مشفقانہ فیصلہ کرایا۔ اس فیصلہ کی رُو سے لی لیزاں اپنی سیاسی حکمتِ عملی میں کسی سنگین غلطی کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔ بس اس نے خارجی صورتِ حال کو سمجھنے میں کچھ معمولی لغزشیں کی تھیں۔ چو چیو پائی اور چو این لائی نے ظاہر تو یہ کیا کہ ایسا فیصلہ کرانے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ چینی قیادت کی ساکھ قائم رہے۔ مگر اصل بات یہ تھی کہ وہ دونوں لی کی بہت سی آرائے سے اتفاق رکھتے تھے۔ مجبوراً کومنٹرن کو یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینا پڑا اور لی کی غلطیوں کی باقاعدہ تحقیقات شروع ہو گئی۔ اس سلسلہ میں لی اور چو چیو پائی دونوں کی ماسکو میں طلبی ہوئی۔

یہ واقعہ ماؤ کی داستانِ حیات سے بلاواسطہ متعلق ہے۔ وہ دو اعتبارات سے ماؤ کی سوانح میں معنی رکھتا ہے۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ حال ہی میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ماؤ کی حکمتِ عملی ۱۹۳۰ء میں وہی تھی جو کومنٹرن کی تھی، جس نے جون ۱۹۳۰ء کی ایک قرارداد میں چینی انقلاب کے مستقبل کی پوری نہج طے کر دی تھی۔ دوسرے اس اعتبار سے کہ لی لیسان اور سٹالن میں سارے فساد کی جڑ یہ تھی کہ لی لیسان ماسکو کے تابع رہنے کے خلاف تھا، اور یہ وہی پالیسی تھی جس پر آج ماؤ عمل پیرا ہے۔

'لی لیسانی نہج'، کی مستند اصطلاح چینی کمیونسٹ پارٹی کی پولٹ بیورو کی اس قرارداد میں نظر آئے گی جو ۱۱ر جون ۱۹۳۰ء کو منظور ہوئی تھی۔ اس قرارداد میں وہ بنیادی اصول بیان ہوئے تھے جن کے تحت سرخ فوج کو چانگشا، نانچانگ اور ووچانگ پر حملہ کا حکم ملا تھا۔ یہ دستاویز ماسکو میں اواخر جون میں پہنچی: کومنٹرن ہیڈ کوارٹر میں اس پر بحث ہوئی اور ایک قرارداد پاس کی گئی۔ اس قرارداد میں لی کے نقطۂ نظر پر کھل کر تو کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ اسی سے ملتی جلتی ایک زیادہ معتدل پالیسی پیش کی گئی تھی۔ ماسکو اور لی لیسان دونوں متفق تھے کہ آنے والے بحران میں سرخ فوج بہت معاونت کر سکتی ہے۔ مگر شرط یہ تھی کہ خود فوج کی پرولتاری قیادت مضبوط ہو اور شہر کا پرولتاری طبقہ عام ہڑتالیں کرنے اور مزاحمت کے دوسرے روایتی طریقے اختیار کر کے بلاواسطہ مداخلت کرے۔ دونوں کا کہنا تھا کہ شروع میں ایک یا چند صوبوں میں کامیابی حاصل کر لینی چاہیئے۔ دونوں کو توقع تھی کہ فیصلہ کن معرکے کا وقت بہت قریب ہے۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ لی لیسان کچھ زیادہ ہی خوشی میں مست تھا۔ اس کے نزدیک 'عنقریب' کا مطلب 'فوراً' تھا۔ ادھر ماسکو کا مشورہ یہ تھا کہ پہلے سرخ فوج کو مضبوط بنایا جائے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ لی نے کوئی علاقائی یا صوبائی سوویٹ حکومت قائم کرنے اور اُسے ایک اچھے خاصے عرصہ تک برسرِ عمل رکھنے کے خیال کو بھی رد کر دیا۔ اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جب ایک یا چند صوبوں میں کامیابی ہو جائے گی تو فوراً ہی پورے ملک میں، دیہات میں بھی اور شہروں میں بھی شورشیں برپا ہو جائیں گی اور یہ وہ وقت ہو گا جب کومنتانگ حکومت سے آخری اور فیصلہ کن معرکہ ہو گا۔ پھر یہ کہ چین میں یہ واقعات رونما ہوں گے تو سامراجی اس میں دخل دیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پوری دنیا میں انقلابی جنگ بھڑک اٹھے گی اور آخر سرمایہ داری کا تختہ اُلٹ جائے گا۔

یہ صحیح ہے کہ کومنٹرن نے اس پر بہت زور دیا تھا کہ شہروں میں مزدوروں کی تحریک چلنی چاہیئے اور

سب یا بہت سے صنعتی شہروں میں عام سیاسی ہڑتالیں ہونی چاہئیں - یہ بھی صحیح ہے کہ اس نے یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ عنقریب "فیصلہ کن معرکے" ہونے والے ہیں۔ تاہم ان باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر یہ دعویٰ کرنا ناممکن ہوگا کہ ماسکو نے پہلے ہی ماؤ کی کامیابی کا پروانہ لکھ دیا تھا۔ حکمتِ عملی میں ماؤ لی لیزاں کی نسبت ماسکو سے زیادہ قرب رکھتا تھا، اس لئے کہ لی تو چھاپہ مار جنگ کے سرے ہی سے خلاف تھا - وہ صاف صاف کہتا تھا کہ "چھاپہ مار جنگ کے فوجی تصور سے چمٹے رہنا ایس بازو والوں کی سنگین غلطی ہے"۔ اس کا مطالبہ تھا کہ "سابقہ چھاپہ مار حکمتِ عملی کو قطعی طور پر ترک کیا جائے اور دشمن کی نمایاں طاقتوں پر جم کر حملے کئے جائیں"۔ یہاں تک تو لی اور ماؤ میں اختلاف تھا لیکن دوسرے معاملات یعنی عالمی انقلاب میں چین کے کردار کے مسئلہ میں اور اس بات میں روس چین کے معاملات کو سمجھنے سے قاصر ہے، لی اور ماؤ کے درمیان بہت اتفاق تھا۔

لی لیزاں تو چین ہی کو انقلاب کا مرجع و محور جانتا تھا۔ اس معاملہ میں وہ سخت انتہا پسند تھا۔ اجون کی قرارداد میں اُس نے لکھا ہے:

"عالمی سامراج کی نو آبادیاتی کڑیوں میں سب سے کمزور کڑی چین ہے اور عالمی انقلاب کا آتش فشاں صرف یہیں پھٹ سکتا ہے - لہذا اس وقت عالم گیر پیمانے پر جو انقلابی بحران زور پکڑتا چلا جا رہا ہے - اس کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے چین میں انقلاب برپا ہوگا، جس سے عالمی انقلاب کی آگ روشن ہوگی اور دنیا میں قطعی اور فیصلہ کن طبقاتی جنگ کا آغاز ہوگا"۔

لی کے اس خیال کا رشتہ براہِ راست ایم، این، رائے کے دوسری کومنٹرن کانفرنس میں پیش کئے گئے اُس عالمی تصور سے ملتا ہے جس میں مرکزی حیثیت ایشیا کو حاصل تھی۔ پھر لی کے خیال کا رشتہ اس موقف سے بھی ملتا ہے جس پر پیکنگ سنہ ۱۹۶۳ء سے قائم ہے۔ لی لیزاں نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ عالمی انقلاب کے نقشہ میں فیصلہ کن حیثیت چین کو بخش دی۔ اس نے اس سے بڑھ کر بغیر کسی لاگ لپیٹ کے یہ جتا دیا کہ وہ بنیادی طور پر چین کا تابع ہے نہ کہ ماسکو کا ۔۔۔ کہتے ہیں کہ ۳ ستمبر کو پولٹ بیورو کے ایک جلسہ میں اس نے یہ کہا کہ کومنٹرن کا وفادار ہونا ایک بات ہے اور چینی انقلاب کا وفادار ہونا دوسری بات ہے اور اُس نے یہ بھی کہا کہ ہان کاؤ پر قبضہ کر چکنے کے بعد ماسکو سے ذرا اور طرح بات کی جا سکتی ہے۔

ماسکو میں بھلا یہ روش کس طرح پسند کی جا سکتی تھی۔ لیکن کومنٹرن والے جتنے اس بات پر ناخوش تھے اتنے ہی آی کے اس دعویٰ پر بھی ناراض تھے کہ وہ اپنے ملک کو روسیوں کی نسبت بہتر سمجھتا ہے۔ اور لی لیزان اور چوچیو پائی کے خلاف تحقیقات میں بھی زیادہ زور اسی بات پر دیا گیا۔ بیلا کون نے ان دونوں پر یہ اعتراض کیا کہ جس طرح چن تو شو اور تان پنگشان چین کے "قومی خصائص" کے تذکرے کیا کرتے تھے ایسے ہی یہ دونوں شخص کرتے ہیں۔ چین کے روسی ماہر ایل، مادیار نے کہا کہ یہ ایک یا دو آدمیوں کا خبط نہیں ہے۔ قصہ یوں ہے کہ چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی پارٹی کی اکثریت جو یہاں موجود نہیں ہے اس خیال کو حرز جان بنائے ہوئے ہے کہ ماسکو چین کے حالات کو نہیں سمجھتا اور روت فشر کے وقت سے اب تک کومنٹرن سے جو جو آدمی بغاوت کرتا ہے وہ پھر پھر کر یہی رٹ لگاتا ہے۔ کومنٹرن کے ایک دوسرے تحقیقات کرنے والے نے لی لیزان کا یہ بیان نقل کیا:۔

"چینی انقلاب کچھ ایسے غیر معمولی خصائص کا حامل ہے کہ انٹرنیشنل اسے مشکل ہی سے سمجھ پاتی ہے۔ بلکہ شاید سرے سے سمجھ ہی نہیں پاتی اور اس لئے حقیقت میں وہ چینی کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی کرنے سے قاصر ہے۔"

مانولسکی نے ان ساری باتوں کا خلاصہ یہ نکالا کہ لی لیزان جس نے روسیوں پر قومی تنگ نظری کی تہمت لگانے کی جسارت کی ہے خود انتہا درجہ کے علاقائی تعصب کا شکار ہے۔

ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ کومنٹرن والے چین کی اہمیت کے پوری طرح قائل تھے اور مانولسکی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "مستقبل میں چینی پارٹی کو نو آبادیات کی کمیونسٹ پارٹیوں کے مقابل وہی فریضہ ادا کرنا ہے جو انٹرنیشنل کے مقابل سوویٹ پارٹی ادا کر رہی ہے"۔ لیکن اسی کے ساتھ مانولسکی نے یہ بھی کہا کہ "چینی کمیونسٹوں نے ابھی اپنے لینن اور سٹالن پیدا نہیں کئے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ اپنا کام خوش اسلوبی سے اسی صورت سرانجام دے سکتے ہیں جب وہ ہر معاملہ میں روسی قیادت کے تفصیلی منصوبہ کو تسلیم کریں۔"

سوویٹ روس کا دعویٰ کہ وہ چین کے حالات کو چینیوں کی نسبت زیادہ اچھی طرح سمجھتا ہے ماسکو والوں کی چین کے حالات سے حیرت انگیز بے خبری کے پیش نظر نمایاں طور پر عجیب نظر آتا ہے۔ اس بے خبری کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء میں ماسکو میں ماؤزے تنگ کے مرنے کی خبر چھپ گئی۔ اس

المناک واقعہ پر تعزیتی نوٹ لکھے گئے اور کہا گیا کہ ماؤزے تنگ "چین کے پرولتاریوں کا پیشرو" تھا اور "بڑے بڑے زمینداروں اور بورژواؤں کا جانی دشمن" تھا اسی قسم کی دوسری مثال سٹالن کا وہ بیان ہے جو جون ۱۹۳۰ء میں شائع ہُوا تھا۔ اس بیان میں کہا گیا تھا کہ "چینی مزدوروں اور کسانوں نے سوویتیں قائم کر لی ہیں اور ان کی سرخ فوج بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک سوویٹ حکومت کا قیام بھی عمل میں آ چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ درست ہے تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔" واقعہ صرف اتنا تھا کہ ماؤزے تنگ نے فروری ۱۹۳۰ء میں جنوب مغربی کیانگسی میں صوبائی سوویٹ حکومت قائم کی تھی۔ (اب تک تو صرف مقامی سوویتیں ہی قائم کی گئی تھیں) سٹالن کو نہ صرف اس صورتِ حال کا مکمل علم نہیں تھا بلکہ یوں لگتا ہے کہ اسے اس واقعہ کی تفاصیل سے کچھ ایسی دلچسپی بھی نہیں تھی۔

سٹالن خود چین سے دور تھا مگر اس نے ۱۹۳۰ء کے موسم بہار میں وہاں اپنے آدمی بھیج دیئے تھے۔ کومنٹرن کا نیا فرستادہ پاقل مف ماسکو سے اپنے ہمراہ شاگردوں کی ایک ٹولی لے کر آیا تھا، جو سُن یات سن یونیورسٹی میں پاقل مف کے شاگرد رہ چکے تھے۔ آگے چل کر وہ طنزاً "اٹھائیس بالشویک" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ نوجوان انقلابی جدوجہد کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کے دلوں میں وہی عقیدہ راسخ ہو گیا تھا جو ماسکو میں عام تھا، یعنی یہ کہ لینن کے نظریے کا غائر مطالعہ انقلابی تجربہ سے زیادہ اہم ہے۔ مف کی پشت پناہی کے باوجود یہ بےچارے پارٹی پر اختیار حاصل نہیں کر سکے۔ پارٹی پر تو لی لیزاں کا قبضہ تھا۔ ماسکو میں لی سے جو پوچھ گچھ ہوئی اس میں ایک اعتراض اس پر یہ بھی ہُوا تھا۔ کومنٹرن کے ایک عہدے دار نے کہا کہ "ہم نے بہت کوششیں کر کے اور بہت روپیہ صرف کر کے ان نوجوانوں کو واپس چین بھیجا۔ مگر وہاں انھیں کام کرنے کا موقعہ ہی نہیں مل سکا۔" لی کے سیاسی میدان سے ہٹ جانے کے بعد جسے ۱۹۴۵ء تک ماسکو ہی میں روک کر رکھا گیا، ان واپس آئے ہوئے طلبا نے چن شاؤیو (وانگ منگ) اور چن پانگ شین (پوکو) کی سرکردگی میں پر پرزے نکالے۔ اب ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کارکنوں کا ایک چھوٹا سا گروپ رہ گیا تھا جس کی سربراہی ہو منگ شیونگ اور ڈرنے دبنے والا چو این لائی کر رہے تھے۔ مگر یہ مقابلہ برابر کا نہیں تھا۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں جب چوتھا اجلاس ہُوا تو ماسکو سے آئے ہوئے گروپ نے پارٹی پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔

"اٹھائیس بالشویکوں" کی دو سرکردہ شخصیتیں وانگ منگ اور چن پانگ سن کئی اعتبارات سے آپس

میں بے حد مماثلت رکھتے تھے۔ دونوں ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ جب واپس چین آئے ہیں تو دونوں تئیس کے سن میں تھے اور جب پارٹی پر ان کا اقتدار قائم ہوا تو وہ عمر کے چوبیسویں سال میں تھے یہ دونوں چینی معاشرے کے اونچے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وانگ ایک امیر زمیندار کا نورِ نظر تھا۔ چن کا باپ شاہی حکومت کے تحت ایک تحصیل کا مجسٹریٹ تھا۔ دونوں نے شنگھائی میں تعلیم پائی اور ابھی بیس برس کے نہ ہوئے تھے کہ ماسکو چلے گئے۔ وانگ ۱۹۲۵ء میں گیا۔ چن وہاں ۱۹۲۶ء میں پہنچا۔ چن شنگھائی ہی میں ۱۹۲۵ء میں کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا تھا۔ وانگ نے ماسکو جا کر ۱۹۲۷ء میں پارٹی میں شمولیت کی۔ پس دونوں میں سے کسی کو نہ تو کسانوں کے حال احوال کا پتہ تھا نہ کوئی سیاسی تجربہ تھا۔ لے دے کر وہی ایک بات تھی کہ انھوں نے بلوغت کا زمانہ اس بڑے ساحلی شہر شنگھائی میں گذارا تھا۔ ان حضرات کی پالیسی کو اب تیسری بائیں بازو والی موقع پرستانہ حکمت عملی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ماؤ کو ان حضرات سے چار سال تک تلخ لڑائی لڑنی پڑی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ پارٹی کے اعلیٰ اختیار کے لئے وہ براہِ راست میدان میں اترا۔ وہ ۱۹۲۷ء کے موسم خزاں میں چنگ کانگ شان میں برسر اقتدار آیا تھا۔ اس وقت سے اب تک اس کا یہ طور رہا تھا کہ وہ مرکزی کمیٹی کے اندر گروہوں کی آویزش کا مشاہدہ کرتا رہتا تھا۔ اس کی کوشش یہ رہتی تھی کہ ایسے احکامات سے جو سر پہ مصیبت لا سکتے ہیں دامن بچا کر نکل جائے۔ لیکن اب سوویٹ اتنے بڑھ پھیل گئے تھے اور سرخ فوج اتنی طاقت پکڑ گئی تھی کہ ماؤ اور اس کا گروہ پارٹی کی قیادت کے براہ راست حریف نظر آ رہے تھے۔ اور یہ سمجھا جانے لگا کہ اصل طاقت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

ماؤ اور ماسکو سے واپس آئے ہوئے طلبا کے درمیان آویزش کی بنیاد اب بھی وہی دو بنیادی سوال تھے جن پر ۱۹۲۷ء سے اس کی مرکزی کمیٹی سے بحث چلی آ رہی تھی۔ یعنی ایک تو زرعی پالیسی کا سوال اور دوسرے یہ سوال کہ چھاپہ مار حکمت عملی کا شہروں کے انقلاب سے کیا تعلق ہے۔ اراضی کے بارہ میں چنگ کانگ شان کے زمانہ میں ماؤ کی پالیسی بہت انقلابی تھی لیکن فروری ۱۹۳۰ء تک اس کی پالیسی کا جھکاؤ دائیں سمت ہو گیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب اس کانفرنس نے جس نے کیانگسی صوبائی سوویٹ قائم کی تھی اراضی کے بارے میں ایک نیا قانون منظور کیا تھا۔ اس کی پالیسی کے اس جھکاؤ کو "امیر کسانوں والے انحراف" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ انحراف اتنا زیادہ ہو گیا کہ وہ لی لیزان سے

بھی بڑھ گیا۔ اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کاشت کار مالکوں کو اپنی ساری زمین یا زمین کا کچھ حصّہ رکھنے کی اجازت دے دی، بلکہ اُس نے امیر کسانوں کو اس بات کی اجازت بھی دے دی کہ وہ چاہیں تو غریب کسانوں کی کم زرخیز زمینوں سے اپنی زرخیز زمینوں کا تبادلہ کرنے کی بجائے اپنی زمینوں کو اپنی ملکیت ہی میں رکھیں۔ اس نے اپنی پالیسی کا خلاصہ دو اصولوں کی صورت میں پیش کیا: "جن لوگوں کے ہاں کثرت ہے انھیں ترغیب دی جائے کہ وہ اُن کی کمی پوری کریں جن کے ہاں قلت ہے۔ جو لوگ فربہ ہیں انھیں ترغیب دی جائے کہ کمزوروں کی کمی پوری کریں"۔

ماسکو میں جب لی لیزان کی پیشی ہوئی تھی تو وہاں ہر قسم کے "امیر کسانوں والے انحراف" کی سختی سے مذمت کی گئی۔ یہاں تک بھی بتا دیا گیا کہ سٹالن نے بہ نفس نفیس ان لغزشوں کو بُرا بھلا کہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود لی پر جرح کرنے والوں میں سے ایک صاحب نے شکایت کی ماسکو کو سوویٹ علاقوں سے چٹھیاں آتی رہیں کہ وہاں امیر اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ پہلے کبھی نہ تھے۔ یہ تنقید خاص طور پر ماؤ کے خلاف یکم ستمبر ۱۹۳۱ء کے ہدایت نامہ میں کی گئی تھی، جو واپس آئے ہوئے طلبا کو پارٹی کی قیادت دلوانے کی مہم کا پہلا حربہ تھا۔

یہ بتانے سے پیشتر کہ ماؤ نے واپس آئے ہوئے طلبا سے کیسے ٹکر لی، اس غیر معروف اور ناخوشگوار واقعہ کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو فوتین کا واقعہ کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ بات صحیح صحیح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس ٹکر کے وقت یعنی ۱۹۳۰ء کے اواخر اور ۱۹۳۱ء کی ابتدا میں ماؤ کو فوجی حکمت عملی کے کیا مسائل درپیش تھے۔ فوتین کا واقعہ یہ ہے کہ جنوبی کیانگسی میں بیسویں سُرخ فوج کے سالاروں اور ماؤزےتنگ کے درمیان اَن بن ہو گئی اور جو اَن گنت شواہد دستیاب ہیں ان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس قصہ میں کچھ اصولوں کا سوال تھا اور کچھ خالص اور محض اقتدار کا جھگڑا تھا۔ بیسویں فوج کے رہنماؤں کا رشتہ جنوب مغربی کیانگسی سپیشل کمیٹی سے ملا ہوا تھا، جو سوویٹ علاقوں میں لی لیزان کے ذاتی اثر و رسوخ کے اڈے کی حیثیت رکھتی تھی اور جس نے جولائی ۱۹۳۰ء میں ایک کانفرنس بلائی تھی جس کا مقصد گزشتہ فروری میں ماؤ نے جو زرعی پالیسی اختیار کی تھی اس کی مخالفت کرنا تھا۔ جب بیسویں فوج کے رہنماؤں نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں ماؤ کے خلاف بغاوت کی تو جس پالیسی کی وہ وکالت کر رہے تھے۔ وہ زرعی مسائل اور فوجی حکمت عملی کے سوال پر وہی لی لیزان والی پالیسی تھی۔ پھر یہ

بھی صاف ظاہر ہے کہ ماؤ کا مسئلہ صرف اتنا نہیں تھا کہ جس پالیسی کو وہ صحیح سمجھتا ہے اس کی حمایت کرے۔ اس کا مسئلہ یہ بھی تھا کہ اس کے اقتدار کو جو لوگ چیلنج کر سکتے ہیں۔ ان کا صفایا کر دیا جائے۔

ماؤ کا مقصد جو بھی ہو بہر حال اس نے بڑے فیصلہ کن انداز میں قدم اٹھایا۔ دسمبر کے آغاز میں اس نے جنوب مغربی کیانگسی سپیشل کمیٹی کے مختلف ارکان کو اس الزام میں گرفتار کر لیا کہ وہ "بالشویک دشمن لیگ" کے کارندے ہیں۔ یہ خفیہ جماعت کومنتانگ نے کمیونسٹوں سے مقابلہ کے لئے قائم کی تھی۔ یہ لوگ جنوبی کیانگسی کے شہر فوتین میں گرفتار کئے گئے۔ اور ۸ یا ۹ دسمبر کو وہاں سے قریب ہی تنگ میں بیسویں فوج کی بٹالین کے ایک سیاسی ناظر نے بغاوت کر دی اور ان قیدیوں کو آزاد کرانے کی غرض سے فوج لے کر فوتین کی طرف چلا۔ باغی فرار ہو کر دریائے کان کے اس پار ایک قصبہ میں چلے گئے۔ وہاں وہ ماؤ کے جوابی حملوں سے کسی قدر محفوظ تھے۔ انہوں نے دو ماہ سے زیادہ عرصہ تک مزاحمت کی۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں طرف سے پروپیگنڈہ مہم چلتی رہی اور چوری چھپے ایک دوسرے پر وار کئے جاتے رہے۔ اس مناظرہ بازی کے دوران ماؤ کی عمومی محاذ کمیٹی نے یہ انکشاف کیا کہ فوتین میں ان رہنماؤں کی گرفتاری کے واقعہ سے قبل ہی سرخ فوج کی صفوں میں سے "بالشویک دشمن لیگ" کے ۴۴۰۰ ممبر گرفتار ہو چکے تھے۔ ماؤ نے اس بغاوت کو بڑی سختی سے کچلا تھا۔ کم و بیش دو تین ہزار افسروں اور سپاہیوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔

یہ کہنا شاید نامناسب ہو جیسا کہ بعض دشمن نقاد کہتے ہیں کہ ماؤ نے اپنے حریفوں کا قلع قمع کرنے کے لئے یہ سارا جال بچھایا تھا۔ لیکن یہ واقعہ اس کی سخت گیری کی پہلی نمایاں مثال ضرور ہے۔ اور ماؤ نے جو نہایت مستعد قسم کی ایک خفیہ پولیس قائم کی تھی، یہ واقعہ اس پولیس کو بھی حرکت میں لے آیا۔ اس قسم کی تو کوئی شہادت نہیں ملتی کہ مطلق العنان حکمرانوں (بالخصوص سٹالن) کی طرح ماؤزے تنگ کو انقلاب کے یا اپنے اقتدار کے دشمنوں کو ہلاک کرنے یا ایذا پہنچانے میں لذت ملتی تھی۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جب کبھی اسے یہ محسوس ہوا کہ تشدد ضروری ہے تو پھر اس نے اس میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کی۔ اور ساتھ ہی یہ دلیل بھی دی جا سکتی ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو خود بھی زندہ نہ بچ سکتا۔ خود اس کی بقا اسی میں تھی۔ کومنتانگ کا ۱۹۲۷ء میں اپنے لاکھوں مخالفوں کا قتل، اور فوتین کے واقعہ میں ہزاروں لوگوں کی ہلاکت تاریخ عالم کے اس سب سے بڑے اور سب سے سفاکانہ انقلابی طوفان کی محض

ابتدا تھی، جس میں بعد ازاں دونوں طرف لاکھوں کا قتل عام ہُوا۔ جولائی ۱۹۳۰ء میں چانگشا پر تھوڑے دنوں سرخ فوج کا قبضہ رہا۔ اس کے بعد کومنتانگ کی بن آئی۔ ان لوگوں نے ماؤ کی بیوی اور چھوٹی بہن دونوں کو پھانسی دے دی۔ پچھلے تین برسوں میں ماؤ کے سینکڑوں رفیق اور دوست مارے گئے تھے، جن کا اُسے ضرور دکھ ہوگا، لیکن اس واقعہ سے اس فہرست میں دو ناموں کا اور اضافہ ہوگیا۔ مگر ماؤ نے یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ انقلابی جدوجہد میں یہ سب کچھ ناگزیر ہے۔ نہ اس نے کسی کے ساتھ مروت برتی نہ کسی سے مروت کا طالب ہُوا۔

۱۹۳۱ء کے شروع کے دنوں میں ایسا نظر آتا تھا کہ ماؤزے تنگ کے لئے حالات بہت سازگار ہیں۔ فوتین کے واقعہ کا یہ اثر ہُوا تھا کہ کیانگسی میں اس کی پالیسی کی یا اُس کی ذات کی جو مخالفت تھی، وہ بالکل کچلی گئی۔ سوویٹ علاقوں میں اس نے جس طرز کے کام کی بنا ڈالی تھی اس کو اب ماسکو والے اور چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی والے روز بروز زیادہ اہمیت دے رہے تھے۔ لیکن ہُوا یوں کہ اُس کی یہ کامیابی ہی اس کی جان کا وبال ہوگئی۔ پارٹی اور انٹرنیشنل کے بڑے رہنماؤں نے جیسے جیسے سوویٹوں کو زیادہ اہمیت دی، اسی تناسب سے انہوں نے ان علاقوں کے لئے زیادہ وقت دینا شروع کیا۔ انہوں نے پتہ مارکر پالیسیاں وضع کیں اور اس بات پر بھی مُصر ہوئے کہ ان پالیسیوں کو جامۂ عمل پہنانا چاہیئے۔ واپس آئے ہوئے طلبا جس پالیسی کے حامی تھے وہ اگرچہ چوچیوپائی اور لی لیسان کی پالیسی سے مختلف تھی، لیکن وہ ماؤ کی پالیسی کے بھی بالکل خلاف تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ماؤ کی ان طلبا کے ساتھ ٹکّر ہوگئی۔ یہ ٹکراؤ زیادہ سخت اور تلخ تھا اس لئے کہ اس کا براہِ راست پارٹی کی موت اور زیست سے تعلق تھا۔

یہ ٹکراؤ اس لئے بھی زیادہ سنگین ہوگیا کہ ۱۹۳۱ء کی گرمیوں میں یا شروع خزاں میں مرکزی کمیٹی نے یہ طے کیا کہ شنگھائی کی خفیہ اور تکلیف دہ زندگی کو ترک کرکے کیانگسی میں مرکزی سوویٹ علاقہ میں قیام پذیر ہوا جائے، کیونکہ وہ نسبتاً زیادہ محفوظ مقام تھا۔ لہٰذا اب وہ صورت نہیں تھی کہ دُور بیٹھی ہوئی کسی جماعت نے گاہے گاہے کوئی تحریری ہدایت جاری کیں اور یہاں اس کے معاملہ میں کچھ تاخیر برتی گئی اور اس طرح اس سے دامن بچا لیا گیا۔ اب تو پارٹی کے سرکردگان کی طرف سے سیدھا حکم آتا تھا۔ یہ لوگ اب موقعہ پر بنفس نفیس موجود تھے اور اپنا حکم منوانے پر مُصر تھے۔

ادھر چو این لائی اور اس کے ساتھیوں نے کیانگسی میں قدم رکھا اور اُدھر پارٹی میں بھی اور حکومت میں بھی ماؤ کے اختیار کو سلب کرنے کے بندوبست ہونے لگے۔ موخر الذکر معاملہ میں یہ ہُوا کہ نومبر میں ایک مرکزی سوویٹ حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ اس قسم کی حکومت کے قیام کی ضرورت کومنٹرن کے حکمنامہ مورخہ جون ۱۹۳۰ء میں بھی بیان کی گئی تھی اور لی لیزان اس تحریک کے حق میں تھا۔ حالانکہ اُس کا منشا یہ تھا کہ دیہی علاقہ کی بجائے کسی بڑے شہر میں یہ حکومت قائم ہو۔ ۱۹۳۰ء میں موسم گرما وخزاں میں قومی سوویٹ حکومت کے قیام کے لئے کچھ ابتدائی اقدامات کئے گئے تھے لیکن لی لیزان کے زوال کی بدولت یہ کام کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ انٹرنیشنل نے ۲۶ اگست ۱۹۳۱ء کو چینی کمیونسٹ پارٹی کے فرائض کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی۔ اس میں یہ مشورہ زیادہ واضح طور پر دُہرایا گیا اور قطعی انداز میں یہ کہا گیا کہ "کم سے کم وقت میں سب سے زیادہ محفوظ علاقہ میں ایک مرکزی سوویٹ حکومت قائم کی جائے"۔

پہلی کل چین سوویٹ کانگریس جوئی چن کے مقام پر ۷ نومبر کو منعقد ہوئی، اس میں چینی سوویٹ جمہوریہ کے قیام کا اعلان کیا گیا اور تریسٹھ ارکین پر مشتمل ایک مرکزی مجلس عاملہ چُنی گئی۔ جب مرکزی مجلس عاملہ منتخب ہو گئی تو پھر اس نے عوامی ناظروں کی کونسل کا انتخاب کیا۔ ماؤ اس کا صدر منتخب ہُوا اور شیانگ ینگ اور چانگ کوتاؤ نائب صدر کے طور پر چُنے گئے۔ اس طرح سے حکومت کے کاروبار میں ماؤ کا اختیار بٹ گیا اور اس کی حدبندی ہو گئی مگر اس کے اختیار کو ختم، بہرحال، نہیں کیا جا سکا۔

پارٹی کے نظام میں ماؤ کے لئے حالات اور بھی ناسازگار تھے۔ سوویٹ علاقہ میں پارٹی کی پہلی کانفرنس نومبر ۱۹۳۱ء میں ہوئی تھی جس میں تقریباً ہر معاملہ میں اس کی پالیسی کی مذمت کی گئی۔ اُس کی فوجی پالیسی کو خصوصاً زیر بحث لایا گیا، جو یہ تھی کہ وہ چھاپہ مار حکمت عملی پر بضد تھا۔ اور اسے اس طریق کار سے انکار تھا کہ مرکزی سوویٹ علاقہ کو ہمسایہ صوبوں کے دوسرے اڈوں سے ملحق کر کے اس کی توسیع اور استحکام کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ اگلے برس اگست میں جب ننگتو میں پارٹی کی کانفرنس ہوئی تو ماؤ پر تنقید ہی نہیں ہوئی بلکہ سرخ فوج کا اختیار بھی اس کے ہاتھ سے نکلنے لگا اور اُس کی بجائے اختیارات چو این لائی کو دے دیئے گئے۔ یہ عمل اپنے منتہا پر مئی ۱۹۳۳ء میں پہنچا، جب چو این لائی کو جو "اٹھائیس بالشویکوں" کی فوجی پالیسی کا شدت سے حامی تھا، پوری سرخ فوج کا سیاسی ناظر مقرر کر دیا گیا۔

ماؤ کے ہاتھ سے فوجی اختیار کا نکل جانا دوہرا سانحہ تھا۔ اس لئے کہ یہ واقعہ ایسے وقت میں رونما

ہوا جب چیانگ کائی شیک کیانگسی کے سوویٹ علاقے کو جسے بچانے کی جدوجہد ہو رہی تھی، گھیرے میں لے کر بالکل تہس نہس کرنے کے درپے تھا۔ ماؤ کے ہاتھ سے اختیار نکلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر روایتی حکمت عملی اختیار کی گئی۔ جس کے باعث بالآخر شکست ہوگئی۔ جب ۱۹۳۰ء کے موسم گرما و خزاں میں چانگشا اور نان چنگ پر حملے ہوئے تو کومنتانگ کے رہنماؤں کو احساس ہوا کہ کمیونسٹ تو بہت زور پکڑ گئے ہیں۔ سو انھوں نے آپس میں لڑنا بھڑنا تھوڑے دنوں کے لئے بند کیا اور اس مشترکہ خطرے کے خلاف متحد ہو گئے۔ محاصرے کی پہلی مہم دسمبر ۱۹۳۰ء اور جنوری ۱۹۳۱ء میں برپا ہوئی۔ دوسرا محاصرہ ۱۹۳۱ء کے موسمِ بہار میں ہوا۔ تیسرا محاصرہ ۱۹۳۱ء کے موسم گرما میں ہوا۔ اس میں سے ہر معرکہ میں فوج کا رنگ ڈھنگ مختلف تھا، اور ان کی تعداد مختلف تھی۔ لیکن سُرخ فوج کی حکمتِ عملی کے بنیادی اصول ہر معرکہ میں وہی رہے۔ یہ وہی اصول تھے جنھیں ماؤ اور چو تے چنگ کانگشان کے وقت سے رفتہ رفتہ وضع کر رہے تھے اور اب کہیں جا کر انھوں نے ایک مربوط نظام کی صورت اختیار کی تھی۔

چھاپہ مار جنگ کے بارے میں ماؤ کے جو تصورات ہیں ان میں فوجی اور سیاسی پہلو آپس میں ہم رشتہ ہیں۔ لیکن تجزیئے کی خاطر انھیں الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں پہلو قدیم و جدید اور روائیتی اور غیر روائیتی کا امتزاج نظر آتے ہیں۔ لیکن روایت کا بہت نمایاں اور واضح اثر فوجی پہلو میں نظر آتا ہے۔ یہ ایسے تعجب کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ میدانِ جنگ میں فوجوں کی صف آرائی سے متعلقہ مسائل صدیوں کے عمل میں بھی جُوں کے تُوں رہے ہیں جب کہ آبادی کی سیاسی حمائت و تائید حاصل کرنے کی صورتیں بہت بدل گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ماؤ کی حکمتِ عملی کے سارے اصول چین کے قدیم نوشتوں میں مل جائیں گے۔ ان میں خاص طور پر سُن شو قابل ذکر ہے۔ فوجی مسائل پر قلم اٹھانے والا یہ نامی گرامی شخص لگ بھگ ۵۰۰ء ق،م کے زمانہ میں گذرا ہے۔

سب سے پہلے تو ماؤ کا بنیادی خیال جو وہاں سے ماخوذ ہے، یہ ہے کہ فتح حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہر معرکہ میں دشمن کی فوج جہاں کم ہو وہاں اپنی فوج زیادہ لگا دو۔ جب مقابلہ میں دشمن کی فوج مجموعی طور پر زیادہ ہوگی تو اس داؤں کے سوا چارہ ہی کیا ہے؟ اور ۱۹۳۰ء کے بعد کے برسوں میں سُرخ فوج کے ساتھ یہی صورت تھی۔ مگر سن شو بہت پہلے اسے ہر جنگی مہم کا اصل الاصول قرار دے چکا تھا۔ وہ لکھتا ہے :-

"اگر ہم دشمن کی صف بندیوں کا پتہ چلا لیں اور اپنا پتہ نہ چلنے دیں تو پھر یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ہماری فوجیں اکٹھی رہیں اور دشمن کی فوجیں بٹ جائیں یعنی ہم تو واحد و متحد جمعیت کی حیثیت سے قائم رہیں اور دشمن کی فوج الگ الگ ٹکڑیوں میں منقسم ہو جائے ایسی صورت میں یہ ہو گا کہ دشمن کی فوج کی الگ الگ ٹکڑیوں سے ہم اکٹھے نبرد آزما ہوں گے جس کا مطلب ہو گا کہ مختلف حصوں میں بٹ کر دشمن کی فوج کم ہو گی اور ہم چونکہ اکٹھے ہوں گے اس لئے زیادہ ہوں گے...... اور اگر اس طرح ہم بھاری جمعیت کے ساتھ کمتر جمعیت پر حملہ آور ہوں گے تو دشمن سخت مشکل میں پھنس جائے گا۔"

جب سُرخ فوج کو محاصروں کی مہمات سے سابقہ پڑا تو ماؤ نے اسی بنیادی خیال کی تفسیر اس وقت کے مخصوص حالات کی روشنی میں پیش کی۔

"جو فوج داخلی نہج کی حکمت عملی پر گامزن ہو، اُسے بہت سے ناموافق حالات کا سامنا ہوتا ہے، اور سُرخ فوج کی محاصرے اور دباؤ کے مقابل یہی کیفیت ہے۔ لیکن مہموں اور معرکوں میں ہم اس صورتِ حال کو بدل سکتے ہیں اور ہمیں قطعی طور پر بدلنا چاہیئے۔ دشمن نے بڑے پیمانے پر ہمارے اوپر جو دباؤ ڈالا ہے، اور ہمارا محاصرہ کیا ہے اسے ہم الٹا سکتے ہیں اور الگ الگ چھوٹے پیمانے پر دشمن کے خلاف دباؤ ڈالنے اور محاصرہ کرنے کی مہم شروع کر سکتے ہیں۔ دشمن کو ہم پر جو فوجی برتری حاصل ہے اسے ہم اُلٹ کر معرکوں اور مہموں میں اُس پر برتری حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ہے داخلی نہج کی کارروائیوں کے دائرہ میں خارجی نہج کی کارروائیاں۔ محاصرہ اور دباؤ کے اندر محاصرہ اور دباؤ۔ ناکہ بندی کے اندر ناکہ بندی۔ دفاع کے دائرہ میں رہ کر جارحانہ اقدام کمتری کے اندر برتری۔ کمزوری کے دائرہ میں طاقت۔ گھاٹے کے اندر فائدے کی صورت اور غیر متحرک رہتے ہوئے پیش قدمی کا مظاہرہ۔ فوجی دفاع میں کامیابی کا انحصار بنیادی طور پر جس اقدام پر ہے وہ ہے فوجوں کی یکجائی کا اقدام ... چین کی سُرخ فوج جب خانہ جنگی میں مبتلا ہوئی ہے تو اس کی حیثیت ہی کیا تھی۔ ایک مختصر سی کمزور فوج تھی۔ لیکن اس وقت سے وہ پے در پے اپنے طاقتور دشمن کو شکستیں دے

رہی ہے۔ اس کی کامیابیوں نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اور اس نے یہ ساری کامیابیاں اس طرح حاصل کی ہیں کہ اس نے اپنی طاقت کو اکٹھا کر کے استعمال کیا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "دس کے مقابلہ میں ایک لاؤ اور سو کے مقابلہ میں دس کھڑے کرو" تو ہم اس وقت پوری جنگ کی حکمت عملی کی اور مجموعی فوجی توازن کی بات کرتے ہیں۔ اور فوجی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہم یہی کچھ کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں تو معرکوں اور مہموں کی بات نہیں کرتے۔ معرکوں اور مہموں میں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ حملہ ہو یا جوابی حملہ، ہمیں ہمیشہ یہ انتظام کرنا چاہیئے کہ دشمن فوج کی کسی ایک صف پر اپنی طاقت اکٹھی کر کے ٹوٹ پڑیں، ہماری حکمتِ عملی ہے۔" دس کے مقابلہ میں ایک"۔ اور ہمارا داؤ ہے "ایک کے مقابلہ میں دس"۔ یہ کلیے آپس میں متضاد بھی ہیں اور ایک دوسرے کا ضمیمہ بھی ہیں۔ یہ ہمارے ان اصولوں میں سے ہیں جن کے زور پر ہم نے دشمن پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ ہم قلیل سے کثیر کو ہراتے ہیں — یہ ہم چین کے حاکموں سے کہتے ہیں۔ ہم کثیر کو بروئے کار لا کر قلیل کو شکست دیتے ہیں — یہ ہم میدانِ جنگ میں دشمن سے کہتے ہیں۔ اب یہ کوئی راز نہیں رہا ہے۔ دشمن کو عموماً ہمارے اس طریقِ کار کا پتہ چل چکا ہے لیکن نہ وہ ہماری فتوحات کا سلسلہ روک سکتا ہے نہ اپنے نقصانات سے بچ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کب کارروائی کریں گے اور کہاں کارروائی کریں گے۔ اپنا یہ راز ہم اُسے معلوم نہیں ہونے دیتے۔ سُرخ فوج کا طریقہ بالعموم یہ رہا ہے کہ بس اچانک ٹوٹ پڑتی ہے۔"

سن زو کا جو اقتباس پیش کیا گیا ہے۔ اس کا پہلا فقرہ ملاحظہ کیجیے اور ماؤ کے اقتباس میں آخری فقرے پر غور فرمایئے دونوں سے صاف ظاہر ہے کہ "ایک کے مقابلہ میں دس" کے داؤ کی لازمی شرط یہ ہے کہ اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کو خفیہ رکھا جائے۔ یہ نکتہ سن زو کے نظریے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے:۔

"جنگیں چھل فریب کو اصول بنا کر لڑی جاتی ہیں پس جب ہم اپنی فوج کو حرکت میں لائیں تو یہ تاثر پیش کریں کہ ہم بے حرکت بیٹھے ہیں۔ جب ہم دشمن کے قریب ہوں تو

اُس پر یہ جتائیں کہ ہم کوسوں دُور بیٹھے ہیں۔ جب دُور ہوں تو اس پر یہ ثابت کریں کہ ہم اُس پاس ہی ہیں لالچ دو اور دشمن کو دام میں لاؤ۔ بدنظمی کا بہانہ بناؤ اور دشمن کا ستیاناس کر دو۔ اگر وہ اپنے سب مورچوں میں محفوظ بیٹھا ہے تو اس سے لڑنے کے لئے مستعد ہو جاؤ۔ اگر اس کی طاقت زیادہ ہے تو اس سے کنّی کاٹ جاؤ۔ اگر تمہارا دشمن چڑچڑا اور بدمزاج ہے تو پھر چھیڑو کہ اسے غصہ آ جائے۔ جتاؤ کہ تم کمزور ہو تاکہ وہ مغرور اور متکبّر ہو جائے۔ اگر وہ بے حرکت بیٹھا ہے تو اسے اطمینان سے مت بیٹھنے دو۔ اگر اس کی فوجیں اکٹھی ہیں تو ان میں تفرقہ ڈالو۔ حملہ وہاں کرو جہاں وہ تیار نہیں ہے۔ نمود وہاں کرو جہاں تمھارے ہونے کی کوئی توقع نہ ہو۔ ان فوجی تدبیروں کا پہلے سے کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہیئے۔ وہ افشا نہ ہوں تو کامیابی یقینی ہے۔

جو سپہ سالار دفاع میں ماہر ہوتا ہے وہ تو کہیں پاتال میں چھپ کر بیٹھا ہوتا ہے جو سالار چڑھائی کرنے میں ماہر ہوتا ہے وہ آسمان کی بلندیوں سے بجلی کی طرح ٹوٹتا ہے پس چڑھائی میں باکمال وہ سالار ہے جس کے دشمن کو یہ پتہ نہ چلے کہ اُسے بچاؤ کہاں کرنا ہے۔ اور دفاع میں باکمال وہ سالار ہے جس کے دشمن کو یہ پتہ نہ چلے کہ اسے حملہ کہاں کرنا ہے؟ اے بھید بھاؤ اور عیّاری کے فنِ عالیہ! تیرے ہی کرم سے ہم آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور تیرے ہی کرم سے ہم ایسے گم ہوتے ہیں کہ کسی کو ہماری آہٹ نہیں ہوتی۔ اور یوں ہم دشمن کی تقدیر کے مالک بن جاتے ہیں۔ اگر تمھیں دشمن کی کمزوریوں کا پتہ ہے تو تمہارے لئے یہ ممکن ہے کہ مارا مار کرتے ہوئے بڑھے چلو اور کسی کے روکے نہ رکو۔ اگر تم دشمن سے زیادہ نقل و حرکت میں پھرتی دکھاتے ہو تو تمھارے لئے اس طرح پیچھے ہٹنا ممکن ہے کہ دشمن تمھارا تعاقب نہ کر سکے"۔

ماؤ نے اس نکتہ کی وضاحت اتنی تفصیل سے نہیں کی ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ سرخ فوج کی نقل و حرکت کو خفیہ رکھنے کے مسئلہ کو (اور دشمن کے متعلق جاسوسی کے مسئلہ کو جو اوّل الذکر مسئلہ کا ضمیمہ ہے) نوعیت کے اعتبار سے خالص سیاسی مسئلہ تصور کرتا ہے۔ اس نے کومنتانگ کے جنرل چن منگشو کا یہ بیان نقل کیا ہے:-

"قومی فوج ہر جگہ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے اور سُرخ فوج دن دہاڑے گھومتی پھرتی ہے۔"

ماؤ نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے اور یہی اسے کرنا چاہیئے تھی کہ "کسان عوام سُرخ فوج کے حامی ہیں اور قوم پرستوں کے دشمن ہیں"۔ لیکن اس کے باوجود خالص فوجی سطح پر چھل فریب کو وہ معیوب نہیں سمجھتا۔ اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ اس نے اس بارے میں براہِ راست سُن زو کا حوالہ دیا ہے۔ کہتا ہے :-

"ہم خود اپنے اقدامات سے دشمن کو غلط راستہ پر ڈال سکتے ہیں۔ مثلاً ایک اقدام وہ ہے جسے سُن زو نے "نقلی ظہور" کہا ہے۔ یعنی ہم بہانہ یہ کریں کہ مشرق کی طرف دھاوا بول رہے ہیں مگر دھاوا مغرب کی طرف بول دیں۔"

ماؤ نے اپنے پسندیدہ ناولوں "تین سلطنتوں کے رومان" اور "واٹر مارجن" سے بھی جنگ میں چھل فریب کے کردار کے بارے میں بہت کچھ سیکھا۔

تو یہ تھے ماؤ کے بنیادی جنگی اُصول۔ واپس آئے ہوئے طلبا نے ان اصولوں پر صاد نہیں کیا تھا۔ لیکن پارٹی کے قائدین کی نظر میں اُس کے داؤ پیچ اس کی لچکدار جنگی حکمتِ عملی سے بہر حال کم بیش دہ تھے۔ یہ داؤ پیچ اس چار سطری نعرہ سے پیدا ہوئے تھے جو چنگ کانگ شان کے وقت وضع ہُوا تھا۔ وہ نعرہ یہ تھا :-

"دشمن پیش قدمی کرتا ہے تو ہم پیچھے ہٹتے ہیں، دشمن ڈیرہ ڈالتا ہے تو ہم اسے پریشان کرتے ہیں۔ دشمن تھک جاتا ہے تو ہم دھاوا بولتے ہیں۔ دشمن پیچھے ہٹتا ہے تو ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں۔"

یہ بنیادی طور پر دفاعی اصول ہیں جو ایک ناسازگار ماحول میں کسی کمزور طاقت کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ماؤ اور چوُ تے نے پہلے محاصرہ کے زمانے میں انہی اصولوں سے ایک اور اصول وضع کیا جو یہ تھا کہ دشمن کو ترغیب دے کر سوویٹ علاقہ کے بہت اندر تک لے آیا جائے اور پھر فضا ساز کار دیکھ کر اُس کی ٹکڑیوں پر حملہ کیا جائے۔ یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ ماؤ کا تصور یہ نہیں تھا کہ وہ غیر معین مدت تک کمتر حیثیت میں رہے گا۔ اتنا ضرور ہے کہ شروع میں وہ بہت رجائیت پسند تھا۔ لیکن جیسے

جیسے دن گذرتے گئے اسے یہ احساس ہوتا گیا کہ جد وجہد لمبی کھنچے گی اور سرخ فوج کو ابھی بہت مدت تک یہ حیثیت حاصل نہیں ہو گی کہ خود بڑھ کر کوئی داؤ مار سکے ۔ چن پانگ شین اور چو این لائی واپس آئے ہوئے طلبا کی قیادت کے حامی تھے ۔ ستمبر ۱۹۳۱ء سے وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ماؤ چھاپہ ماری کے طریق کار کا اسیر ہے ۔ اب یہ طریق کار بے وقت کی راگنی ہے ۔ اس لئے کہ سرخ فوج کی گنتی اب لاکھ کے لگ بھگ ہے اور کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے درمیان آویزش کی صورت اب یہ ہے گویا دو مملکتوں کے درمیان جنگ برپا ہو ۔ پس ان دونوں کا اصرار یہ تھا کہ پرانے نعروں کو خیرباد کہیے اور نئے نعرے اپنایئے مثلاً "سب محاذوں پہ یلغار کرو" ۔ "کلیدی شہروں پہ قبضہ کرو" ۔ "اپنے سازوسامان کو دشمن کے ہاتھ نہ آنے دو" ۔

داؤ پیچ کی یہ تبدیلی کیا معنی رکھتی ہے ؟ اور اس سے کیا نتائج نکلے ؟ یہ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پانچوں محاصروں کا موازنہ کیا جائے ۔ محاصرے کی پہلی مہم دسمبر ۱۹۳۰ء اور جنوری ۱۹۳۱ء میں برپا ہوئی ۔ اس زمانے میں صورتِ حال فوتین کے واقعہ سے بہت پیچیدہ ہو گئی تھی ۔ اس واقعہ کے باعث فوتین اور تنگ کوُ کے عوام سرخ فوج کی طرف سے مشکوک تھے اور اس کے مخالف ہو گئے تھے ۔ لیکن اس مشکل کی تلافی بڑی حد تک اس واقعہ سے ہو گئی کہ کومنتانگ کی فوج کوئی ایسی صف شکن فوج نہیں تھی ۔ وہ سرخ فوج پہ صرف تعداد کے اعتبار سے برتری رکھتی تھی مگر یہ عددی برتری بھی بس ایک حد تک تھی ۔ یوں سمجھیے کہ سرخ فوج چالیس ہزار تھی تو کومنتانگ کی فوج کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی ۔ دشمن کے رسالوں پہ الگ الگ حملے کرنا اور پہلے حملہ کے لئے صبر وسکون کے ساتھ مناسب موقعہ کی تاک میں لگے رہنا ، یہ داؤ خوب کھیلے گئے ۔ خود ماؤ کا کہنا یہ ہے :-

"..... شروع میں ہم نے تان تاؤ یوان (جو دشمن کی تین ڈویژنوں میں سے ایک ڈویژن کا کمانڈر تھا) کی فوج پہ حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا تھا ۔ ہم نے دو بار پیش قدمی کی لیکن ہر بار ہمیں رکنا اور پیچھے ہٹنا پڑا ۔ اس لئے کہ یہ فوج یاتاؤ کی بلندیوں پر جمی بیٹھی تھی ۔ اور اسے وہاں سے ہلایا نہیں جا سکتا تھا تھوڑے دنوں بعد ہم نے چانگ ہوزان کی فوج سے ٹکر لی اس لئے کہ اس پہ حملہ کرنا ہمارے لئے زیادہ آسان تھا ۔"

پہلے حملہ میں سرخ فوج نے چانگ کی دو بریگیڈیروں اور اس کے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر پر

ہلہ بولا۔ اس ہلہ میں اس نے تمام فوج کو جو نو ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی اپنی حراست میں لے لیا۔ بلکہ خود چانگ ہوزان کو بھی گرفتار کر لیا۔ اس فتح سے باقی دو ڈویژنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بھاگ کھڑی ہوئیں۔ کمیونسٹوں نے ان میں سے ایک ڈویژن کا تعاقب کیا اور آدھی ڈویژن کا صفایا کر ڈالا۔ اس طرح محاصرہ کی پہلی مہم بالکل ناکام رہی۔ آگے چل کر جنرل چانگ پر مقدمہ چلا۔ مقامی کسانوں کی موجودگی میں اس کی پیشی ہوئی اور آخر اسے پھانسی دے دی گئی۔

دوسری مہم زیادہ مشکل تھی۔ مگر زیادہ دلچسپ بھی تھی اس لحاظ سے کہ اس میں ماؤ کی جنگی تدابیر واضح صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ سُرخ فوج کے لئے جس کا سامنا اپنے سے دو تین گنا زیادہ فوج سے تھا، حالات بیحد ناسازگار تھے۔ حملہ آور فوج میں کم از کم دو لاکھ سپاہی تھے۔ ادھر سُرخ فوج صرف تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس وجہ سے اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ دشمن فوج کے سب سے کمزور دستوں پر پہلے حملہ کیا جائے۔ اپریل کے اواخر اور مئی کے شروع میں سُرخ فوج نے "تانگ کُو" کے مقام پر پچیس دن تک چھاؤنی ڈالے رکھی، حالانکہ سخت خطرہ تھا کہ دشمن کو اس کا پتہ چل جائے گا۔ لیکن سُرخ فوج والے یہ انتظار کرتے رہے کہ کسی طرح وانگ چن یو کی ڈویژن فوتین کے مضبوط اڈہ سے ہلے۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا۔ پھر کیا تھا، سرخ فوج، وانگ اور کنگ پنگ فان دونوں کی ڈویژنوں پر ٹوٹ پڑی۔ یہ کل ملا کر گیارہ رجمنٹیں تھیں۔ انھیں سُرخ فوج نے فوتین کے قریب آ لیا۔ یہ معرکہ جس مقام پر ہُوا وہاں سے کوئی تین چار میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں کو تانگ کی ایک اور ڈویژن پڑی تھی۔ کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں زائی تنگ کائی کی صف شکن انیسویں فوج پڑی تھی۔ لیکن آس پاس پڑی ہوئی ان فوجوں کے کان میں بھنک تک نہیں پڑی۔ لہذا کوئی بھی مداخلت نہ کر سکا۔ حالات واقعی ایسے ہی تھے کہ اس وقت قوم پرستوں کی فوج "اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں" مار رہی تھی اور سرخ فوج "دن دہاڑے دندناتی پھر رہی تھی"۔ اس پہلے کامیاب معرکہ کے بعد سرخ فوج نے پندرہ دن میں کم و بیش ڈہائی سو میل کی مسافت طے کی۔ دشمن کے کمزور دستوں سے پانچ لڑائیاں لڑیں اور بیس ہزار رائفلوں پر قبضہ کر لیا اور یوں دوسری مہم کا انجام ہُوا۔

چند ہی دنوں بعد ماؤ نے ایک نظم لکھی جس میں اس نے اپنی مسرت کا اظہار کیا ہے:۔

سفید کوہِ اَبر کی یہ چوٹیاں
کہ جن سے بادل اُٹھ رہے ہیں جھوم کر،

یہ کوہ ابر جس کا داماں بے قرار چیخوں کا مکاں ،
یہ خشک جنگل اور کھوکھلے درخت اپنی جہدِ مستقل کے واسطے اُٹھا ہو گئے ۔
یہ جوش و ولولہ کہ قافلے کا قافلہ ، بڑھا ، چلا ،
یہ تیغ آزما جواں
ہوا کے دوش پہ اُڑے ، خلاؤں سے چلے ، زمین پہ آ گئے ۔
قدم قدم بڑھے تو ہم نے پندرہ دنوں میں سات کوس طے کئے ۔
کیانگسی کا پانی پُر وقار اور سبز ہے ۔
زمردیں ہے کوہِ فیوکین ۔
ہزار ہا صفوں کو دشمنوں کی ہم لپیٹتے چلے گئے ۔
کسی کے رونے کی صدائیں آتی ہیں
قدم قدم کی جیت اس کو زہرِ غم کا گھونٹ ہے

سفید کوہ سیماب فوکین کی سرحد پر واقع ہے - یہ وہ مقام ہے جہاں سرخ فوج کا سوا دو سو میل کا کوچ تمام ہوا تھا۔ پکنگ میں اس نظم کی جو تشریحات شائع ہوئی ہیں ان کی رُو سے امنڈتے ہوئے بادل سُرخ سپاہیوں کے غصّہ کا استعارہ ہیں - یہ غصّہ ان مظالم پر ہے جو کومنتانگ کی فوجوں نے ان علاقوں میں جن سے سرخ فوج عارضی طور پر دست کش ہو گئی تھی ، ڈھائے تھے ۔ خار زار اور کھوکھلے درخت ، دشمن کا استعارہ ہیں جس کی تقدیر میں بالآخر تباہی تھی مگر جو ہنوز اپنے پاؤں پر قائم تھا - آخری دو مصرعوں میں دوسری مہم کے کمانڈر انچیف ہو ہنگ چن کے تلخ احساس کا ذکر کیا گیا ہے ، جس نے یہ داؤ کھیلا تھا کہ مختلف دستے الگ الگ اور آہستگی سے پیش قدمی کریں - یہ داؤ ناکام رہا جس کا اسے بہت دکھ تھا ۔

تیسری مہم میں کومنتانگ نے اپنے داؤ گھات میں اہم تبدیلیاں کیں - چیانگ کائی شیک جوش میں آکر خود نانکنگ پہنچا اور نقل و حرکت کی کمان سنبھالی - اس نے اپنی صف شکن فوج کے ایک لاکھ سپاہی جنگ میں جھونک دیئے - اس نئی صورتِ حال میں سرخ فوج کو زیادہ مشکل حالات سے گزرنا پڑا ۔ پچھلے دو معرکوں میں تو اُس نے پہلے سے اندازہ کر لیا تھا ، اور طے کر لیا تھا کہ لڑائی کا نقشہ کیا ہو گا ۔ لیکن اس مرتبہ سرخ فوج والے یہ نہیں کر سکے - ماؤ نے اس مہم کا حال خود یوں بیان کیا ہے ۔

" دشمن کی ہمیں گھیرے میں لینے اور دباؤ ڈالنے کی تیسری مہم میں ہماری اور دشمن کی فوجوں کی کیفیت ملحقہ نقشہ سے ظاہر ہے ۔

اس وقت صورتِ حال یہ تھی :۔

۱۔ چیانگ کائی شیک خود کمانڈر انچیف بن کر میدان میں اتر آیا تھا۔ اس کی ماتحتی میں تین کمانڈر تھے۔ ہر کمانڈر ایک دستہ کا انچارج تھا ان دستوں میں ایک میمنہ تھا، ایک میسرہ تھا اور ایک قلب تھا قلب کی کمان ہو ینگ چن کر رہا تھا۔ چیانگ کائی شیک کی طرح اس کا ہیڈ کوارٹر بھی کیان میں تھا۔ میمنہ کی قیادت چو شاؤ لیانگ کے سپرد تھی جس کا ہیڈ کوارٹر نانفنگ میں تھا۔

۲۔ ہم پر دباؤ ڈالنے والی فوج تین لاکھ کی تعداد میں تھی۔ اس فوج کے بڑے اور نمایاں لشکر ایک لاکھ کی تعداد میں تھے اور یہ چیانگ کائی شیک کے اپنے لشکر تھے۔ ان میں پانچ ڈویژنیں تھیں۔ ہر ڈویژن میں نو رجمنٹیں تھیں ان پانچ ڈویژنوں کے کمانڈر چن چنگ، لو چو ینگ، چاؤ کوان تاؤ، وی لی ہوانگ اور چیانگ تنگ وین تھے۔ ان کے علاوہ تین ڈویژن (جن میں چالیس ہزار سپاہی تھے) چیانگ کوانگ نائی، زائی تنگ کائی اور ہان تے چن کی کمان میں تھیں۔ سن لین چونگ کی بیس ہزار کی فوج اس پر مستہزاد تھی۔ اس کے علاوہ کچھ کمزور اور چھوٹے لشکر اور بھی تھے جو چیانگ کے لشکروں کے علاوہ تھے۔

۳۔ اس مہم میں دشمن کی چال یہ تھی کہ ایک دم سے یلغار کی جائے۔ یہ اس چال سے بالکل مختلف تھی جو دوسری مہم میں استعمال کی گئی تھی کہ آہستہ آہستہ پیش قدمی کی جائے اور ہر قدم پر اپنی طاقت کو اکٹھا کیا جائے۔ اس سیدھی یلغار کا مقصد یہ تھا کہ سرخ فوج کو پیچھے دریائے کان کی طرف دھکیلا جائے اور وہاں اسے تہس نہس کر دیا جائے۔

۴۔ دشمن کی دوسری مہم کے خاتمہ اور تیسری مہم کے آغاز کے درمیان صرف ایک ماہ کا وقفہ تھا۔ سرخ فوج کو، جو اس وقت تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، تازہ دم ہونے اور از سرِ نو تیار ہونے کی مہلت نہ مل سکی، اس لئے کہ یہ فوج ابھی ابھی ۳۲۳ میل کا چکر کاٹ کر بصد دقّت سوویٹ علاقہ کے مغرب میں شنگ کوُ کے مقام پر پہنچی تھی، جہاں جمعیت کو اکٹھا کرنے کا منصوبہ تھا۔ مگر اس نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ دشمن نے چاروں طرف سے یلغار شروع کر دی۔

ان حالات میں ہم نے پہلے یہ منصوبہ طے کیا کہ شنگ کوُ سے ہٹ کر ونان کے راستے سے فوتین کے مقام پر پہنچ جائیں اور وہاں دشمن کی صفوں میں گھس جائیں اور پھر دشمن کے عقبی سلسلۂ مواصلات کے ساتھ ساتھ

مارا مار کرتے ہوئے مغرب سے مشرق کی سمت میں چلیں، اور یوں دشمن کے لئے یہ گنجائش چھوڑ دیں کہ وہ جنوبی کیانگسی میں ہمارے علاقے میں بغیر کسی فائدہ کے دور تک گھس آئے۔ یہ ہماری فوجی کارروائی کی پہلی منزل تھی۔ دوسری منزل یہ تھی کہ جب دشمن فوج ہمارے علاقہ میں دور تک گھس جانے کے بعد پلٹے اور شمال کی طرف مڑے تو اس وقت اس پر ہلہ بول دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک دشمن اچھا خاصا تھک چکا ہوگا۔ بس اس وقت اس کے کمزور دستوں پر ہلہ بول دیا جائے۔

اس منصوبے کا لب لباب یہ تھا کہ دشمن کی اصل فوج سے کترا کر نکلا جائے اور کمزور مقامات پر ضرب لگائی جائے۔ لیکن ہؤا یہ کہ جب ہماری فوجیں فوتین کی طرف بڑھ رہی تھیں تو دشمن کو ہمارا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً دو ڈویژنیں چن چنگ اور لوچوینگ کی سربراہی میں موقعہ پر بھیج دیں۔ ہمیں اپنا منصوبہ بدلنا پڑا۔ سو ہم واپس ہوئے اور شنگ کوُ کے مغربی گوشے میں کاؤشنگ شو کے مقام پر اکٹھے ہوگئے۔ اس وقت اپنے مضافات کے اعتبار سے وہی ایک جگہ تھی جہاں اکٹھا ہؤا جا سکتا تھا۔ وہاں ہم پورا دن جمع رہے۔ پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ مشرق میں مشرقی شنگ کوُ کے علاقہ میں لیئن تانگ کی طرف، جنوبی ینگ فنگ کے علاقہ میں لیانگسوں کی طرف، اور شمالی ننگ تُو کے علاقہ میں ہوانگ پائی کی طرف بڑھیں۔ اسی رات ہم نے تاریکی کے پردے میں ساڑھے تیرہ میل کی مسافت طے کی۔ یہ ساڑھے تیرہ میل کا ٹکڑا چیانگ تنگ وین کی ڈویژن اور چیانگ کوانگ نائی، تزائی تنگ کائی اور ہان تے چن کی فوجوں کے درمیان واقع تھا۔ یہ مسافت طے کرکے ہم لیئن تانگ کی طرف مڑ گئے۔ دوسرے دن ہماری جھڑپ شانگ کوان ینشیانگ (جو اپنی ڈویژن کے علاوہ پاؤ منگ کی ڈویژن کی بھی کمان کر رہا تھا۔) کے دستوں سے ہوئی۔ پہلا معرکہ شانگ کوان ینشیانگ کی ڈویژن کے ساتھ تیسرے دن پڑا۔ چوتھے دن دوسرا معرکہ ہاؤ منگ فنگ کی ڈویژن کے ساتھ پڑا۔ تین دن کے کوچ کے بعد ہم ہوانگ پائی پہنچے اور تیسرا معرکہ ماؤ پنگ وین کی ڈویژن کے ساتھ گرم کیا۔ ہم نے یہ تینوں معرکے جیت لئے اور دس ہزار سے زیادہ رائفلوں پر قبضہ کر لیا۔ اس موقعہ پر دشمن کی سب بڑی فوجیں جو مغرب اور جنوب کی سمتوں میں بڑھ رہی تھیں مشرق کی سمت میں پلٹ پڑیں۔ انہوں نے چاروں طرف سے ہوانگ پائی کی طرف طوفانی رفتار سے بڑھنا شروع کیا اور ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ اب ایک طرف چیانگ کوانگ نائی، تزائی تنگ کائی اور ہان تے چن کی فوجیں پڑی تھیں۔ دوسری طرف چن چنگ اور لوچوینگ کی فوجیں تھیں۔ درمیان میں کوئی سات میل کا ٹکڑا خالی تھا۔ یہاں اونچے

اونچے پہاڑ کھڑے تھے۔ ہم چپکے سے ان پہاڑوں میں کھسک گئے۔ اس طرح ہم مشرق سے مغرب میں واپس آ گئے اور شنگ کُو کے صوبے کی سرحدوں کے اندر پھر سے اکٹھے ہو گئے۔ جتنی دیر میں دشمن کو اس واقعہ کا پتہ چلا اور اس نے پھر مغرب کی طرف پیش قدمی کی اتنی دیر میں ہم نے تو پندرہ دن آرام کر لیا تھا۔ ادھر دشمن کی فوجیں بھوکی پیاسی اور تھکی ماندی تھیں اور ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ ان میں لڑنے کا دم نہیں تھا، سو انہوں نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی پسپائی سے فائدہ اٹھا کر ہم نے چیانگ کوانگ نائی، زائی تنگ کائی، چیانگ تنگ وین اور ہان تے چن کی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ چیانگ تنگ وین کی ایک بریگیڈ اور ہان تے چن کی پوری ڈویژن کا ہم نے صفایا کر دیا۔ چیانگ کانگ نائی اور زائی تنگ کائی کی ڈویژنوں کے ساتھ برابر کی لڑائی رہی اور آخر میں وہ لوگ نو دو گیارہ ہو گئے۔"

اس مہم کے بارے میں ماؤ کا بیان نہایت دلچسپ ہے۔ اس میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ اس نے اپنے فوجی تصورات کو جامۂ عمل کس طرح پہنایا۔ یہ فوجی تصورات یہ تھے کہ چھپے رہو اور جب بن پڑے تو دشمن کے سب سے کمزور حصے پر حملہ کرو۔ اور دشمن کو ترغیب دے کر اپنے علاقے کے اندر دور تک لے آؤ۔ اس بیان میں واقعات بلاشبہ صحیح درج ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس مہم کا مکمل یا معروضی بیان ہے۔ سرخ فوج کی ان ساری چالوں اور سارے داؤ پیچ کے باوجود، جن کا ذکر ماؤ نے کیا ہے، چیانگ کی فوجوں کی مضبوط و منظم صفیں صحیح و سالم رہیں۔ وہ جوئی چن میں سوویٹ جمہوریہ کے صدر مقام پر یلغار کرنے والی تھیں، مگر ہوا یہ کہ عین اسی نازک وقت پر ۱۸ ستمبر والے واقعۂ مکڈن کی خبر آ گئی۔ جاپان کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ چیانگ کائی شیک اب کمیونسٹوں کو کچلنے کی مہم پر پوری توجہ صرف نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے یہ مہم ملتوی کر دی گئی۔ دراصل چیانگ کو سہولت اسی میں نظر آئی کہ اس وقت صدر کے عہدے سے استعفا دے دے، چنانچہ اس نے اکتوبر ۱۹۳۱ء میں استعفا دے دیا اور جنوری میں وہ نئے بھیس میں پھر برسرِ اقتدار آ گیا۔

جاپان کا حملہ ماؤ کو بہت راس آیا۔ ماؤ کے برسرِ اقتدار آنے کے جو اسباب ہیں، شاید ان میں سب سے اہم سبب جاپان کے لگاتار جارحانہ اقدامات ہیں۔ فی الحال ان حملوں کے اثرات سوویٹ علاقے میں بہت محدود پیمانے پر رونما ہوئے تھے۔ انٹرنیشنل کی طرح کمیونسٹ رہنماؤں کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا کہ جب تک کومنتانگ کی غدار اور رجعت پسند حکومت کا تختہ نہیں اُلٹے گا اس وقت تک جاپان کے حملہ

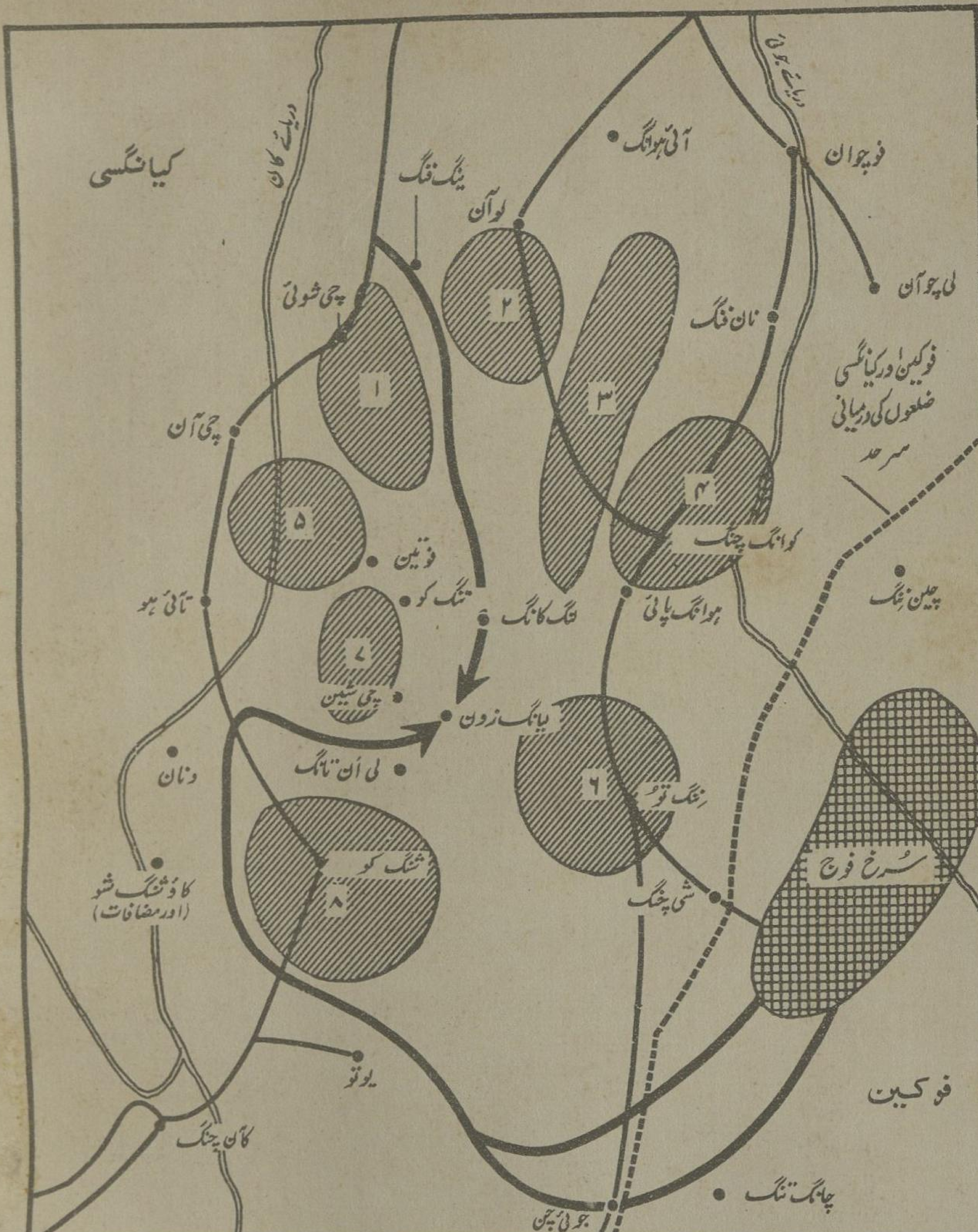
کی مزاحمت نہیں کی جا سکتی - اس لئے فی الحال کسی قسم کے متحدہ محاذ کا سان گمان بھی نہیں تھا - خود چیانگ کے ساتھ متحدہ محاذ تو دور کی بات ہے - اس وقت تو قوم پرست کیمپ کے باغیوں کے ساتھ بھی کوئی اتحاد ممکن نہ تھا -

ادھر تیسرا محاصرہ ختم ہوا، اور چین جاپان کی لڑائی شروع ہوئی، ادھر ماؤ کے اختیارات سلب ہونے شروع ہو گئے - فوج اور پارٹی میں اب تک اُسے جتنے اختیارات حاصل تھے وہ ایک ایک کر کے اس سے لے لئے گئے -

بہر حال چینی سوویٹ جمہوریہ کی مرکزی مجلسِ عاملہ کا صدر وہ پھر بھی بنا رہا - اس حیثیت میں اسے اب بھی حکومت کے ایک نمائندہ ترجمان کا مقام حاصل تھا - لیکن اسے اظہار کی آزادی کم ہی نصیب تھی - اس لئے ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۴ء تک کے برسوں میں ماؤ کی پالیسی کا کھوج لگانا خاصا مشکل کام ہے - اس کی زندگی کے باقی کسی دور کے بارے میں یہ کھوج لگانا ایسا مشکل نہیں - بالعموم جب ہم ماؤ کی کسی زمانے کی کوئی تحریر یا تقریر پڑھتے ہیں تو ہم یہ طے کر لیتے ہیں کہ یہ تحریر یا تقریر ماؤ کے اس وقت کے خیالات کی سچی ترجمانی کرتی ہے - لیکن کیانگسی سوویٹ جمہوریہ کے زمانے میں ماؤ نے جو کچھ لکھا یا کہا اسے یکجا کرنا ہی ابتدائی قدم ہے - اس کے بعد اُن تھوڑے بہت شواہد کی بنا پر جو ہمیں میسّر ہیں یہ طے کرنا ممکن ہو گا کہ آیا اس کے کہنے کا مطلب وہی تھا جو اس نے کہا -

چونکہ ۱۹۳۲-۳۴ء کے سال ماؤ کی زندگی میں کوئی بہت اہم دَور کی حیثیت نہیں رکھتے - اس لئے لمبی چوڑی قیاس آرائیاں کرنا، کہ کس مسئلہ کے بارے میں اس کا کیا خیال تھا، غیر ضروری معلوم ہوتا ہے - بالعموم کچھ یوں نظر آتا ہے کہ اسے فوجی حکمتِ عملی کی نسبت اقتصادی پالیسی کے معاملہ میں زیادہ اثر و رسوخ اور زیادہ آزادیٔ خیال حاصل تھی - چن پانگ شین، چو این لائی اور دوسرے زعما کا خیال تھا کہ ماؤ کی چھاپہ ماری کے داؤ پیچ اب پُرانے اور بیکار ہو چکے ہیں - البتہ چونکہ ماؤ کو کسانوں سے قرب رہا ہے اس لئے اس سے کسانوں کی حمایت و تائید حاصل کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے -

چینی سوویٹ جمہوریہ کی اقتصادی و معاشرتی پالیسی کا ایک پہلو مخصوص توجہ کا طالب ہے - اس لئے کہ یہ پہلو ماؤ کی افتادِ طبع کے عین مطابق ہے اور اس لئے قیاس غالب یہ ہے کہ اس پہلو کو نہ صرف اس کی تائید حاصل تھی بلکہ اس کا خالق بھی وہی تھا - یہ ہے اراضی کی پڑتال کی تحریک - اصلاح اراضی کا قانون



کومنتانگ کی افواج

۱- ہاؤمنگ لنگ اور شانگ کوان یون شیانگ کی فوجیں۔

۲- پانچ کمزور ڈویژن

۳- ماؤ پنگ دین کی فوج

۴- شو کو شیانگ کی فوج

۵- چن چنگ اور لوچوینگ

۶- سون لین چونگ کی فوج

۷- زائی تنگ کائی اور چیانگ کوانگ نائی

۸- چیانگ تنگ وین کی فوج اور دوسرے کمزور دستے۔

تیسرے محاصرے کا منصوبہ

جو نومبر ۱۹۳۱ء میں منظور ہوا تھا نسبتاً اعتدال پسند نہ تھا۔ بے شک امیر کسانوں کو کمتر قسم کی زمینیں دی جاتی تھیں اور اس کے ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ وہ انقلاب دشمن روش نہ رکھتے ہوں۔ اور زمینداروں کو سرے سے کوئی زمین ملتی ہی نہیں تھی۔ مگر اس قانون کی رُو سے متوسط درجہ کے کسانوں کو اجازت تھی کہ وہ اپنی زمینیں اپنے پاس رکھیں اور اگر چاہیں تو زرعی اصلاحات کے عمل میں شامل ہوں اور اگر ان کی مرضی نہ ہو تو وہ شوق سے علیحدہ رہیں۔ جون ۱۹۳۳ء میں ماؤ نے بڑے پیمانے پر اراضی کی پڑتال کی تحریک شروع کی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر اس تحریک کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ آیا تقسیم اراضی کے پروگرام پر صحیح عمل ہوا ہے یا نہیں۔ لیکن ماؤ تو طبقاتی جدوجہد کو پروان چڑھانے کے سیاسی نصب العین کو مقدم جانتا تھا۔ اقتصادی نصب العین کی اُس کی نظر میں بہت کم اہمیت تھی۔

اس زمانے میں ماؤ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں ماؤ نے یہ وضاحت کی تھی کہ دیہات کی انقلابی کایا کلپ میں تین منزلیں آتی ہیں۔ زرعی اصلاحات، پڑتال کی تحریک اور زرعی ترقی۔ بالفاظِ دیگر اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ زرعی پیداوار کی ترقی (اور کومنتانگ کی ناکہ بندی کے پیشِ نظر یہ بڑا اہم مسئلہ تھا) صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ معاشرتی رشتہ بندیوں کی نوعیت یکسر تبدیل کر دی جائے۔

اس قسم کی سوچ کا جواز شاید انقلاب سے مجرد قسم کی کسی وابستگی کی بجائے چینی دیہی معاشرہ کے بارے میں اس کے خیالات میں تلاش کرنا چاہیئے۔ ماؤ نے اس کی وضاحت یوں کی کہ سابق زمینداروں اور میر کسانوں کو عزت ورثہ میں ملتی ہے اور تہذیبی اعتبار سے انھیں بہت سی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں (یہی لوگ ہیں جو بولنا جانتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو لکھنا جانتے ہیں) اس باعث یہ لوگ اکثر و بیشتر گاؤں سبھاؤں قسم کے اجتماعی اداروں کی قیادت سنبھال لیتے ہیں۔ اور اس طور یہ لوگ ہر پھر کر اپنے قدیم استحقاق کسی دوسرے روپ میں دوبارہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس رجحان کا توڑ یہ ہے کہ غریب کسانوں کو اس طبقہ کے خلاف طبقاتی جدوجہد پر ابھارا جائے۔ اور ان میں ان کے حقیقی مفادات کا شعور بیدار کیا جائے۔ ماؤ نے کہا کہ "انقلاب پسند عوام، زمینداروں اور امیر کسانوں سے نبرد آزما ہیں۔ لیکن یہ نبرد آزمائی اس قسم کی نہیں ہے جو پہلی منزل میں (یعنی زرعی اصلاحات کی منزل میں) بپا ہوئی تھی۔ یہ سفید پرچم اور سرخ پرچم کی جنگ نہیں ہے۔ یہ انقلابی کسان عوام کی ان زمینداروں اور امیر کسانوں کے خلاف جنگ ہے جنھوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے ہیں۔"

ماؤ کا خیال یہ تھا کہ زمینوں کی پڑتال کی تحریک سے کسانوں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ انھیں یہ پتہ چل جائے گا کہ اُن کے چھپے ہوئے دشمنوں کا طبقہ کس قماش کا ہے۔ عملاً اس کا مطلب کیا تھا، اس کی وضاحت ماؤ نے چند مہینوں بعد کی، جب اُس نے سوویٹ صدر مقام جوئی چن کے ایک قریبی شمالی ضلع کے حالات بیان کیے۔ "پچپن دن تک پورے ضلع کے عوام حرکت میں رہے۔ جاگیرداری کے باقیات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا۔ پڑتال کے دوران زمینداروں اور امیر کسانوں کے تین سو سے زیادہ خاندانوں کا سراغ لگا۔ بارہ[12] انقلاب دشمن جنھیں کسان 'خونی چیتے' کے نام سے پکارتے تھے، گولی سے اڑا دیئے گئے اور انقلاب دشمن سرگرمیوں کو کچل ڈالا گیا۔"

دیہات میں طبقاتی رکنیت کے تعین کے بارے میں جو ہدایات جاری کی گئی تھیں، انھیں اس پس منظر میں رکھ کر سمجھنا چاہیئے۔ جون ۱۹۳۳ء میں ماؤ نے لکھا تھا کہ "انقلاب کا بڑا دشمن زمیندار طبقہ ہے زمینداروں کے بارے میں سوویٹ کی پالیسی یہ ہے کہ ان کی ساری جائیداد ضبط کر لی جائے اور ان کے طبقہ کو تہس نہس کر دیا جائے۔" ماؤ کی پیش کردہ مثال پر غور کیجیئے۔ زمینداروں اور امیر کسانوں کے تین سو خاندانوں کا سراغ لگا تھا، مگر گردن صرف بارہ "خونی چیتوں" کی اڑائی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ ماؤ نے ۱۹۳۳-۳۴ء میں زمیندار طبقہ کو تہس نہس کرنے کی جو تجویز پیش کی تھی۔ اس سے اس کا مطلب انھیں جسمانی اعتبار سے ختم کرنا نہیں تھا۔ مطلب یہ تھا کہ زمینداروں کی ساری جائداد ضبط کر لی جائے۔ اس طرح اُن کی ایک طبقہ کے طور پر اقتصادی بنیاد ختم ہو جائے گی۔ کسان عوام کو ان کے خلاف جدوجہد پر آمادہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس طبقہ کے رواج اور روایت کی بنیاد پر جو عزت بن چکی ہے وہ ختم کی جائے۔

اراضی کی پڑتال کی تحریک کیانگسی سوویٹ حکومت کی پالیسی کے ایک اہم پہلو کی حیثیت سے قابلِ توجہ ہے کہ وہ ان پالیسیوں اور منصوبوں کی بھی پیشرو ہے جو ۱۹۴۹ء سے چین میں جاری و ساری ہیں۔ یہ تحریک ماؤ کے اِس عقیدے کی عکاسی ہے کہ زرعی اصلاحات کا منصوبہ جس حد تک اقتصادی اقدام ہے اسی حد تک سیاسی بھی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ کسانوں کی تعلیم کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ چینی عوامی جمہوریہ کے ابتدائی برسوں میں مروجہ طریقہ کی طرح اب بھی کیانگسی میں اس مقصد سے جلسے منعقد کیے گئے کہ حکام کے فیصلے محض حکام کے فیصلے بن کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ عوام بھی اُن میں اپنے آپ کو شریک محسوس

کریں اور مخالف طبقوں سے جو سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس کی توثیق بھی ہو جائے۔ ماؤ نے جنوری ۱۹۳۴ء میں اس تحریک کا خلاصہ یہ بتایا تھا کہ "اگر یہ کام صرف چند سوویٹ عمال کے ذریعہ سے انجام پائے تو اس میں خطرہ یہ ہے کہ عوام کا جذبہ بیکار ڈھیلا پڑ جائے گا۔"

چینی دیہاتوں کی کایا کلپ کی خاطر سارے عوام کو منضبط کرنا اور ساری صورت حال کی بار بار جانچ پڑتال کرنا تاکہ وہ طبقے جو آگے لوٹ کھسوٹ کیا کرتے تھے کہیں پھر صاحب اثر نہ بن جائیں۔ یہ وہ تصورات ہیں جو اُس وقت سے آج تک چین میں موجود ہیں اور طبقاتی جدوجہد کی تحریکوں کا روپ دھار کر بار بار بڑے کام آتے ہیں۔ ویسے عمومی طور پر ماؤ کا تصور انقلاب پچھلی چوتھائی صدی سے سب سے بڑھ کر ایک نفسیاتی عمل کے طور پر فکری اصلاح اور تزکیہ کے منصوبوں کے ایک پورے سلسلہ کا باعث بنا۔

پس ماؤ نے اس طرح چینی سوویٹ جمہوریہ کی اقتصادی و معاشرتی پالیسی پہ بڑی حد تک اپنا نقش بٹھا دیا۔ لیکن فوجی امور میں اس کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا اور معاملات کا یہ وہ پہلو تھا جو فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اس لئے کہ مرکزی کمیٹی کی اکثریت نے جو فوجی حکمت عملی اختیار کی اس میں مطلق لچک نہیں تھی۔ اس بے لچک حکمت عملی کا انجام شکست تھا اور شکست بھی ایسی کہ اس کے ساتھ کیانگسی جمہوریہ ہی کا انجام بخیر ہو گیا۔

وانگ منگ، چن پانگ شین اور چو این لائی نے مل جُل کر ایک نہج وضع کی جسے جارحانہ نہج کا نام دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء کے موسم خزاں میں اس کا آغاز ہوا۔ اور کومنٹرن کے بارہویں اجلاس نے ستمبر ۱۹۳۲ء میں جو موقف اختیار کیا اس کی بنا پر اسے ۱۹۳۲ء کے اواخر اور ۱۹۳۳ء کے آغاز میں بہت تقویت ملی۔ اس موقف پر یہ اعلان کیا گیا کہ سرمایہ داری کے عمومی بحران کے تیز ہو جانے سے ایک انقلابی طوفان امنڈنے لگا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ طوفان کے پھٹنے سے پہلے پہلے اس مختصر سے وقت میں کمیونسٹ عوام کو اقتدار کی آنے والی جنگ کے لئے تیار کیا جائے۔ کومنٹرن نے چینی کمیونسٹ پارٹی کے فوری طور پہ کرنے کے لئے جو کام گنائے وہ یہ تھے کہ عوام کو جاپانیوں اور دوسرے سامراجیوں کے خلاف قومی انقلابی جدوجہد کے لئے تیار کیا جائے۔ سوویٹ علاقوں کو فروغ دیا جائے اور متحد کیا جائے۔ سرخ فوج کو مضبوط کیا جائے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ کومنتانگ کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے براہِ راست جنگ کی جائے۔

کومنٹرن کی اس پالیسی سے مرکزی کمیٹی کی اکثریت کو اور شہ ملی۔ اب ان لوگوں کو اور زیادہ یقین ہو گیا کہ دنیا بھر میں انقلاب کی فتح کا علم بلند ہوا چاہتا ہے۔ سو اب وہ اور شیر ہو گئے اور زیادہ شدت

سے چیانگ کائی شیک سے دو دو ہاتھ کرنے کی پالیسی کی وکالت کرنے لگے۔ لہٰذا ماؤ کی چھاپہ ماری کے ٹیکنیک اور داؤ پیچ پہلے سے زیادہ ناقابل قبول ہو گئے۔ بخیر انصاف کی بات یہ ہے کہ معاملہ صرف اتنا نہیں تھا کہ شہری حضرات ماؤ کے دیہقانی طریقوں سے متنفر تھے۔ بات ایک اور بھی تھی۔ ماؤ کی چال کہ دشمن کو بہلا پھسلا کر سوویٹ علاقہ میں بہت اندر تک لے آیا جائے تاکہ اس کے بعد جب مقابلہ کیا جائے تو حالات سرخ فوج کے لئے سازگار رہیں۔ گو چیانگ کے خلاف تینوں معرکوں میں فوجی اعتبار سے ایک طے شدہ نقصان یہ تھا کہ سوویٹ علاقوں کی آبادی پیہم جنگ کے خطرات اور مصائب کی زد میں رہتی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ چینی سوویٹ جمہوریہ، جو ملک کی اکلوتی جائز حکومت ہونے کی دعوے دار ہے، اگر اپنے شہریوں کی جان و مال کی حفاظت بھی نہیں کر سکتی، تو پھر وہ کس مرض کی دوا ہے اور کس قسم کی سیاسی طاقت ہے؟

بعد میں بھی جب ماؤ نے کیانگسی کے اڈّے کی تباہی کے اسباب و وجوہ کا تجزیہ کیا تو وہ ان اعتراضات کا جواب صرف منفی انداز میں دے سکا۔ اس نے یہ بتایا کہ سوویٹ علاقوں کا استحکام برقرار رکھنے کے لئے جو کوششیں کی گئیں ان کا انجام خراب ہوا، ماؤ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اگر اس کے داؤ آزمائے جاتیں تو ملک گیر پیمانے پر کامیابی حاصل ہو گی۔

"جیسے جیسے جنگ میں محاذ بدلتے ہیں ویسے ہی ہمارے سوویٹ علاقوں کا رقبہ بدلتا چلا جاتا ہے۔ ہمارے سوویٹ علاقے پیہم پھیلتے سکڑتے رہتے ہیں اور اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک علاقہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو دوسرا حاصل ہو جاتا ہے۔

چونکہ جنگ کی صورت اور ہمارے سوویٹ علاقے کی شکل دونوں تغیّر پذیر ہیں اس لئے ہماری سوویٹ کی تعمیر بھی تغیّر پذیر ہے۔ جو تعمیری منصوبے برسوں پر پھیلے ہوئے ہوں ان کا تو ذکر ہی کیا، یہاں تو منصوبے میں روز تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

اگر ہم اس خصوصی نقطہ کو جان لیں تو ہمارے لئے بہتر ہو گا۔ ہمیں اپنی ساری منصوبہ بندی کی بنیاد اسی خصوصی نقطہ پر رکھنی چاہیے ہم اس گمان میں نہ رہیں کہ جنگ میں ہم آگے ہی بڑھتے چلے جائیں گے۔ پیچھے ہٹنے کی نوبت نہیں آئے گی اور اگر سوویت علاقے کی صورت عارضی طور پر متغیّر ہو جائے تو اس پر ہمیں گھبرانا نہیں چاہیئے۔

آج اگر زندگی تغیّر کی زد میں ہے تو کل اس کی بدولت ہمیں کسی قدر قرار نصیب ہوگا اور بالآخر مکمل استحکام نصیب ہوگا۔

باقاعدہ جنگ کی حکمتِ عملی میں تغیّر کے اس نقطہ کو فراموش کر دیا گیا تھا۔ اس حکمتِ عملی کے ماننے والوں نے اس طریق کی مخالفت کی جسے وہ "چھاپہ مار جنگ" کہتے ہیں۔ انہوں نے تو کاروبار کچھ اس انداز سے پھیلا دیا جیسے وہ کسی بڑی مملکت کے حکمران ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں ایک غیر معمولی اور بے پناہ تغیّر سے سابقہ پڑا یعنی سوا آٹھ ہزار میل کے طویل سفر پہ گامزن ہونا پڑا۔

۱۹۳۶ء میں ماؤ نے یہ سطریں قلمبند کی تھیں اور ان سے بظاہر ہے کہ ماؤ کے پاس اس وقت فوری کامیابی حاصل کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ جب اس وقت یہ صورت تھی تو ۱۹۳۴ء میں جب فوجی حکمت موضوعِ بحث بنی ہوئی تھی، اس کے ذہن میں کوئی ایسا منصوبہ کہاں ہوگا۔ اس کا رویّہ کچھ ایسا نظر آتا تھا کہ کمیونسٹ لے دے کر یہی کر سکتے ہیں کہ اپنے آپ کو برقرار رکھیں اور موقعہ کی تاک میں رہیں کہ کب کوئی نئی صورتِ حال رونما ہو اور کب اپنے علاقے اور اثر و رسوخ کو پھیلانے کا موقعہ ملے۔ لیکن اب اسے اپنے نظریات کی کھلم کھلا وکالت کی آزادی حاصل نہیں رہی تھی۔ بلکہ اب تو یہ نوبت آگئی تھی کہ "لومنگ کی پالیسی" کے خلاف مہم کے پس پردہ اس پہ جو حملے ہوئے، اسے ان کو بھی برداشت کرنا پڑا۔

لومنگ، پارٹی کی فوکین صوبائی کمیٹی کا قائم مقام سیکرٹری تھا۔ چوتھے محاصرے کے دنوں میں اس نے چھاپہ ماری کے وہی لچکدار داؤ اختیار کئے جو شروع سے ماؤ سے منسوب چلے آتے تھے۔ آج کل کی سرکاری تاریخ کے مطابق چوتھے محاصرے میں جو ۱۹۳۲-۳ء کے جاڑوں میں ہوا تھا، کمیونسٹوں کی دفاعی کامیابی کا سہرا ماؤ کے طریق کے سر باندھا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت خود ماؤ نے اس مہم کا بہت کم اور نامکمل ذکر کیا ہے۔ جس سے بظاہر ہوتا ہے کہ سرخ فوج نے جو جنگی چالیں استعمال کیں۔ وہ سابقہ چالوں سے بالکل مختلف تھیں۔ اور جیسا کہ اُن دنوں چو این لائی، چن پانگ شین اور دوسرے اصحاب زور دے رہے تھے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے سوویٹ علاقے کے مرکز سے دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ لومنگ کی سرکردگی میں چھاپہ مار دستے تھے، جو نسبتاً کمزور تھے۔ ان چھاپہ مار دستوں کو یہ کومنتانگ کی فوجوں پہ کھلم کھلا چڑھائی کی حکمت اس کی سمجھ میں نہ آئی۔

اس نے کہیں اس حکمت پر اعتراض کیا۔ بس پھر کیا تھا غریب کے خوب لتّے لئے گئے اور مذمت کی گئی۔ واپس آئے ہوئے طلبا نے فروری ۱۹۳۳ء میں اس پر قنوطیت، فراریت اور پسپائی کے الزام لگائے اور دائیں بازو والوں کی موقع پرستی سے جو غلطیاں منسوب کی جاتی تھیں، وہ سب اس سے منسوب کر دیں۔ ماؤ نے خود واضح الفاظ میں تو لو کی مذمت نہیں کی لیکن اس نے فرمانبردارانہ طریق سے انحراف کی جو صورتیں لو منگ کی پالیسی سے منسوب کی گئی تھیں ان سب کی مذمت کی۔ اس نے اعلان کیا کہ چوتھے محاصرے کی کامیابی قطعی طور پر مرکزی کمیٹی کے جارحانہ اور سیدھے حملہ کی پالیسی کی مرہونِ منت ہے۔ مگر خود اس کا بھائی ماؤزے تان، لو منگ کی پالیسی کے ماننے والوں میں تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن پر پارٹی کے رہنماؤں نے خاص طور پر یہ الزام لگایا تھا کہ ان لوگوں کے بُرے اثر کے باعث یہ گمراہ کن رجحان ختم ہونے میں نہیں آتا۔

۱۹۴۵ء میں پارٹی کی تاریخ کے متعلق جو قرارداد منظور ہوئی تھی اس میں لو منگ کو ایک دانا سالار کے طور پر پیش کیا گیا اس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی پالیسی بنیادی طور پر درست تھی اور ان بائیں بازو والوں نے، جو اس وقت پارٹی کے حکمران تھے، اس پر ناجائز اعتراض کئے تھے۔ مختلف سلسلوں میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ حالانکہ ماؤ میں ایمان رکھنے والا مکتب تاریخ نگاری واقعات و حقائق کا کچھ زیادہ احترام نہیں کرتا تاہم اس معاملہ میں یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۴۵ء کی قرارداد ماؤ کے اس وقت کے خیالات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اس کی حیثیت اس وقت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ اپنے بھائی تک کی حمایت نہیں کر سکا۔ اس کے بجائے وہ طوعاً وکرہاً مرکزی کمیٹی کی 'بالشویک پالیسی' کی تعریف و توصیف کرنے میں مصروف رہا۔

چوتھی مہم میں پیش قدمی اور جارحانہ حملہ کی پالیسی کامیاب رہی۔ وقتی طور پر تو یہ بات بہت قابلِ اطمینان تھی۔ لیکن آگے چل کر اس فتح سے ایک غلط تاثر نے تقویت پائی۔ اس کی وجہ سے یہ خیال اور طاقت پکڑ گیا کہ سرخ فوج کومنتانگ کی فوج سے برابر کی ٹکر لے سکتی ہے اور ہر صورت اسے سوویٹ علاقے سے دور رکھ سکتی ہے۔ اگلی مہم میں جب چیانگ کائی شیک نے حفاظتی چوکیاں قائم کرنے کی نئی فوجی حکمتِ عملی اختیار کی اور بتدریج کیانگسی کے اڈے پر ہر سمت سے دباؤ ڈالنا شروع کیا، تو اس رجائیت پسندانہ اور جارحانہ ذہنیت سے کچھ اور ہی نتائج مرتب ہوئے۔

لیکن ابھی اس پانچویں اور فیصلہ کن مہم کی ابتدا ہی تھی کہ جاپان کے خلاف متحدہ محاذ کا سوال اٹھ کھڑا

ہوا۔ اس سوال کے بروئے کار آنے میں اس بغاوت کو بڑا دخل ہے جو زائی تنکائی کی سرکردگی میں انیسویں فوج نے برپا کی تھی۔ ستمبر ۱۹۳۱ء میں جب جاپان نے حملہ کیا تو چینی کمیونسٹوں کا پہلا ردِ عمل کومنٹرن کی اُس وقت کی لائین کے عین مطابق تھا کہ متحدہ محاذ کی بنیاد عوام کی سطح سے اُٹھنی چاہیئے۔ کومنٹرن کو یہ بات تسلیم تھی کہ عوام میں ایسے لوگ ہیں بلکہ کومنتانگ کی فوجوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو خلوصِ قلب سے جاپان کی مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا کہنا یہ تھا کہ مزاحمت صرف کمیونسٹوں کی سربراہی میں ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔ پس جاپان دشمن لائحہ عمل کو کامیاب بنانے کے لئے بنیادی شرط یہ تھی کہ کومنتانگ کی حکومت کا تختہ اُلٹا جائے۔ یہ وہ نقطۂ نظر تھا جس کا اظہار کومنٹرن کی طرف سے ستمبر ۱۹۳۲ء کے بارہویں اجلاس میں ہوا اور اس کے بعد دسمبر ۱۹۳۳ء کے اجلاس میں پھر ہوا۔ چینی سوویٹ جمہوریہ نے اپریل ۱۹۳۲ء میں جاپان کے خلاف جو اعلانِ جنگ کیا تھا اس میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا تھا۔ لیکن جنوری ۱۹۳۳ء میں چینی کمیونسٹوں نے جو نہج اختیار کی اس میں اچھی خاصی لچک تھی۔ انہوں نے متحدہ محاذ کے لئے تین شرطیں رکھیں۔ ایک یہ کہ سوویٹ علاقوں پر حملے بند کر دیئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ جمہوری حقوق تسلیم کئے جائیں اور تیسرے یہ کہ جاپان سے مقابلہ کے لئے عوام کو مسلح کیا جائے۔ ان تین شرطوں کے تحت وہ کسی بھی فوج یا کسی بھی باغی سالار کے ساتھ معاہدہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ ہرچند کہ اس اعلان میں کومنتانگ کی بالائی قیادت سے، یا اس سے بھی کم چیانگ کائی شیک کے ساتھ معاملہ کرنے کی کوئی نیّت ظاہر نہیں تھی، لیکن بہرحال یہ اعلان کومنٹرن کی دی ہوئی لائین سے متجاوز نہ تھا۔ بظاہر ماسکو میں تو اس پر کوئی اظہارِ ناراضگی نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ اپیل جو دسمبر ۱۹۳۳ء میں کی گئی تھی کومنٹرن پریس میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن دسمبر ۱۹۳۳ء میں بھی وانگ منگ نے تیرھویں کومنٹرن اجلاس میں صرف اسی حد تک تجویز پیش کی کہ جاپان کے خلاف جنگ کے سلسلہ میں کمیونسٹوں کو کومنتانگ فوج کے نان کمیشنڈ افسروں اور چھوٹے درجے کے افسروں سے معاملہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس نے قوم پرست فوج کے منظم دستوں کے ساتھ اشتراکِ عمل کی مطلق وکالت نہیں کی۔ اور جنوری ۱۹۳۳ء کی کسی بھی فوج کے ساتھ اتحاد کی پیشکش کو اس نے محض ایک پروپیگنڈہ چال جانا۔

اِن سب باتوں کے باوجود، واقعہ یہ ہے کہ اس تقریر سے ایک ماہ پہلے یعنی ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو چینی سوویٹ حکومت عوامی انقلابی حکومت کے ساتھ جاپان اور چیانگ کے خلاف ایک ابتدائی معاہدہ کر چکی تھی۔ عوامی انقلابی حکومت فوکین میں زائی تنکائی کی فوجی طاقت کے بل پر قائم ہوئی تھی۔ دراصل

زائی نے جس کی نویں فوج جنوری ۱۹۳۲ء میں شنگھائی کے بچاؤ کے لئے بہت بہادری سے لڑی تھی، اور جس نے چیانگ کائی شیک کی جاپان کو مراعات دینے کی پالیسی کو ہرگز تسلیم نہیں کیا تھا، چینی سوویٹ حکومت سے معاہدہ ہو جانے کے بعد ہی نانکنگ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ مگر چیانگ نے فوکین کی حکومت کو کچل کر رکھ دیا اور سرخ فوج ٹکر ٹکر دیکھتی رہ گئی۔

ان حالات میں ماؤ کا کردار کیا تھا؟ ۱۹۳۶ء ہی میں ایڈگر سنو کو انٹرویو دیتے ہوئے اس نے سرخ فوج کی فوکین کے باغیوں سے اتحاد نہ کر سکنے کی سخت مذمت کی تھی اور اس وقت سے اب تک اس کی مذمت کئے جا رہا ہے۔ لیکن اس وقت اس کا موقف بالکل مختلف تھا۔ جنوری ۱۹۳۴ء میں یعنی فوکین کے باغیوں کے خلاف چیانگ کی فیصلہ کن کارروائی کے فوراً بعد جب سوویٹوں کی دوسری کل چین کانفرنس ہوئی تو ماؤ نے ان باغیوں کے خلاف بہت تلخ اور تیز باتیں کیں۔ آخر میں اس نے کہا کہ "فوکین کی نام نہاد عوامی انقلابی حکومت کے بارے میں ایک ساتھی نے یہ کہا ہے کہ وہ سرتاسر رجعت پسند نہیں تھی۔ بلکہ اس کا ایک انقلابی کردار بھی تھا۔ یہ نقطۂ نظر گمراہ کن ہے"۔ ماؤ نے کہا کہ عوامی انقلابی حکومت کا قیام حکمران طبقہ میں سے ایک گروہ کی چال تھی۔ اس گروہ نے اشتراکیت اور رجعت پسندی کے درمیان ایک تیسرے راستے کا جھوٹا نعرہ لگا کر عوام کو فریب دینے کی کوشش کی تھی۔

یہاں یہ نتیجہ نکالنا قدرے مشکل ہے کہ ماؤ کی فوکین کے باغیوں کی مذمت کا باعث اس کی مجبوری تھی کیونکہ اس وقت اس کے ہاتھ سے اصل اختیارات چھن چکے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حالانکہ ماؤ نے شروع میں بورژوا طبقہ کو ایک معاشرتی درجہ جان کر اس کے بارے میں ایک نسبتاً رواداری رویہ ضرور اختیار کیا تھا۔ تاہم جب کبھی بورژوا قوم پرستوں کے ساتھ اقتدار میں شریک ہونے کا سوال اٹھتا تو خواہ وہ کتنے ہی محبّ وطن نظر آتے، اسے ان کے ساتھ اشتراک میں سخت تامل ہوتا۔ کیانگسی کی سرخ فوج کے سابق چیف آف سٹاف کنگ چو نے بھی اس واقعہ کی گواہی دی ہے کنگ چو کی شہادت غیر اطمینان بخش تو ہو سکتی ہے، مگر وہ ماؤ سے کوئی مستقل عناد نہیں رکھتا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ جب مرکزی کمیٹی کے جلسہ میں زائی تنگائی کی اتحاد کی پیش کش پر بحث ہوئی تو ماؤ چھاپہ ماروں کے اس گروہ کی سب سے بڑھ کر ترجمانی کر رہا تھا جو اس مہم میں سرخ فوج کو جھونک کر خطرہ مول لینے کے خلاف تھا۔ (اس بنا پر کنگ چو نے ماؤ کو قدامت پسند قرار دیا ہے۔ قدامت پسند ان معنوں میں کہ وہ اپنی تمام تر طاقت کو قائم

اور برقرار رکھنا چاہتا تھا۔) خود ماؤ نے دسمبر ۱۹۳۵ء کی رپورٹ میں اگرچہ زائی تنکائی کی بغاوت کو انقلاب کے لئے مفید قرار دیا ہے مگر فوکین حکومت پر یہ نکتہ چینی بھی کی ہے کہ وہ پرانے طور طریقوں سے چمٹی ہوئی تھی اور عوام کو جدوجہد پر اکسانے میں ناکام رہی تھی۔

لہٰذا یہ قطعی ممکن ہے کہ ماؤ اب جو کچھ ہم پر جتانا چاہتا ہے صورت حال ۱۹۳۳-۴ء میں اس سے مختلف ہو اور ماؤ کو زائی تنکائی سے اشتراکِ عمل کے معاملہ میں خاصہ تامل ہو۔ پھر پارٹی میں اس کا اثر اس وقت اتنا کم تھا کہ اگر مرکزی کمیٹی کے دوسرے اراکین زائی کی حمایت و تائید پر تل جاتے تو وہ اکیلا انھیں اس اقدام سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ مزید یہ کہ دسمبر ۱۹۳۳ء کی کومنٹرن کانفرنس میں وانگ منگ نے جو کچھ کہا اور جو اوپر نقل کیا گیا ہے، اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ "اٹھائیس بالشویک" فوکین کے باغیوں کے بارے میں بہت گرمجوشی دکھا رہے تھے۔ شاید ماسکو میں بیٹھے ہوئے وانگ کی نسبت چین میں جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والے چن پانشین کا رویہ زیادہ حقیقت پسندانہ تھا۔ یا شاید کنگ چو کا بیان صحیح ہو کہ چُو این لائی اُن لوگوں کا سربراہ تھا جنھوں نے زائی تنکائی کے بارے میں مثبت رویہ اختیار کیا تھا۔ لیکن اگر یہ درست ہے تو پھر چن اور چُو، فوکین حکومت کے ساتھ اشتراک عمل کی پالیسی پر عمل کیوں نہیں کرا سکے؟ یہ بھی واضح رہے کہ زائی تنکائی چونکہ اشتراکیت اور رجعت پسندی کے درمیان ایک تیسرے راستے کا حامی تھا۔ اس لئے اس کی مخالفت اس وقت کی ماسکو کی لائین کے عین مطابق ہوتی، جو یہ تھی کہ اصل ضرب "درمیانی طاقتوں" پر لگانی چاہئیے۔ (اس کا ایک مظاہرہ اس کوتاہ نظر پالیسی کی صورت میں ہوا جس کے تحت معاشرتی جمہوریت کو فسطائیت سے زیادہ خطرناک دشمن قرار دیا گیا تھا۔ اور فسطائیت وہ طرزِ حکومت تھی جس کی بدولت ہٹلر برسرِ اقتدار آیا تھا) مجموعی طور پر ۱۹۳۳-۴ء میں مرکزی کمیٹی کی اکثریت نے "درمیانی طاقتوں" کی مخالفت کی اس پالیسی پر صاد کیا تھا۔ پھر وہ زائی تنکائی کے معاملہ میں اس پالیسی کی خلاف ورزی کیوں کرتے۔

پس فوکین کے باغیوں کے بارے میں چینی سوویٹ جمہوریہ کی پالیسی کا مسئلہ چینی کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ کے سب سے زیادہ الجھے ہوئے مسئلوں میں سے ہے۔ عوامی انقلابی حکومت کی امداد میں کوتاہی کا ذمہ دار کوئی بھی ہو، بہرحال واقعہ یہ ہے کہ اس لغزش کے باعث جلد ہی یہ نوبت آگئی کہ کمیونسٹ میدان میں اکیلے رہ گئے اور حالات مشکل سے مشکل تر ہو گئے۔

یہ مشکلات بڑی حد تک چیانگ کی فوجوں کی نئی اور نہایت موثر چالوں کی وجہ سے پیدا ہوئیں تھیں۔ جو انھوں نے چیانگ کے دو جرمن فوجی مشیروں فان سیکٹ اور فان فالکن اوسن کی رہنمائی میں چلیں۔ ایک چال یہ چلی گئی کہ کیانگسی میں وسطی سوویٹ علاقے کے گرداگرد حفاظتی چوکیاں بنادی گئیں اور انھیں خاردار تاروں سے جوڑ دیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے حفاظتی انتظامات بھی کئے گئے۔ اس طریقِ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرخ فوج نے جس طرح پچھلی دفعہ کومنتانگ کے الگ الگ دستوں کو مستقل حرکت کے دوران مار گرایا تھا، اس بار وہ ایسی کوئی کارروائی نہ کر سکی۔ دوسرا نتیجہ اس نئے طریقِ جنگ کا یہ ہوا کہ کومنتانگ حملہ آوران کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ناکہ بندی بہت سخت تھی اور بالآخر سوویٹ علاقوں کے اندر اس کے بہت سنگین نتائج برآمد ہوئے۔ ۱۹۳۴ء کی گرمیوں کے آتے آتے یہ نوبت آ گئی کہ نمک جیسی شے بھی نایاب ہو گئی اور غذائی قیمتیں بے تحاشہ چڑھ گئیں۔

فوجی محاذ پر سرخ فوجوں کو شروع میں تو ایک کامیابی ضرور ہوئی۔ لیکن اس کے بعد تو بقول ماؤ حالت یہ تھی کہ سرخ فوجیں دشمن کی اصل سپاہ اور اس کی حفاظتی چوکیوں کے درمیان چکر لگاتی رہیں، اور بالآخر بالکل ہی بے عمل ہو کر رہ گئیں۔ ماؤ کہتا ہے کہ "لڑنے کا یہ طریقہ نہایت بیہودہ اور احمقانہ ہے"۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود ماؤ اس وقت کس طرح لڑنا چاہتا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں اس نے واضح طور پر بیان کیا کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے تھا۔ چاہیئے یہ تھا کہ سُرخ فوج فوکین کی بغاوت سے فائدہ اٹھا کر پیش قدمی کرتی اور شمال اور مشرق میں نانکنگ اور ہانگ چو کی سمت میں طوفانی یلغار کرتی۔ اس طرح یہ ہوتا کہ کومنتانگ کی فوجیں سوویٹ علاقہ کا محاصرہ توڑ کر ادھر جاتیں اور یوں چیانگ کی حفاظتی چوکیاں تعمیر کرنے کی چال ناکام ہو جاتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ فوجی حکمت عملی ہے جو ماؤ کے طرزِ عمل سے بالکل لگا نہیں کھاتی۔ ماؤ عاقبت اندیشی کا قائل تھا اور ہمیشہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا۔ اب تک اس کی یہی کیفیت ہے دوسری بات یہ ہے کہ ۱۹۳۳ء کے اواخر اور ۱۹۳۴ء کے آغاز میں ماؤ کا بھی کم و بیش وہی خیال تھا جو مرکزی کمیٹی کی اکثریت کا تھا، کہ کومنتانگ کی عمارت سیاسی اور فوجی دونوں اعتبار سے گرنے والی تھی۔ اور یہ کہ سُرخ فوج ایک ناقابلِ شکست طاقت تھی اور چیانگ کائی شیک کی فوجوں سے دو دو ہاتھ کر سکتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ ماؤ تقریر میں بہت خوش فہمیوں کا مظاہرہ کرتا تھا لیکن عمل کرتے وقت پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا اور اسی لئے جو داؤ پیچ اس نے بعد میں بتائے انھیں خود وہ اس موقعہ پر کبھی

استعمال نہ کرتا۔

فوجی حکمت عملی کیسی ہی کمال کی کیوں نہ ہوتی پھر بھی اس میں شک ہے کہ کمیونسٹ خان سیکٹ کی حفاظتی چوکیوں کے داؤ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن بہر حال کسی معرکے میں حالات ان کے لئے کچھ تو بہتر ہوتے۔ اب تو یہ ہوا کہ ۱۹۳۴ء کی گرمیوں کے شروع میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ کیانگسی چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاؤ۔

اس نئی پالیسی کی پہلی علامت یوں ظاہر ہوئی کہ ۱۵ر جولائی ۱۹۳۴ء کو اعلان ہوا کہ ایک جاپان دشمن رسالہ حملہ آوروں سے لڑنے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ اس دستاویز پر ماؤ اور چوتے کے دستخط تھے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ اگر اس رسالے کو کوئی ایسی مسلح فوج ملے جو ان تین شرطوں کو قبول کرے جو ۱۹۳۲ء میں اشتراکِ عمل کے لئے پیش کی گئی تھیں تو ہماری سُرخ فوج کے اصل دستے اس ہراول دستے کے پیچھے پیچھے پہنچیں گے اور مشترکہ جدوجہد کی غرض سے باقی مسلح افواج سے آملیں گے۔ اس ہراول دستے کی سربراہی فانگ چی من کر رہا تھا۔ کومنتانگ کی فوجوں نے جلد ہی اس دستے کو تہس نہس کر دیا۔ اس میں سے تھوڑے سے سپاہی بچ گئے تھے جنھوں نے چکیانگ فوکین سرحد پر چھاپہ مار جنگ شروع کر دی۔

یکم اگست ۱۹۳۴ء کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے ماؤ نے اعلان کیا کہ ملک بھر میں سُرخ فوج کے جتنے دستے ہیں۔ خواہ وہ وسطی چین کے علاقوں میں ہوں یا کیانگسی میں ان سب کے لئے حکم ہے کہ وہ شمال کی سمت روانگی کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ اور اس وقت سے اس مہم کے لئے بڑی سرگرمی سے تیاریاں شروع ہوئیں، جس نے بعد ازاں 'لانگ مارچ' یا 'طویل سفر' کے نام سے شہرت پائی۔ ان واقعات کے دوران بھی ماؤ کی حیثیت غیر معروف رہی اور اس کا اثر و رسوخ نہ ہونے کے برابر تھا۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اسے مرکزی کمیٹی سے نکال دیا گیا تھا اور یوتو میں جو جوئی چن کے مغرب میں کوئی پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ نظر بند کر دیا گیا۔ اگست اور ستمبر میں اسے ملیریا ہو گیا اور وہ سخت بیمار بھی رہا۔

شیاؤ کے کو، جو چنگ کانگ شان کے پرانے اڈے کی کمان سنبھالے ہوئے تھا، اگست کے شروع میں حکم موصول ہوا کہ ہونان کو یچاؤ سرحد پر پہنچ کر ہو لنگ سے اُس کے اڈے پر جا ملے۔ یہ مشن کامیابی سے انجام پایا۔ اور اکتوبر میں اُن دونوں فوجوں کی دوبارہ تنظیم ہوئی۔ اب اس کا نام دوسرے محاذ کی فوج رکھا گیا۔ ہو لنگ اس کا کمانڈر بنا اور ژن پی شی سیاسی ناظر بنایا گیا۔

بالآخر کوچ شروع ہوا۔ ۱۵ر یا ۱۶ر اکتوبر کو سرخ فوج کی بڑی سپاہ جنوب مغرب کی طرف

ڈھلنی شروع ہوگئی۔ شنفنگ کے مقام پر تھوڑی سی لڑائی ہوئی، جس میں سرخ فوج محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہوگئی۔ پھر یہ فوج کوانتنگ کے انتہائی شمالی کنارے سے اور ہونان کے جنوبی کنارے سے چلتی ہوئی آگے بڑھی۔ بعدازاں اس نے شمالی کوانگسی میں دریائے ثیانگ کو عبور کیا۔

اس فوج میں کل ملاکر ایک لاکھ آدمی تھے۔ ان میں پچاسی ہزار سپاہی تھے اور پندرہ ہزار پارٹی اور حکومت کے ارکان تھے۔ انھیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ نہ منزل کا پتہ تھا نہ مقصد واضح تھا اور منزل اور مقصد لازم و ملزوم تھے۔ کیونکہ اگر انھیں واقعی جاپان سے لڑنا مقصود ہوتا تو انھیں اور زیادہ شمال کی طرف جانا چاہیئے تھا۔ اور اگر ان کا مقصد یہ تھا کہ کیانگسی کے ٹھکانے کی تباہی کے بعد اب انھیں چل کر کسی زیادہ محفوظ مقام پر ٹھکانا بنانا چاہیئے، تو انھیں شی چان ہی میں پڑاؤ کر لینا چاہیئے تھا، جہاں چانگ کوتاؤ نے اپنا اڈّا جما رکھا تھا۔ چانگ کوتاؤ نے ہوپائی، ہونان اور انہوئی کے ٹھکانے سے نکلنے کے بعد شی چان میں اپنا ٹھکانہ بنایا تھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خود ماؤزے تنگ خلوص دل سے جاپان سے لڑنے کا خواہاں تھا، ایک تو اس وجہ سے کہ یوں اُسے عوام کے دلوں میں گھر کرنے کا ایک نیا وسیلہ میسر آجاتا اور دوسرے اس وجہ سے کہ اسے ہمیشہ چینی قوم کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ ماؤ کو معاملات پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ ہنوز بے دست و پا تھا۔ فوج کی سربراہی چوتے کے پاس تھی اور چو این لائی سیاسی ناظر تھا۔ اور ان کا معاون وہ جرمن فوجی ماہر تھا جو کومنٹرن کی طرف سے بھیجا گیا تھا، جس کا اصل نام تو اوٹو براؤن تھا۔ لیکن چینی میں اس کا عرف لی تائی تھا۔ صف آرائی کے جس طریقِ جنگ کا سُرخ فوج کو پانچویں محاصرے کے دوران میں بہت خمیازہ بھگتنا پڑا تھا اس کی ذمہ داری بڑی حد تک براؤن پر تھی۔ اب اُس نے ایک مرتبہ پھر حصولِ مقصد کے لئے بالکل سیدھا راستہ اختیار کرنے پر زور دیا۔ ہر چند کہ اس طریقِ جنگ میں کسی زیادہ طاقتور فوج سے ٹکر ہو جانے کا امکان تھا۔

اُس کی تجویز کو مان لینے سے منطقی طور پر پہلا اقدام یہی ہونا چاہیئے تھا کہ ہونان کے شمال مغربی گوشے میں جو ہونگ کے دوسرے اور چوتھے رسالے مصروفِ عمل تھے، ان کے ساتھ مل کر فوجیں اکٹھی کر لی جائیں۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ ہُوا کہ شمالی کوانگسی میں دریائے ثیانگ پر دشمن نے سخت گولہ باری شروع کر دی اور کہیں ایک ہفتے کی جنگ کے بعد دریا کو عبور کیا جا سکا۔ جب سرخ فوج دریا عبور کر کے

دوسرے کنارے پر دوبارہ اکٹھی ہوئی تو یہ معلوم ہوا کہ آدھی فوج کٹ چکی ہے۔ اس سانحہ کے پیشِ نظر ماؤ کو اپنی بات منوانے کا موقعہ مل گیا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ وسطی ہونان میں سب کچھ بازی پہ لگا دینا غلط ہوگا بہتر یہ ہوگا کہ مغرب کی طرف کویچاؤ صوبے کی طرف چلا جائے جہاں دشمن کی فوج نسبتاً کمزور تھی۔

سال جب ختم ہو رہا تھا تو سرخ فوج نے وسطی کویچاؤ میں دریائے وو کو عبور کیا۔ یہ معرکہ چند چیدہ آدمیوں کی بہادری کی وجہ سے سر ہوگیا۔ ادھر دشمن آگ برسا رہا تھا اور ادھر یہ جانثار تختوں پر بیٹھ کر دریا عبور کر رہے تھے۔ دریا عبور کر کے وہ سیڑھی لگا کر پتھریلی چٹان پہ چڑھے اور پھر کومنتانگ کی اہم ترین چوکی کے جوانوں پر ہلہ بول دیا جو گھاٹ کے پہرہ پر متعین تھے۔ سُون یئی شہر پہ گولی چلائے بغیر ہی قبضہ کر لیا گیا۔ وہاں وہ داؤ استعمال کیا گیا جو ماؤ نے "تین سلطنتوں کے رومان" میں سے مستعار لیا تھا۔ کومنتانگ کے قیدیوں کی وردیاں پہن اور پرچم ہاتھ میں لے کر سرخ فوج والے شہر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ شہر پہ قبضہ کر چکنے کے بعد جنوری ۱۹۳۵ء کے پہلے ہفتے میں پولٹ بیورو نے کانفرنس منعقد کی جو سُون یئی کانفرنس کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ کانفرنس ہے جس کی بدولت بالآخر ماؤ زے تنگ کو چینی کمیونسٹ پارٹی پر اختیار حاصل ہوا۔

ایک تو دشمن کے مضبوط اڈوں پہ سیدھے حملے کرنے کی چال ہی غلط پڑی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور اقدام بھی غلط ثابت ہوا۔ کوشش یہ کی جاتی تھی کہ پورے طور پر منتظم مملکت کا حفاظتی ساز و سامان اٹھا کر ساتھ لے چلنا چاہیے، مشینیں، خزانہ، چھاپہ خانے، اس قسم کا تمام جھام ہمراہ تھا۔ کوچ کے پہلے مرحلہ میں اس سامان سے بہت کھنڈت پڑی۔ سُون یئی پہنچ کر اس قسم کی سب پالیسیوں کو ناکام قرار دے کر ترک کر دیا گیا۔ اس نہج کا ذمہ دار چن بانگشین تھا، جسے سکریٹری جنرل کے عہدے سے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ ایک اور واپس آئے ہوئے طالب علم چانگ ون تیئن کو اس عہدے پر مامور کیا گیا۔ لیکن اب سے اصل اقتدار ماؤ کے ہاتھوں میں تھا۔ پولٹ بیورو کے چیئرمین کا ایک نیا عہدہ قائم کیا گیا، اور ماؤ کو اس پر مامور کر دیا گیا۔

ہر بڑے سیاسی یا فوجی راہنما کی طرح، جو عجیب اور ڈرامائی حالات میں سے گذر رہا ہو، ماؤ پہ بھی بہت خوشی کا عالم تھا اس لئے کہ اُسے دوسروں کو ہدایات دینے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ پورے "طویل سفر" میں پیہم خطرات اور درماندگی کے باوجود اسے طاقت کا نشہ اور سرور رہا۔ البتہ یہ سرور ان

ساتھیوں کے خیال سے کسی قدر پھیکا پڑ گیا تھا جنھیں یہ لوگ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ وہ ساتھی کیانگسی میں کومنتانگ کی فوجوں کے نرغے میں تھے اور کومنتانگ والوں کو محض الجھائے رکھنے کے لئے لڑ رہے تھے۔ ان ساتھیوں میں ماؤ کا اپنا بھائی ماؤ زے تان بھی تھا اور چو چو پائی بھی جو تپ دق میں مبتلا تھا۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں اوّل الذکر لڑتے لڑتے مارا گیا۔ ثانی الذکر گرفتار ہوا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔

اب جبکہ سرخ فوج ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی تھی جو شیچان کی سرحد سے بہت قریب تھا، تو فطری امر یہ تھا کہ جس طرح سابق میں ہونان میں ہولنگ کی فوجوں کے ساتھ اتصال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اس طرح اب اس صوبے کے شمالی علاقوں میں بھی چانگ کو تاؤ کے ساتھ اتصال پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مگر ہولنگ سے ملنے کی کوشش کی طرح بدقسمتی سے اس کوشش کا بھی چیانگ کائی شیک کو پتہ چل گیا۔ اس نے تیزی سے رستہ روکنے کے اقدامات کئے۔ البتہ یہاں اس کا کام کسی قدر مشکل تھا۔ جن علاقوں میں محاصرے کی پانچ مہمیں چل چکی تھیں ان کے برعکس یہ علاقہ براہ راست قوم پرست حکومت کی ماتحتی میں نہیں تھا۔ چیانگ کو یہاں مجبوراً مقامی جنگی سرداروں کا تعاون حاصل کرنا پڑا۔ بہرحال جب جنوری کے وسط میں ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے سوئن یئی سے شمال کی طرف کوچ کرنا شروع کیا تو کومنتانگ اور مقامی فوجوں نے مل کر ان پر بھی اور چانگ کو تاؤ کی چوتھی محاذ والی فوج پر بھی حملہ کر دیا۔

ان حالات میں ماؤ نے بلاتکلف وہ داؤ استعمال کیا، جس کا وہ لی لیزان کے زمانے سے قائل تھا، کہ "جب کوئی زور آور دشمن تعاقب میں ہو تو چک پھیری کا طریق اختیار کرو۔" اس طریق کے نتائج کا نقشے سے پتہ چل سکتا ہے۔ شمالی کوئیچو میں اس چکر دار نقل و حرکت کے دوران میں پہلے محاذ کی سرخ فوج نے صوبے کے فوجی گورنر وانگ چیالین کو درّہ لوشان کے معرکہ میں نیچا دکھایا تھا۔ اوّل تو یہاں کے قدرتی مناظر میں ایک ایسی عظمت تھی جس نے ماؤ کو بہت متاثر کیا۔ پھر اس نے جو نیا عہدہ سنبھالا تھا اور نئی ذمہ داریاں قبول کی تھیں، ان کی وجہ سے بھی وہ جوش میں تھا۔ ان دو باتوں نے مل کر اس کے اندر چھپے ہوئے شاعر کو متاثر کیا۔ "طویل سفر" کے دوران میں جو اس نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں ان میں سے پہلی نظم اسی جذبہ کے زیر اثر لکھی گئی ہیں:-

مغرب کی ہوا ہے تند اور تیز
بے انت خلا میں مرغِ آبی
چاہے ہیں یہ اس کی بے نقابی
کہرے میں چھپا ہے صبح کا چاند

کہرے میں چھپا ہے صبح کا چاند
گھوڑوں کی سموں کی لے ہوئی تیز
خاموش ہوئی بگل کی آواز
درے کو ہے سخت جسم پہ ناز
پر آج بڑھائیں گے قدم ہم
چوٹی پہ پہنچ کے لیں گے دم ہم
چوٹی پہ پہنچ کے لیں گے دم ہم
نیلے ہیں پہاڑ جوں سمندر
سورج کی شکست خوں کا منظر

اس کامیابی کے باوجود ماؤ نے عاقبت اندیشی سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ سیدھے وسطی شیچان میں گھسنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہاں دشمن کے مورچے مضبوط تھے، بلکہ سُون ییی کے مقام پر دریائے وُوَد کو عبور کیا جائے اور ینان اور سیکانگ صوبوں سے ہوتے ہوئے مغربی شیچان میں پڑاؤ کیا جائے۔ ادھر اب تک چیانگ کائی شیک خود کوئی یانگ پہنچ چکا تھا اور سرخ فوج کے خلاف کارروائی کے انتظامات مکمل کر چکا تھا۔ دریائے وُوَد کو عبور کر کے ماؤ نے یوں سیدھا کوئی یانگ کا رُخ کیا جیسے اُس پر حملہ کرنے کی نیّت ہو۔ جب وہ فوجی اقدامات کا منصوبہ تیار کر رہا تھا تو اس نے یہ کہا تھا کہ "اگر ہم نے دشمن فوجوں کو ینان سے باہر نکل آنے پر مائل کر لیا تو ہم لڑائی جیت جائیں گے"۔ اس فرضی پیشقدمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چیانگ نے واقعی ہمسایہ صوبے سے کمک طلب کر لی۔ سرخ فوج نے یہ دیکھا تو وہ اچانک مغرب کی طرف مڑی اور سیدھی ینان میں ہوتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ کُن منگ کے صوبائی صدر مقام کی سمت میں ایک اور دکھاوے کی پیش قدمی کے بعد سرخ فوج نے شمال میں دریائے چن شا کی طرف کُوچ کیا۔ یہ دریا ینان اور شیچان کے درمیان سرحد کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ پھر مٹھی بھر لوگوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس سرکش دریا کو عبور کیا۔ اس مرتبہ انھوں نے کومنتانگ کے سکاؤٹوں، پولیس والوں اور ٹیکس ادا کرنے والوں کا بھیس بدلا تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے کنارے پر جو گاؤں واقع ہے اور جو گھاٹ کا آخری مقام ہے، وہاں پہنچ کر اس کے مختلف کلیدی مقامات پر قبضہ کر لیں۔ نو دن تک کشتیاں اس کنارے سے اس کنارے تک آتی جاتی رہیں اور پوری سرخ فوج کو ڈھوتی رہیں۔

جب سرخ سپاہی سیکانگ صوبے سے ہوتے ہوئے شیچان کی طرف بڑھے تو چیانگ کائی شیک کو

یقین ہو گیا کہ تقدیر دشمن کو کھینچ کر اس کے جنگل میں سے لے آئی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اب ان سپاہیوں کو مجبور ہو کر مغرب کی طرف مڑنا پڑے گا اور ایک مرتبہ پھر وہ یا تو سیکانگ شیچان سرحد کے ناممکن حد تک دشوار گذار علاقہ میں داخل ہو جائیں گے، یا پھر انہیں چٹانی دروں اور دریائے تاتو کے سرکش دھاروں سے گذرنا ہوگا۔ یہ وہی علاقہ تھا جہاں ۱۸۶۳ء میں تیپنگ کا سپہ سالار شی تاکائی آن پھنسا تھا اور سلطانی فوجوں نے اس کی فوجوں کا صفایا کر ڈالا تھا۔ چیانگ کائی شیک کے ذہن میں یہ مثال موجود تھی اور دل ہی دل میں اس صورتِ حال کا اس پچھلی مثال سے موازنہ کر رہا تھا۔ وہ تیپنگ کے لوگوں کو کمیونسٹوں کی طرح اجڈ گنوار سمجھتا تھا حالانکہ سن یات سن نے ان لوگوں کو ایک عظیم انقلابی تحریک قرار دیا تھا۔ اس بار یہ بھی ہوا کہ کومنتانگ کے ہوائی جہازوں نے یہ اشتہار برسائے کہ ماؤزے تنگ کا وہی انجام ہوگا، جو شی تاکائی کا ہو چکا ہے۔ چیانگ خود دوڑا ہوا چنگ کنگ گیا اور فوجی کارروائی کی زمام سنبھال لی۔

دریائے تاتو کا عبور "طویل سفر" کی تاریخ میں ایک داستانی مہم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا آغاز کچھ اسی قسم کے واقعہ سے ہوا، جیسا دریائے ووُ کے عبور میں پیش آیا تھا۔ انشن چانگ میں گھاٹ کے آخری کنارے پر دشمن کا ایک مختصر سا دستہ پہرہ دے رہا تھا۔ اس دستے پر اچانک ہلہ بول دیا گیا اور ایک چھوٹی سی کشتی پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے بعد اٹھارہ چیدہ چیدہ جوانوں نے دوسری طرف دشمن کے ایک مورچہ پر، جس کے تحفظ کے لئے ایک چٹان کی چوٹی پر حفاظتی مورچے بنائے گئے، حملہ کر دیا۔ بہر حال اس بار گھاٹ پر قبضہ قصہ کے انجام کی بجائے آغاز ثابت ہوا۔ کیونکہ چند ایک چھوٹی کشتیاں جو میسر تھیں، ان کے ذریعہ پوری فوج کے لئے دریا پار کرنا ایک آدھ دن کا معاملہ تو نہیں تھا۔ اس میں کئی دن لگتے۔ اور ممکن تھا اس دوران میں اُدھر دشمن بھاری کمک پہنچا دیتا۔ اس کے علاوہ اوپر سے بمباری بھی ہو سکتی تھی۔ اب رہا دریا پار کرنے کا معاملہ، تو دھارا اتنی تیز تھی کہ عارضی پُل تعمیر کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان حالات میں ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ شمال مغرب میں ایک سو دس میل اوپر لوتنگ کے مقام پر جو معلق پل تھا اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ طے یہ ہوا کہ ادھر سے فوج لوتنگ کے پل کی طرف بڑھے اور اُدھر پہلی ڈویژن جو یہ فیصلہ ہونے سے پہلے ہی کشتیوں کے ذریعہ دریا عبور کر گئی تھی، کنارے کنارے پل کی طرف بڑھے اور بڑی فوج کی کارروائی میں مدد دے۔

دونوں طرف اونچی اونچی تنگ چٹانیں تھیں، درمیان میں دریا شور کرتا بہہ رہا تھا۔ سرخ فوج

اس پُر خطر راستے پر گامزن تھی۔ دونوں کناروں پر خطرناک تپلی چٹانوں پر وہ لوگ رواں دواں تھے۔ وہ مٹی کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ جا بجا دریا کے معاون دھاروں نے ان کا رستہ کاٹا اور انھیں عارضی پل تعمیر کرنے پڑے۔ یہاں وہاں دشمن کے چھوٹے موٹے دستوں سے جھڑپیں بھی ہوئیں۔ اس مہم کے شروع ہی میں فوج کے گروپ ہیڈ کوارٹر نے بائیں سمت چلنے والے محافظ دستے کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ تین دن کے اندر اندر ایک سو دس میل کی مسافت طے کر کے لوتنگ کے پل پر جا پہنچے۔ لیکن دوسرے دن صبح کو، جب ابھی ۸۰ میل کا فاصلہ طے کرنا باقی تھا، سپاہیوں کو اچانک اطلاع ملی کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر منزل پر پہنچنا ہے۔ سیاسی ناظروں کو اتنا وقت بھی نہیں ملا کہ جلسہ کر کے لوگوں کو سمجھاتے اور آمادہ کرتے۔ کوچ کے دوران ہی انھیں ساری ہدایات دی جاتی رہیں۔ دن خیریت سے گذرا۔ مگر شام کے جھٹپٹے میں انھوں نے دیکھا کہ دائیں کنارے پر ان کے عین مقابل دشمن کا دستہ ڈٹا ہوا ہے۔ اب انھیں لڑ بھڑ کر پل تک پہنچنا تھا۔ جب رات ہوئی تو دشمن نے ٹارچیں جلائیں۔ ٹارچیں جلانے کی ضرورت تو سرخ فوج کو بھی تھی کیونکہ رستہ پُر خطر تھا اور روشنی کے بغیر اسے طے کرنا مشکل تھا۔ لیکن ٹارچیں جلانے میں خطرہ یہ تھا کہ دریا کے اس پار سے دشمن ان پر گولی چلانا شروع کر دیں گے۔ اس خطرے کی وجہ سے ٹارچیں نہیں جلائی گئیں اور کمانڈروں نے سیچان کے کچھ سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سوالوں کے جواب چلّا چلّا کر دیں اور یہ تاثر دیں جیسے یہ کوچ کرتی ہوئی فوج دشمن کی وہ تین بٹالینیں ہیں جو ابھی دن میں شکست کھا چکی تھیں۔ ۲۵ مئی کو صبح سویرے سُرخ فوج طے شدہ پروگرام کے مطابق پل پر جا پہنچی اور بڑی آسانی سے دشمن کی چوکی پر قبضہ کر لیا۔

اب سامنے دوسرے کنارے پر لوتنگ شہر تھا جو ہر طرف سے محفوظ فصیل کی بدولت محفوظ تھا اور جس پر مشین گنیں نصب تھیں۔ دونوں ساحلوں کے درمیان تیرہ بھاری بھرکم آہنی زنجیریں بچھائی ہوئی تھیں۔ یہ زنجیریں چٹانوں میں گڑی ہوئیں تھیں۔ ان میں سے دو زنجیریں تو اس طرح گڑی تھیں کہ دونوں طرف کٹہرے کا کام دے رہی تھیں۔ باقی نو زنجیریں پہلے تختوں سے بنے ہوئے ایک فرش کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ لیکن اب اس فرش کو ہٹا دیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر ایک دفعہ پھر رضا کاروں کی ضرورت پیش آئی۔ چار بجے شام کو بائیس آدمی نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے پاس مشین گنیں، تلواریں اور دستی بم تھے۔ اس طرح مسلح ہو کر وہ چلے اور لٹکتی ہوئی زنجیروں کو پکڑ کر انھوں نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اور دستہ چلا۔ اس دستے نے تختے اٹھا رکھے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ پل دوبارہ بچھایا جائے۔ حملہ آور ہراول دستے

میں سے کچھ سپاہی ہلاک ہوئے اور دریا میں ڈوب گئے، مگر باقی سپاہی سرک سرک کر اوپر چڑھتے رہے۔ مخالف سمت کے ساحل کے قریب ہی پُل کے کچھ حصے پر ابھی تک تختے پڑے تھے۔ دشمن نے تنگ وقت پر ان تختوں میں آگ لگادی تاکہ سُرخ فوج کی پیش قدمی رُک جائے۔ لیکن ہراول دستے کے بچے کھچے سپاہی دستی بم پھینکتے ہوئے شعلوں ہی میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے تختے بچھانے والے تھے، اور پھر ایک اور رجمنٹ چلی آرہی تھی۔ شام تک لوتنگ میں دشمن کی دو رجمنٹیں شکست کھا کر تتر بتر ہو چکی تھیں اور سرخ فوج کا شہر پر پوری طرح قبضہ ہو گیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد پہلی ڈویژن بھی دائیں ساحل پر چلتی چلتی یہاں آ پہنچی۔ اس نے بھی رستے میں دشمن کی فوج کو شکست دی تھی۔ اس طرح پوری کی پوری سُرخ فوج نے دریائے تاتو کو عبور کر لیا اور شی تاکائی کے انجام سے بچ گئی۔

اس کے بعد ماؤزے تنگ کی فوجوں کو شنوسی پہنچنے تک ایسا زیادہ لڑنا نہیں پڑا۔ البتہ انھیں بے پناہ قدرتی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تکلیف دہ حالات کا ان لوگوں نے جس طرح مقابلہ کیا اس کی وجہ سے یہ کوچ دنیا کی عسکری تاریخ کے بڑے کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ماؤ کو چنگ کوتاؤ سے تصادم کی شکل میں کچھ سیاسی مشکلات سے بھی سابقہ پڑا۔ کوہ جیاچن کے برف پوش دروں سے گزرنے کے بعد پہلے محاذ کی فوج ماؤکنگ کے مقام پر چانگ کی چوتھے محاذ والی فوج سے جا ملی۔ پھر یہ دونوں فوجیں مل کر شمال کی سمت چلیں۔ ماورکائی کے مقام تک تو خیریت رہی۔ لیکن وہاں پہنچنے کے بعد ماؤ اور چانگ کے اختلافات نے بہت نازک صورت اختیار کر لی۔

شمال کی سمت شنسی۔ کانسو کے سرحدی علاقہ میں کاؤ کانگ اور ریو چی تان نے ایک سوویٹ قائم کر لی تھی۔ ماؤزے تنگ برابر اس بات پر زور دیتا رہا تھا کہ شمال کی سمت پیش قدمی کر کے شنسی کانسو کی سوویٹ میں پہنچا جائے اور وہاں جا کر چینی قوم کے جاپان دشمن جذبے سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چانگ کوتاؤ کی دانست میں یہ پالیسی ناقابلِ عمل تھی۔ اس کی تجویز تھی کہ پیچھے ہٹ کر سیکانگ بلکہ تبت کی طرف رجوع کیا جائے۔ اب اس تجویز کو 'فراریت' اور 'عسکریت پسندی' سے تعبیر کر کے مطعون کیا جاتا ہے۔ فراریت تو یہ یقیناً تھی۔ اس لئے کہ اس صورت میں سرخ فوج، تعاقب کرتی ہوئی قوم پرست فوج کی زد سے بہت دور نکل جاتی۔ ایک لحاظ سے یہ عسکریت پسندی کا پہلو بھی رکھتی تھی۔ وہ اس طرح کہ اس تجویز کا مطلب یہ تھا کہ فوج ایک ایسے علاقے میں جا کر پڑاؤ کرے جہاں اقلیتیں آباد تھیں اور جہاں عوام سے سیاسی

رابطہ پیدا کرنا اور انہیں اپنا طرف دار بنانا بہت مشکل ہوتا۔ لیکن اسی موخر الذکر اصطلاح کے سیدھے سادے معنی یہ ہیں کہ چانگ، ماؤ کے اختیار اور وقار کے مقابلہ میں اپنا اختیار اور وقار جتا رہا تھا۔ وہ پارٹی میں ماؤ سے بارہ برس پہلے سے شامل اور موجود تھا، اور اپنے سے جونیئر کارکن کا ماتحت بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔

اس زور آزمائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں زچ ہو گئے۔ اور فوج دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ کا سربراہ چانگ کوتاو بن گیا اور دوسرے کا ماؤ۔ چانگ کی شروع سے یہ خواہش چلی آ رہی تھی کہ سیکانگ جانا چاہیئے۔ سو وہ نصف فوج کو ہمراہ لے کر سیکانگ چلا گیا۔ ماؤ اور اس کی فوج نے شمال کی طرف کوچ شروع کر دیا۔

اس سارے قصے میں بس ایک ایسا بھید ہے جو کسی صورت نہیں کھلتا۔ سوال یہ ہے کہ چوتے نے ماؤ کا ساتھ کیوں نہیں دیا، اور مغرب کی طرف کوچ میں چانگ کوتاو کے ساتھ کیوں لگ گیا؟ پرانی توجیہات کہ قدرتی مشکلات کے باعث دونوں فوجوں میں بھی علیحدگی ہوئی اور چوتے اور ماؤ بھی جدا ہو گئے یا یہ کہ اس علیحدگی کا باعث کومنتانگ فوج کی کارروائی تھی، بہت حد تک ناقابلِ یقین ہیں۔ چوتے کے اس اقدام کا باعث کیا تھا، اس کے بارے میں اگر کوئی واضح اشارہ ملتا ہے تو وہ خود چوتے کے اس بیان میں ملتا ہے، جو اس نے ایگنیز سمیڈلی کو اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے دیا تھا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ چانگ کوتاؤ نے اس کے سینے پر بندوق رکھ کر اُسے سیکانگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ممکن ہے اُس پر دباؤ بھی ڈالا گیا ہو اور زبردستی بھی کی گئی ہو لیکن یہ باور کر لینا ممکن نہیں کہ سارے معاملے کی تہ میں یہی ایک وجہ تھی۔ غالباً اس میں کچھ علاقائی وفاداریوں کا بھی عمل دخل تھا۔ شیچان کی طرف کوچ کرنے کے وقت سے چانگ کوتاؤ ایک نئی فوج تیار کر رہا تھا۔ اس فوج میں زیادہ سپاہی شیچان صوبے سے بھرتی کئے گئے تھے۔ (اس وجہ سے بھی چانگ کو ماؤ کی بات ماننے اور شمال کی سمت جانے میں پس و پیش تھا۔) چوتے خود شیچان کا رہنے والا تھا۔ لیوپوچنگ بھی اسی علاقے سے تعلق رکھتا تھا، لہٰذا اُس نے بھی چانگ ہی کا ساتھ دیا تھا۔ غالباً ان دونوں کی یہ خواہش تھی کہ اپنے صوبے سے قریب رہیں اور اس لئے وہ چانگ کے ساتھی بن گئے۔ بہر حال یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس وقت چو کو ماؤ سے بالکل اتفاق نہیں تھا۔ (جہاں تک اتفاق کا تعلق ہے۔ آخر وہ پہلے ۳۴-۱۹۳۳ء میں چن پانگ شین، چو این لائی اور اوٹو برائن سے بھی تو اشتراک کر چکا تھا اور اُس پالیسی پر گامزن رہ چکا تھا جس سے ماؤ کو سخت اختلاف تھا۔) بہر حال یہ دونوں اشخاص

جو شروع ۱۹۲۸ء سے مسلسل سنگت میں چلے آ رہے تھے، اخلاقی اعتبار سے نہ سہی جسمانی اعتبار ہی سے سہی، اب جدا ہو گئے۔ ماؤ اکیلا اپنے قافلے کو لے کر شمال کی سمت میں روانہ ہو گیا۔

ماؤزے تنگ اور اس کے ساتھیوں کو ابھی ایک اور مصیبت سے گذرنا تھا۔ اور یہ شاید پورے طویل سفر، میں سب سے لرزہ خیز تجربہ تھا۔ یہ تھا گھاس کے خوفناک میدانوں کو عبور کرنے کا تجربہ۔ یہ دلدل سے بھرا وسیع و عریض میدان تھا۔ یہاں حالت یہ تھی کہ اگر کسی کا قدم ذرا غلط پڑ جاتا تو بس وہ دلدل میں دھنستا چلا جاتا اور دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ اگر اس کی قسمت سے کوئی ساتھی قریب ہوتا تو وہ اسے لاٹھی پکڑا کر باہر کھینچ لیتا، ورنہ بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ حالات زیادہ بدتر اس طرح بھی ہوئے کہ اس علاقے میں غیر چینی اقلیتی فرقوں نے سخت عناد کا مظاہرہ کیا۔ سرخ فوج کو اب تک کسی علاقے میں اتنے عناد سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ چاہے سرخ چینی ہوں یا سفید، اِن غیر چینیوں کے لئے تو وہ سب ہان نسل کے لوگ تھے جنھیں وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ینان میں لیو پوچنگ نے ایک قبیلے سے دوستانہ تعلقات استوار کر لئے تھے، یوں قبیلہ کے سردار کے ساتھ بیٹھ کر اس نے مرغ کا خون پیا تھا اور اخوت کا حلف اٹھایا تھا۔ ینان اور دوسرے علاقوں میں بھی سرخ فوج نے نہایت خوش اسلوبی سے اقلیتوں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ جن چینی فوجوں اور حاکموں کو وہ دیکھتے چلے آئے ہیں، سرخ فوج اُن سے بالکل مختلف ہے۔ لیکن گھاس کے میدانوں میں رہنے والے مان قبیلے کے لوگ ان کی باتوں میں نہیں آئے۔ وہ اپنے مویشی ہانک کر لے گئے، اپنے غذائی ذخیروں کو محفوظ جگہوں میں چھپا دیا اور خود اس کہرے میں جو اس دلدلی علاقہ میں ہر سمت منڈلاتا رہتا تھا، کہیں غائب ہو گئے۔ سرخ فوج کو اُن کی آس پاس موجودگی کا اس وقت پتہ چلا جب یہ فوج چٹانی دروں میں سے گذرنے لگی اور ان لوگوں نے چٹانوں سے بڑے بڑے پتھر توڑ کر ان پہ لڑھکائے۔ ان آوازوں سے دلدلی فضا کی بے کیف یکسانیت ٹوٹی۔ یا پھر وہ چھپ کر کسی بھٹکے ہوئے سپاہی پہ گولی چلا دیتے تھے۔ سرخ فوج کا پورے سفر کے دوران یہ طریقہ رہا تھا کہ وہ مقامی لوگوں سے جو چیز خریدتے اس کی قیمت چاندی کے سکوں میں چکاتے۔ لیکن یہاں وہ چاندی کے سکے دے کر بھی غذائی سامان حاصل نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو اناج یہ لوگ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے وہ ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھایا۔ جب گھوڑے بھی ختم ہو گئے تو انہوں نے اپنے چمڑے کی پیٹیوں اور جوتوں کو ابال ابال کر کھایا۔ غرض جس چیز میں بھی ذرا سی غذائیت کا گمان ہوتا، اسے کھا جاتے

تھے۔ انہوں نے خود روجنگلی سبزیاں بھی آزمائیں۔ مگر ان میں سے بہت سی سبزیاں زہریلی نکلیں متلی، ہیضہ وغیرہ تو خیر ہُوا، مگر کوئی کوئی پودا ایسا بھی نکلتا کہ اس سے فوری موت واقع ہو جاتی۔ اس پر مستزاد یہ کہ بارش شروع ہو گئی اور ایسی ہوئی کہ دن رات ہوتی رہتی تھی۔ اور رات کو سردی قیامت کی ہوتی تھی۔ ان کے پیر کیچڑ میں مستقل طور پر لت پت رہتے تھے۔ اس کیچڑ میں بھی زہریلے اثرات تھے، جس سے ان کے پیروں اور ٹانگوں پہ زخم پڑ گئے۔ اور علاج معالجہ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ لے دے کے گرم ابلتے ہوئے پانی ہی سے علاج کیا جا سکتا تھا۔

اس آزمائش سے صرف سات یا آٹھ ہزار کے قریب آدمی بچ کر نکل سکے۔ یہ سات آٹھ ہزار افراد پہلے مشرق کی سمت میں لاتسی کاؤ درے کی طرف گئے۔ پھر وہ شمال کی طرف کوہ فنشان میں گئے۔ جنوبی کانسو میں ایک مرتبہ پھر اُن کی دشمن سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہاں ایک بڑی فوج ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔ لیکن ماؤ نے پھر ایک چال چلی۔ اس نے یہ ظاہر کیا جیسے وہ تن شوئی کی طرف جا رہا ہے۔ دشمن اس جھانسے میں آگیا۔ اور ادھر ماؤ اور اس کے ساتھی تیزی سے شمال مشرق کی سمت میں ہو لئے اور ان علاقوں سے گذرے جہاں مسلمان اقلیت آباد تھی۔ وہاں سے گذر کر وہ ہوئی ننگ اور چنگ ننگ کے درمیان دشمن کے محاصرے کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کے بعد وہ کوہ لیوپان سے گذرے جو اس سفر میں قدرت کی پیدا کردہ آخری بڑی آزمائش تھی۔ اس کے بعد وہ شنسی میں پہنچ گئے۔ کوہ لیوپان سے گزرتے ہوئے ماؤ جن احساسات سے دوچار ہُوا تھا انھیں اس نے ایک نظم میں بیان کیا ہے:-

بلند آسماں پہ بادلوں کا رنگ زرد ہے۔
یہ پرکشادہ جنگجو بطیں، جنوب کی طرف رواں،
کہ اُڑتے اُڑتے آخرش نگاہوں سے ہوئیں نہاں۔
فصیلِ چین تک اگر نہ ہم پہنچ سکے، تو کیسے خود کو آدمی کہیں،
اور اب تو دو ہزار کوس کا سفر بھی طے ہُوا۔

یہ کوہ لیوپان کی بلند چوٹیاں
ہمارے جھنڈے ان پہ سربلند، پچھمی ہوا میں ڈولتے،

ہمارے ہاتھ لمبی رسیّوں کو تھامے، پیر آگے بڑھتے
اس اُمیّد پر، کہ جلد بھورے اژدھے کو لیں جکڑ۔

ٹمیالا اژدہا مشرق میں نظر آنے والے ایک تاروں کے جُھرمٹ کا نام ہے۔ یہاں اس سے مراد جاپانی حملہ آور ہیں جو مشرق کی سمت سے آئے تھے۔ اگر انھیں باندھنے سے ماؤ کا مطلب جاپان پر مکمل فتح تھی تو یہ واقعہ ابھی کہیں دس سال پرے تھا لیکن اگر اس سوال سے اس کی مراد صرف اتنی تھی کہ جاپان کے خلاف جدوجہد کب تیز ہوگی اور ٹھوس صورت اختیار کرے گی تو اس کا جواب تھا کہ جلد ہی یہ مہم شروع ہوجائے گی۔

دو محاذوں پر جنگ

۱۹۳۵ء کے موسم خزاں میں جب ماؤ کی بچی کھچی فوج صوبہ شنسی میں منزل مقصود کے قریب پہنچی تو اس وقت تک بالآخر وہ اپنی پارٹی پر اختیار حاصل کر چکا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اگلے کئی برسوں تک اس کے اختیار کو کسی نہ کسی صورت چیلنج کیا جاتا رہا۔ جغرافیائی اور سیاسی، دونوں اعتبارات سے اس وقت ماؤ ایسی حیثیت میں تھا کہ جاپانیوں کے خلاف مزاحمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتا تھا۔ جاپان کے مسلسل جارحانہ اقدامات کے باعث چین میں ایسی فضا پیدا ہو چکی تھی کہ قومی مقاصد کے لئے لوگوں کو آسانی سے اکٹھا کیا جا سکتا تھا۔ ماؤ مزاحمت میں پیش قدمی کر کے اس کام کی زمام اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا۔ لیکن حصولِ مقصد کی خاطر اُسے دو محاذوں پر مستقل جد و جہد کرنی تھی، ایک تو کومنتانگ کے خلاف اور دوسرے ماسکو کے غلبہ کے خلاف۔

کومنتانگ سے جھگڑے کے بارے میں تو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ کمیونسٹوں اور کومنتانگ والوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ آپس میں لڑتے رہنے کی بجائے جاپانیوں کے خلاف جنگ کے لئے اتحاد کر لینا چاہیئے، تاہم فریقین میں سے کسی نے بھی اس اتحاد کو ایک مستقل حل کی حیثیت سے قبول نہیں کیا تھا۔ ماؤزے تنگ کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ پوری چینی قوم کی قیادت کا

فریضہ اسے انجام دینا ہے اور چیانگ کائی شیک کو اپنی جگہ یہی یقین تھا۔ دونوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ مشترکہ اقتدار غیر معین عرصہ تک قائم رہے۔ اُس وقت بھی جب ان میں آپس میں بہت بھائی چارہ تھا، ان کے ایک دوسرے کے خلاف داؤ پیچ جاری تھے۔ دونوں کی اپنے طور پر کوشش یہ تھی کہ پھوٹ پڑنے سے پہلے، جو کہ ناگزیر تھی، اپنی اپنی حیثیت کو خوب مضبوط کر لیا جائے۔

سوویت یونین کے ساتھ تعلقات کا معاملہ اس سے ذرا زیادہ پیچیدہ تھا۔ اس لئے کہ ان تعلقات میں رقابت کا عنصر بھی موجود تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں کے کمیونسٹوں میں یک جہتی کا بھی احساس تھا۔ ادھر سٹالن کے پیشِ نظر دو مقاصد تھے جو ایک دوسرے سے واضح طور پر الگ الگ بھی اور ایک دوسرے سے متعلق بھی تھے، لیکن جو ماؤ کے لئے ایک جیسے ناقابلِ قبول تھے۔ پہلا مقصد یہ تھا کہ اگر چین میں انقلاب کی جدوجہد سے ماسکو کی ڈپلومیٹک حیثیت کو گزند پہنچنے کا امکان نظر آئے تو پھر انقلاب کے لئے جدوجہد تیز نہیں ہونی چاہیئے۔ دوسرا یہ تھا کہ چین میں کمیونسٹ تحریک سوویت روس کی نگرانی اور اختیار میں رہنی چاہیئے۔ اگرچہ ان مسائل کی صورت بدلتی رہی لیکن ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک کے پورے عرصے میں یہ دونوں بنیادی تنازع بہرحال موجود رہے۔ یقیناً ماؤ کبھی بھی اس حیثیت میں نہیں تھا کہ وہ کھلم کھلا سٹالن کے اختیار کو چیلنج کرتا۔ ویسے وقتاً فوقتاً اس نے اشارتاً یہ بتانے کی جسارت ضرور کی کہ چین میں ماسکو کے اختیارات اور اثرات کی ایک حد ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ سوال کہ چینی انقلاب کی قسمت کا فیصلہ آخر کسے کرنا ہے، کسی وقت بھی ان دو اشخاص کے ذہنوں سے سے محو نہیں ہُوا۔

ستمبر ۱۹۳۵ء میں، یعنی ماؤ کی مرکزی سرخ فوج کی سربراہی قبول کرنے سے ذرا پہلے، شو ہائی تنگ کی سربراہی میں پچیسویں فوج نے، جو صوبہ ہونان کے جنوب مشرقی گوشے میں سرگرم عمل تھی، اپنا کوچ پورا کیا اور شنسی۔ کانسو کے علاقے میں لیو چی تان سے جا ملی۔ ان دونوں فوجوں کو ملا کر ایک نیا لشکر تیار کیا گیا جس کا نام پچیسویں فوج رکھا گیا۔ اس میں کم و بیش سات ہزار سپاہی تھے۔ اُس وقت کومنتانگ نے جو ایک حملہ کیا تھا اُسے اس فوج نے بہت کامیابی سے دفع کیا۔ اکتوبر میں ماؤ اور اس کے آٹھ ہزار سپاہی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس سے اگلے مہینے کومنتانگ کی ایک اور محاصرے کی یورش کا قلع قمع کر دیا گیا۔ سو اس طرح اب ماؤ کی کمان میں پندرہ ہزار سپاہی تھے۔ اس تعداد میں

۱۹۳۶ء کے دوران ابھی اور اضافہ ہونا تھا۔ ہوا یوں کہ اس عرصے میں ہو لنگ کے ساتھی ہونان کے مرکز سے چل کر ادھر آ گئے اور پھر چانگ کوتاؤ اور چُوتے کی فوج بھی تبت کی سرحد تک گھوم پھر کر بالآخر واپس آ گئی۔ لیکن مل ملا کر بھی یہ فوج نہ صرف اُس قوم پرست فوج سے جو آس پاس پڑی تھی، کم تھی، بلکہ ۱۹۳۳ء میں کیانگسی میں جو ایک لاکھ کی سرخ فوج تیار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، اس سے بھی تعداد میں کہیں کم تھی۔

ان حالات میں کومنتانگ کے سامنے سر جھکائے اور اپنی خود مختار حیثیت ختم کئے بغیر، جاپانی جارحیت کے خلاف تمام قوم پرست چینیوں کا متحدہ محاذ قائم کرنے کا نعرہ بلند کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا، آسان کام نہیں تھے۔ لیکن ماؤ کو تو اس کام میں کمال حاصل تھا۔ کیوں کہ وہ شروع ہی سے ایک مکمل انقلابی بھی تھا اور ایک پُرجوش چینی قوم پرست بھی تھا۔

ایک انقلابی کی حیثیت سے وہ بالآخر مارکس اور لینن کی تعلیمات کے بنیادی اصولوں کو اپنے شعور میں جذب کر رہا تھا اور اپنی پالیسیوں کو موزوں نظریاتی سانچوں میں ڈھالنا سیکھ رہا تھا۔ یہ اس رپورٹ سے ظاہر ہے جو جاپانی سامراج سے جنگ کی چالوں کے بارے میں لکھی گئی تھی۔ اس رپورٹ میں ماؤ نے پولٹ بیورو کی وائی یاؤ پُو کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۹۳۵ء کے نتائج کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ ماؤ ۱۹۳۳ء سے یہ کہتا آ رہا تھا کہ کسی بھی مسلح فوج سے اشتراک کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں اس نے خالی اشتراک کے ذکر کی بجائے چین میں کارفرما طاقتوں کا اور ان کے سیاسی رویّوں کا طبقاتی تجزیہ پیش کیا۔ یہ تجزیہ نسبتاً تصنّع آمیز تھا۔ نچلے طبقے اور قوم پرست بورژوازیوں کے علاوہ زمینداروں اور بدیسی تجارت کے منتظمین کے ایک حصّے کے متعلق بھی یہ رائے ظاہر کی گئی کہ یہ لوگ بھی جاپان دشمن متحدہ محاذ میں ساتھی بن سکتے ہیں۔ دلیل یہ دی گئی کہ ان گروہوں کے مفادات انگلستان اور امریکہ جیسے ملکوں سے وابستہ ہیں، جن کی جاپان سے دشمنی ہے۔ اس کے علاوہ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ ایک واحد قومی دفاعی حکومت قائم کی جائے جسے ان تمام گروہوں کی حمایت و تائید حاصل ہو۔

اسی کے ساتھ یہ جتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک رسمی طور پر قائم کی ہوئی مخلوط حکومت کی یہ تجویز کچھ اس قسم کی تھی کہ اس میں قوم پرستوں کے لئے مراعات بالکل واجبی سی تھیں۔ اس لئے کہ

یکم اگست والی اپیل کی طرح اس موقعہ پر بھی یہ بتایا گیا تھا کہ مختلف سیاسی پارٹیوں اور معاشرتی جماعتوں کے نمائندے سر جوڑ کر بیٹھیں، بات چیت کریں اور تب قومی دفاع کی حکومت کی تشکیل کی جائے۔ لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ اس گفت وشنید میں بڑھ چڑھ کر حصہ خود کمیونسٹ لیں گے اور یہ کہ اس نئے جاپان دشمن دورِ حکومت کا مرکز ومحور شمال کی موجودہ سوویت حکومت ہوگی۔ چیانگ اور کومنتانگ کے لئے قائدانہ کردار ادا کرنے کی گنجائش کہیں نہیں چھوڑی گئی تھی۔ یہ موقف کومنٹرن کی اُس وقت کی لائن کے عین مطابق تھا۔ ۱۹۳۵ء کے موسم گرما میں جو ساتویں کانفرنس ہوئی تھی جس میں یہی لائین منظور ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ نو آبادیوں اور نیم نو آبادیوں میں سامراج دشمن متحدہ محاذ قائم کئے جائیں لیکن اسی کے ساتھ اس امر پر بھی زور دیا گیا تھا کہ چین میں "سوویتوں کو انقلاب کا مرکز ومحور ہونا چاہیے، جن کے گرد پوری چینی قوم اکٹھی ہو کر آزادی کے لئے جدوجہد کرے"۔

ماؤ نے فروری ۱۹۳۶ء میں ایک نظم 'برف' کے عنوان سے لکھی تھی۔ یہ نظم ماؤ کے اس وقت کے خیالات کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔ ماؤ نے یوں تو دسمبر ۱۹۳۵ء میں ایک تقریر کی تھی جو اس کے اندازِ نظر کی ترجمان ہے۔ مگر اس تقریر کے مقابلہ میں وہ اندازِ نظر جو اس نظم سے ابھرتا ہے کہیں زیادہ دل نشین اور متوازن ہے۔ نظم یوں ہے:

شمال کی سرزمین، مناظر حسیں،
کہ کوس در کوس برف کی تہہ جمی ہوئی ہے۔
یہ برف کے بے پنہ بگولے، ہزارہا کوس میں ہر اک سمت دوڑتے ہیں
فصیل اعظم کے دونوں جانب حدِ نظر تک جدھر بھی دیکھو گے وسعتیں وسعتیں ملیں گی
عظیم دریا کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک آج سب گونجتے شور کرتے دھارے
سمٹ گئے، جم کے سو گئے ہیں۔

پہاڑ چاندی کے سانپوں کی طرح رقص کرتے ہیں،
موم کے ہاتھیوں کی مانند سرزمیں جھوم جھوم چلتی ہے،
جیسے رفعت میں یہ خداؤں سے آگے بڑھنے کی سعی میں ہوں۔

جو دھوپ نکلے تو دیکھنا غازہ حسن پہ کیا بہار لاتا ہے
جاگتے جادو کو نہ دیکھا تو دیکھ لو کیسے جاگتا ہے۔
زمین کے ان حسین مناظر نے کیسے کیسے دلوں کو جیتا
کہ ایک سے ایک سورما نے خراج تحسین ان کو بخشا
مگر یہ چن شی ہوانگ اور ہان ووتائی!
حیف ان پہ کہ ان میں تہذیب کی کمی تھی۔
یہ تانگ تائی سنگ!
یہ سنگ آئی سو!
حیف! ان میں، کوئی مذاق سخن نہیں تھا۔
عظیم چنگیز خان جس کو فلک نے اک آن کو نوازا
مگر اسے صرف یہ پتہ تھا۔
کہ لمبے چوڑے گدھوں پہ کیسے کمان کڑکائے۔
آج ان میں کوئی نہیں ہے۔
عظیم انسان ڈھونڈنے ہوں تو عصرِ حاضر سے لَو لگاؤ

اس نظم میں یہ جتایا گیا ہے کہ ماضی کے کارناموں کی ستائش ہی کافی نہیں، اس لئے کہ چینی تاریخ کے سب سے بڑے ہیرو ماضی میں نہیں تھے بلکہ آج کے انقلابی ہیں۔ لیکن یہاں ماضی کی عظمت کے گُن بھی خوب گائے گئے ہیں۔ سرزمین چین کے منظر کی شان و شوکت اور ان سورماؤں کے بہادرانہ کارنامے جنہوں نے دو ہزار برس سے زیادہ مدت تک اس ملک پر اختیار حاصل کرنے کے لئے معرکے برپا کئے، ان سب کا نقطۂ عروج عہدِ حاضر ہے۔ لیکن وہ خود اپنے طور پہ بھی تعریف کے مستحق ہیں۔

نظم میں چنگیز خان کی تلمیح خاص طور پہ قابلِ توجہ ہے۔ ماؤ کی تحریروں میں اس منگول فاتح

کا حوالہ یا تو اس نظم میں آیا ہے یا تقریباً اسی زمانے کی ایک اور تحریر میں آیا ہے۔ یہ دوسری تحریر اندرونی منگولیا کے عوام کے نام ایک اپیل ہے، جو دسمبر ۱۹۳۵ء میں جاری ہوئی تھی:

"ہمیں یقین ہے کہ ہماری اور اندرونی منگولیا کے لوگوں کی متحدہ جدوجہد کی بدولت ہی ہمارے مشترکہ دشمنوں یعنی جاپان کے سامراجیوں اور ان کے پالتو کتے چیانگ کائی شیک کا تختہ اُلٹا جا سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اندرونی منگولیا کے لوگ ہمارے ساتھ اشتراک کی صورت میں ہی چنگیز خان کے دور کی عظمت و شوکت کا تحفظ کر سکتے ہیں، قومی تجدید کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں، اپنی قوم کو مٹنے سے بچا سکتے ہیں اور ایسی آزادی و خود مختاری حاصل کر سکتے ہیں جس سے دوسری قومیں مثلاً ترکی، پولینڈ، یوکرین اور کاکیشیا مالا مال ہیں"

یہاں چیانگ کائی شیک کو سامراجیوں کا پالتو کتا کہا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ وہ عبوری دور تھا جس میں ماؤ۔ کومنتانگ سے اشتراک کی تجاویز پر غور تو کر رہا تھا، لیکن ابھی اپنے پرانے حریف سے بغل گیر ہونے کی ضرورت کا قائل نہیں ہوا تھا۔ اب اس نے کومنتانگ کو رجعت پسند کہہ کر لعنت ملامت کرنا تقریباً بند کر دیا تھا، اور اس پر ایک اور صرف ایک الزام لگایا تھا کہ کومنتانگ چینی قوم کے تحفظ و دفاع سے غفلت برت رہی ہے۔ ۱۹۳۶ء کے شروع کے چھ مہینوں میں چیانگ کے لئے ایک توہین آمیز جملہ بار بار اس کی زبان پر آتا تھا۔ وہ جملہ یہ تھا کہ "چیانگ قوم کا غدار ہے، ایسا غدار جو پورے ملک کو فروخت کر سکتا ہو"۔

چیانگ پر اس قسم کے اہانت آمیز حملے اس پالیسی کا منطقی نتیجہ تھے جو اس وقت اختیار کی گئی تھی۔ پالیسی یہ تھی کہ حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت کا مرکز و محور سوویت حکومت کو سمجھا جائے اور سب گروہوں اور جماعتوں کو اس کے گرد اکٹھا کیا جائے۔ اس سلسلے میں ماؤ نے مختلف سمتوں میں اور بہت دلچسپ قدم اٹھائے۔ اندرونی منگولیا والوں کے علاوہ اس نے مئی ۱۹۳۶ء میں شمال مغربی چین میں بسنے والی مسلمان اقلیت سے بھی ایک اپیل کی۔ اس اپیل میں اس نے ترکی کے مسلمانوں کی مثال پیش کی اور چینی مسلمانوں سے کہا کہ انھیں چاہیے کہ ترک مسلمانوں کی قومی نشاۃ ثانیہ کو نشانِ راہ جانیں۔ ملک کے اندر اس نے اتحاد کے لئے ایک اپیل کولاؤ ہوئی کے نام جاری کی جو ایک

مشہور خفیہ جماعت تھی جس سے اسے ہونان اور دوسرے علاقوں میں بہت مرتبہ سابقہ پڑا تھا۔ لیو چی تان، جس نے شنسی میں اڈا قائم کیا تھا، اسی جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اس جماعت کے لوگوں کو یہاں تک کہا کہ تمھارے نظریئے میں اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے نظریئے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں نظریے ہی امیروں کے مقابلہ میں غریبوں کی حمایت کرتے ہیں۔ اور غیر ملکی جابروں کے خلاف چین کے علمبردار ہیں۔

اس قسم کی اپیلیں بہت معنی خیز ہیں۔ ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کیا صورتِ حال تھی اور ماؤ کا ذہن کس طرح کام کر رہا تھا۔ لیکن سیاسی اعتبار سے مرکزی مسئلہ کومنتانگ اور اس کے رہنما چیانگ کائی شیک سے تعلقات کا تھا۔ شروع میں تو دونوں ایک دوسرے سے بہت متنفر تھے لیکن رفتہ رفتہ حالات نے دونوں کو ایسا مجبور کیا کہ انھیں اپنی اس نفرت کو دبانا پڑا۔ مئی ۱۹۳۶ء میں یہ حالت تھی کہ سرخ فوج پر ین شی سان کی فوج کے حملے ہو رہے تھے۔ اور چیانگ کی دو ڈویژنیں اس کی مدد کر رہی تھیں۔ یہ ڈویژنیں چن چنگ کی کمان میں تھیں۔ ساتھ ہی چانگ شیو لیانگ کی فوجیں بھی کمک پر تھیں۔ چانگ شو لیانگ ایک نوجوان سپہ سالار تھا جو جاپانیوں کے مقابلہ میں منچوریا سے پسپا ہو کر پہنچا تھا۔ بہرحال ان حالات کے پیشِ نظر کمیونسٹوں نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ براہِ راست نانکنگ کی قومی حکومت کی فوجی کونسل سے خطاب کیا جائے۔ ۵ مئی کو انہوں نے فوجی کونسل کے نام ایک تار بھیجا، اور جیسا کہ ماؤ نے بعد میں کہا "بس یہ سمجھ لیجیے کہ اس تار کے ساتھ ہی چیانگ کائی شیک کے خلاف نعرے بند ہو گئے۔" یوں تو ۵ مئی کے بعد بھی چیانگ کا تھوڑا بہت ذکر دشمنی کے رنگ میں ہوتا رہا، لیکن کمیونسٹ اخبارات میں نو سال سے اس کی جو توہین و تذلیل کی جا رہی تھی اس کا سلسلہ جلد ہی بند ہو گیا۔

۱۹۳۶ء کے موسم گرما میں جب ماؤ نے ایڈگر سنو کو طویل انٹرویو دیئے تھے، اس وقت اُس نے واضح طور پر اپنے پُرانے دشمن کے ساتھ اشتراکِ عمل پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔

"ایک نہ ایک دن فیصلہ ہو جانا لازمی ہے۔ کبھی نہ کبھی اُسے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آیا اسے جاپان سے مقابلہ کرنا ہے یا خود اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں اپنا تختہ الٹوانا ہے کیونکہ اس کی ماتحتی میں جو لوگ ہیں وہ ایسے نہیں کہ جاپان کی غلامی پر رضامند ہو جائیں۔ اس کے بہت سے جرنیلوں میں سخت

اضطراب پھیلا ہوا ہے اور وہ مزاحمتی لائحہ عمل کا مطالبہ کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔

جاپان دشمن عوامی تحریک روز بروز زور پکڑ رہی ہے اور خود چیانگ کے جرنیل اُس پر روز بروز دباؤ ڈالتے جا رہے ہیں۔ ممکن ہے اس روز افزوں دباؤ کے تحت چیانگ اپنی غلطیوں کو محسوس کرنے پر مجبور ہو جائے اور لوگوں کے مطالبات کو قبول کر لے۔ اگر وہ خانہ جنگی بند کر دے جاپان سے جنگ شروع کر دے، اور کومنتانگ اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے اتحاد و اشتراک کو دوبارہ قائم کرے تو ہم اس تبدیلی کا خیر مقدم کریں گے اور تہ دل سے تعاون کریں گے۔ لیکن یہ فیصلہ تو خود چیانگ کائی شیک کو اپنے لئے کرنا ہے۔ اب اس فیصلہ کو زیادہ دنوں تک ملتوی نہیں کیا جا سکتا"

پہلے تو چیانگ نے اس قسم کا کوئی میلان ظاہر نہیں کیا کہ وہ کمیونسٹوں سے اشتراکِ عمل کرے گا۔ لیکن اُس کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے ماؤ کی جاپان کے خلاف متحد ہونے کی اپیل کو کان دھر کر سنا، اور ان کے دلوں پر اُن کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ان لوگوں میں مخصوص طور پر قابل ذکر شخصیت چانگ شیولیانگ کی ہے۔ اس کا لشکر کمیونسٹوں کے ساتھ معرکوں میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کمیونسٹوں نے انھیں رہا کرنے سے قبل ان کے دل و دماغ میں اپنے خیالات یوں جاگزین کئے کہ اب یہ سپاہی اپنے دیس منچوریا کو یاد کرتے تھے اور اُداس ہوتے تھے۔ لہٰذا چانگ نے مختلف وسیلوں سے کمیونسٹوں سے رابطہ پیدا کیا۔ ان روابط کی بدولت اکتوبر تک یہ نوبت آگئی تھی کہ ماؤ یہ اعلان کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا کہ سُرخ فوج، چانگ شیولیانگ کی عوامی انقلابی فوج کے دستوں سے اُس وقت تک جنگ نہیں کرے گی جب تک اُن کی طرف سے حملہ نہ کیا جائے۔

ایک اخباری بیان میں اس اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے ماؤ نے یہ جتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی جاپان سے مقابلہ کی خاطر عوامی انقلابی فوج ہی سے نہیں بلکہ نانکنگ کی حکومت سے بھی اشتراک کے لئے تیار ہیں۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ "ہماری یہ انتہائی خواہش ہے کہ ہم نانکنگ کی حکومت سے اشتراکِ عمل کر لیں"

اس نئی صورتِ حال سے چیانگ کائی شیک بہت گھبرایا۔ وہ کمیونسٹوں کا مکمل صفایا کرنے کی خاطر اُن کے خلاف ایک نئی اور سخت تر مہم شروع کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس گھبراہٹ اور بے چینی

میں وہ بھاگا بھاگا چانگ شیوءلیانگ کے ہیڈ کوارٹر سیان جا پہنچا۔ لیکن اس کا وہاں پہنچنا تھا کہ چانگ شیوءلیانگ نے اسے گرفتار کر لیا اور قید میں ڈال دیا۔ چانگ شوءلیانگ نے اسے قید کر لینے کے بعد اس بات پر قائل کرنا شروع کیا کہ کمیونسٹوں کو ختم کرنے کے بعد جاپانیوں سے نبٹنے کی روش غلط ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے جاپانیوں کے خلاف کاروائی کی جائے۔ اس معروف "حادثہ سیان" کا جو نتیجہ ہوا وہ دنیا جانتی ہے کہ آخر میں فریقین میں سمجھوتہ ہو گیا۔ یہ سمجھوتہ بظاہر تو چیانگ کائی شیک ہی کے حق میں تھا، لیکن اصل میں اس کی وجہ سے اسے بہت سی مراعات دینی پڑیں۔ ظاہری صورت تو یہ تھی کہ چانگ شیوءلیانگ نے اقرار کیا کہ وہ قطعی طور پر غلطی پر تھا اور بڑی عاجزی کے ساتھ چیانگ سے درخواست کی کہ وہ جو سزا چاہے، اُسے دے لے۔ (اس درخواست کو اس جنرل نے ہنسی خوشی منظور کیا۔ چنانچہ اب اس واقعہ کو تیس برس ہونے کو آئے مگر چانگ شیوءلیانگ ہنوز تائیوان میں اپنی سکونت گاہ میں نظر بند ہے۔) لیکن اسی کے ساتھ چیانگ نے کم از کم نظری اعتبار سے اور اپنی مرضی سے اپنے پہلے رویّے میں ترمیم کی اور یہ کوشش کی کہ جلد از جلد کمیونسٹوں سے اور دوسرے محب وطن گروہوں سے جو جاپان کے خلاف تھے، اتحاد و اشتراک کر لیا جائے۔

اس بحران میں کمیونسٹوں نے اور بالخصوص ماؤزے تنگ نے جو کردار ادا کیا وہ ایک بہت اختلافی موضوع ہے۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ ماسکو سے زیادہ ماؤ اور اس کے ساتھیوں کو چیانگ سے اشتراک کے بارے میں پس و پیش تھا۔ سٹالن کے خیال کے مطابق چین میں اگر کوئی شخص قومی رہنما بن سکتا تھا تو وہ چیانگ کائی شیک تھا۔ اس لئے اس کی کوشش یہ تھی کہ چیانگ کی سربراہی میں چین میں کوئی سیاسی یک جہتی کی صورت پیدا ہو جائے۔ لہٰذا جب روس میں سیان کے فوجی انقلاب کی اطلاع موصول ہوئی تو وہاں کے اخباروں نے بلا تاخیر اسے جاپان کی سازش قرار دیا اور اس کی خوب مذمّت کی۔ ادھر چانگ شیوءلیانگ نے چینی کمیونسٹوں کو بھی اس بحث میں شامل کر لیا کہ چیانگ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ یہ لوگ سخت مشکل میں تھے۔ اپنے پرانے دشمن سے حساب چکانے کا خدا خدا کر کے جو موقعہ آیا تھا، وہ اسے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ اور ایڈگر سنو نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ماؤزے تنگ اس پر تلا ہوا تھا کہ چیانگ کو ہر صورت پھانسی پر چڑھا دینا چاہیئے۔

لیکن آخر کار ماؤ اور اس کے رفیقوں کو یہ احساس ہو گیا کہ ابھی وہ اتنے مضبوط نہیں ہیں کہ ایک مخلوط حکومت بنانے کے لئے خود کوئی قدم اٹھا سکیں۔ پس اگر چیانگ کو پھانسی دے دی گئی تو نانکنگ میں بیٹھے ہوئے وہ رہنما جو چیانگ سے بھی زیادہ رجعت پسند ہیں زور پکڑ جائیں گے چیانگ بُرا آدمی سہی مگر دوسروں کے مقابلہ میں کم بُرا تھا۔

بہر صورت ماؤ نے اس وقت ایک بیان میں جو وضاحت کی تھی وہ تو یہی تھی۔

"اس واقعہ میں کمیونسٹ پارٹی کا شروع ہی سے یہ موقف رہا کہ امن اور سکون سے کوئی تصفیہ کر دیا جائے۔ اس کوشش میں اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس کے پیشِ نظر اس وقت محض قومی بقا کا مسئلہ تھا۔ اگر خانہ جنگی پھیل جاتی اور چانگ اور یانگ کہیں چیانگ کائی شیک کو زیادہ عرصے تک نظر بند رکھتے تو حالات جاپانی سامراجیوں کے لئے اور چینی تعزیری گروہ کے لئے زیادہ سازگار ثابت ہوتے۔"

۱۹۳۷ء کے پہلے چھ مہینوں میں بڑی سرگرمی سے کومنتانگ اور کمیونسٹوں کے درمیان معاہدہ کروانے کی خاطر کوششیں کی گئیں۔ ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء کو چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے کومنتانگ کی مرکزی مجلسِ عاملہ کے تیسرے ابتدائی اجلاس کے نام ایک "تار" بھیجا۔ اس تار میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ سمجھوتہ کن بنیادوں پر ہو سکتا ہے۔ کمیونسٹوں نے اپنی طرف سے چار مراعات کی پیشکش کی وہ یہ تھیں۔

۱۔ قومی حکومت کا تختہ الٹنے کی غرض سے جو مسلح بغاوت کی پالیسی اختیار کی گئی ہے اسے ترک کر دیا جائے گا۔

۲۔ شنسی میں سوویت حکومت کی دوبارہ تنظیم کی جائے گی اور اسے جمہوریہ چین کے ایک خصوصی علاقے کی حکومت قرار دیا جائے گا۔ سرخ فوج کو نانکنگ حکومت اور اس کی فوجی کونسل کی زیر ہدایت قومی فوج کا ایک حصہ قرار دیا جائے گا۔

۳۔ "خصوصی علاقے" میں عام حق رائے دہندگی کی بنیاد پر جمہوری طرزِ حکومت رائج کیا جائیگا۔

۴۔ زمینداروں کی زمینوں کی ضبطی روک دی جائے گی۔

یہ مراعات اس شرط کے ساتھ پیش کی گئی تھیں کہ کومنتانگ مجوزہ پانچ نکات پر مشتمل قومی

پالیسی اختیار کرے۔ یہ نکات اسی تار میں بیان کر دیئے گئے تھے وہ یہ تھے :۔

۱۔ خانہ جنگی ختم کی جائے۔

۲۔ سب سیاسی قیدی رہا کئے جائیں اور جمہوری آزادیاں بحال کی جائیں۔

۳۔ تمام جماعتوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس ہو اور اس میں ملک کے بچاؤ کی تدبیریں سوچی جائیں۔

۴۔ جاپان کے مقابلہ کے لئے تیزی سے تیاریاں کی جائیں۔

۵۔ لوگوں کے رہن سہن کو بہتر بنایا جائے۔

اسی عرصے میں مارکو پولو پل کا واقعہ ظہور پذیر ہوا اور جاپان نے چین پر بھرپور چڑھائی کر دی جس کے دو ماہ بعد یعنی ۲۲ ستمبر ۱۹۳۷ء کو کومنتانگ اور کمیونسٹوں کے درمیان تقریباً انھیں شرائط پر، جو کمیونسٹوں نے فروری میں پیش کی تھیں، سمجھوتہ ہو گیا۔ البتہ ان میں ایک پیراگراف کا اور اضافہ کیا گیا، جس میں کمیونسٹوں سے سن یات سین کے 'تین عوامی اصولوں' کے لئے کام کرنے کا عہد لیا گیا۔ ایک طرح سے یہ خیال بھی کمیونسٹوں ہی کا سجھایا ہوا تھا کہ چین اس وقت جس مرحلہ سے گذر رہا ہے اس میں یہ اصول ایک موزوں پروگرام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کمیونسٹوں نے ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء کو ایک مکتوب کومنتانگ کے نام ارسال کیا جس میں کومنتانگ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ "ڈاکٹر سن کے تین عوامی انقلابی اصولوں کی روح کی تجدید کی جائے' اور اُن تین عظیم پالیسیوں — یعنی روس کے ساتھ اشتراک عمل، کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ تعاون، اور مزدوروں اور کسانوں کی امداد کا اعادہ کیا جائے۔"

گویا اب کمیونسٹ قوم پرستوں سے خود ان کے اصولوں کے نام پر اپیل کر رہے تھے۔ اس سے یہ قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ کہیں چینی کمیونسٹوں نے اپنے افکار کو تو خیرباد نہیں کہہ دیا اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ اب سچے کمیونسٹ نہیں رہے۔ اس قسم کے گمان رفتہ رفتہ اچھے خاصے پھیل گئے (اگرچہ اتنے نہیں پھیلے تھے جتنا بعد میں ظاہر کیا گیا) مگر ان گمانوں کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اس لئے کہ ماؤ نے خود شروع ہی سے اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ صورت حال واضح اور روشن رہے۔ اگنیز سمیڈلے نامی ایک امریکی صحافی جنوری ۱۹۳۷ء میں ینان آئی تھی۔ ماؤ نے یکم مارچ

۱۹۳۶ء کو اسے ایک انٹرویو دیتے ہوئے بڑی تفصیل سے انھیں سوالات سے بحث کی کہ آیا کمیونسٹوں نے کومنتانگ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور یہ بھی کہ قلیل المیعاد اور طویل المیعاد مقاصد میں کیا تعلق ہے۔

اس انٹرویو کے دوران سمیڈے نے ماؤ سے بے تامل یہ سوال کر ڈالا کہ کیا متحدہ محاذ کی پالیسی کا مطلب یہ ہے کہ چینی کمیونسٹوں نے طبقاتی جدوجہد کو تیاگ دیا ہے اور سیدھے سادھے قوم پرست بن گئے ہیں؟ اس کا ماؤ نے جواب دیا:

"کمیونسٹوں کا نقطۂ نظر ایسا نہیں ہے کہ کسی خاص وقت میں کسی خاص طبقہ کے مفادات کے تابع رہے۔ اس کے برعکس کمیونسٹ بڑے پُرجوش طریقہ پر چینی قوم کی تقدیر سے غرض رکھتے ہیں اس سے بھی زیادہ وہ اس بات سے غرض رکھتے ہیں کہ صرف آج کے زمانے میں نہیں بلکہ آنے والے تمام زمانوں میں چین کی تقدیر کیا ہوگی ..... چینی کمیونسٹ بین الاقوامیت پرست ہیں۔ وہ عالمی کمیونسٹ تحریک کے حامی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ محبّ وطن بھی ہیں جو اپنے وطن کی حفاظت کرتے ہیں ..... بین الاقوامیت پرستی اور حُبّ الوطنی کسی صورت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ اس لئے کہ چین آزاد اور خودمختار ہو کر ہی عالمی کمیونسٹ تحریک میں حصّہ لے سکتا ہے۔"

دوسرے لفظوں میں، اصل منتہا چین میں بھی اور باقی دنیا میں بھی، اشتراکیت ہی تھا لیکن معاشرتی انقلاب تب ہی پروان چڑھایا جا سکتا تھا، جب قوم خود تباہی کے گڑھے سے بچ نکلے۔ آخر میں ماؤ نے یہ بات بھی یاد دلائی کہ وہ خود اور اس کے بہت سے ساتھی ۱۹۲۵-۲۷ء میں کومنتانگ میں رہ کر اور اس کی فوج میں شامل ہو کر کام کر چکے تھے۔ اُن کے لئے کام کرنے کی گنجائش اس لئے تھی کہ وہ تین عوامی اصولوں پر ایمان رکھتے تھے اور آج بھی یہ اصول چین کے تقاضوں کے عین مطابق تھے۔

کومنتانگ سے اشتراکِ عمل کی اس نئی پالیسی سے خود کمیونسٹ پارٹی کے بہت سے اراکین میں پریشانی پھیل گئی تھی۔ مئی ۱۹۳۷ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی ایک قومی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اس پالیسی پر بحث ہوئی۔ اس موقع پر ماؤ نے اپنی رپورٹ میں ایک مرتبہ پھر اس بات پر زور دیا کہ کمیونسٹ پارٹی کا پروگرام بے شک تین عوامی اصولوں کے مقابلہ میں زیادہ انقلابی ہے۔

لیکن موجودہ حالات میں ان دونوں پروگراموں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ قومی خود مختاری، جمہوریت اور آزادی، اور عوام کا رہن سہن اور آسودہ حالی، یہ تین بڑے مقاصد ہیں، جن کے لئے مشترکہ جدوجہد ہوسکتی ہے اور اس بنیاد پر کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے درمیان اشتراکِ عمل ہوسکتا ہے۔

بورژوا قوم پرستوں سے اشتراکِ عمل کی پالیسی اور معاشرتی انقلاب کا کچھ عرصے کے لئے قومی انقلاب کے مقابلے میں ثانوی حیثیت اختیار کرلینا، اگرچہ یہ دونوں امور لینن کے نظریئے اور سٹالن کے عمل کے عین مطابق تھے، تاہم ماؤ کے اور روسی رہنماؤں کے اس مسئلہ کے بارے میں اندازِ نظر میں مکمل اختلاف موجود رہا۔ ماؤ کی نظر میں تمام چینیوں کا ملکی بقا کی خاطر متحد ہونا محض ایک عقلمندانہ چال نہیں تھی۔ اُس کے لئے یہ اتحاد بنفسہٖ ایک سماجی قدر کا مرتبہ رکھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ماؤ نے کتنے جوش و خروش سے اس پالیسی کو جامۂ عمل پہنانے کی کوشش کی۔ اُس نے نہ صرف کومنتانگ کے مستقبل کو بہت درخشاں ٹھہرایا اور چیانگ کائی شیک کو "عظیم رہنما" قرار دے کر اس کی بہت تعریف و توصیف کی، بلکہ جب چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا چھٹا جلسہ ہوا تو اس نے اپنی رپورٹ میں اس اشتراک کی تنظیمی صورتوں پر بھی بڑی وضاحت اور سرگرمی سے بحث کی اور ۲۷-۱۹۲۴ء میں جو "داخلی بلاک" کا تصور موجود تھا اس کا اعادہ کیا۔ چیانگ نے ۱۹۲۶ء میں کومنتانگ میں موجود کمیونسٹوں کے عمل دخل پر دو پابندیاں عائد کی تھیں۔ ایک یہ کہ کمیونسٹ پارٹی کے جو ارکان کومنتانگ میں شامل ہوں ان کی پوری فہرست چیانگ کے حوالے کی جائے۔ دوسری یہ کہ کومنتانگ کے کسی رکن کو کمیونسٹ پارٹی میں بھرتی نہ کیا جائے۔ ماؤ نے اس جلسے میں اسی قسم کی دو پابندیاں بھی پیشگی قبول کرلیں۔

جب یہ تجاویز چیانگ کائی شیک تک پہنچیں تو قدرتی طور پر اس کے کان کھڑے ہوئے۔ اسے یہ شک ہوا کہ یہ محض کومنتانگ میں بڑے پیمانے پر گھس آنے کی خاطر ایک چال ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ۲۷-۱۹۲۴ء میں یہ چال کھیلی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ماؤ کے اس وقت کے قول و عمل سے بلکہ اکتوبر ۱۹۳۸ء والی رپورٹ کے ایک پیراگراف تک سے یہی پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے خود مختارانہ اقتدار کی اصل بنیاد کو کسی قیمت پر قربان کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نظر آتا تھا کہ پہلے متحدہ محاذ کی طرح اس دوسرے متحدہ محاذ

کے موقعہ پر بھی ماؤ اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ پُرامید تھا۔ اسے کومنتانگ کے ساتھ اس طویل اشتراک (مگر غیر معیّن نہیں) سے بہت سی توقعات تھیں۔

صورتِ حال کا یہ تضاد ملاحظہ فرمائیے کہ ماؤ نے کتنے خلوص کے ساتھ (یاکم ازکم کسی حد تک خلوص کے ساتھ) چیانگ کائی شیک سے اشتراک کی تجویز پیش کی۔ مگر اسی خلوص کی بنا پر وہ چیانگ کا زیادہ خطرناک حریف سمجھا گیا۔ یہ صورتِ حال اس سے پیدا ہوئی کہ ماؤ کو چین کے انجام کی بہت فکر تھی، اور اسی بنا پر اُن کسان عوام کی نظروں میں، جو اب پورے طور پر بیدار ہو چکے تھے، رہنما کی حیثیت سے اس کا مرتبہ اور بلند ہو گیا۔ آخر کار انھیں کسان عوام نے وہ رو اٹھی جس نے اسے مسندِ اقتدار پر بٹھا دیا۔ یہ رو جتنی معاشرتی انقلاب کی تھی اتنی ہی قوم پرستی کی بھی تھی۔ جن محققوں نے ماؤ کے حصولِ اقتدار کے سوال پر غور و فکر کیا ہے، ان میں سے بیشتر کی رائے ایک عرصے سے یہ چلی آتی ہے کہ ماؤ کے حصولِ اقتدار اور کامیابی میں بڑا دخل اس کے چینی عوام کے اُس قومی جذبے کو ابھار لینے کا ہے جو جاپانی حملہ کے موقعہ پر پیدا ہو گیا تھا۔ اس معاملہ میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں جاپانی فوج کے کاغذات سے بہت سے شواہد فراہم کیے گئے ہیں اور یوں اس تاثر کو ایک مستحکم تاریخی شہادت کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے۔

چینی کمیونسٹ پارٹی رفتہ رفتہ جاپان کے خلاف پورے ملک کی مزاحمت کی علامت بن گئی۔ اس کو یہ حیثیت دلانے میں فیصلہ کن کردار چھاپہ ماراڑوں نے ادا کیا۔ یہاں یہ یاد دلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لانگ مارچ (طویل سفر) کی توضیح اور توجیہہ بڑی حد تک یوں کی گئی تھی کہ شمال کی سمت یہ کوچ جاپان سے جنگ کرنے کی خاطر کیا گیا تھا۔ جنوری اور فروری ۱۹۳۶ء میں ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے واقعی 'جاپان کے خلاف مہم' کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ سُرخ فوج کا ایک بہت بڑا لشکر ماؤ، لیوچی تان اور شوہائی تنگ کی کمان میں روانہ ہوا۔ اس نے دریائے زرد کو عبور کیا۔ صوبہ شانسی میں ین شی سان سے معمولی سے مقابلہ کے بعد اس لشکر نے اٹھارہ تحصیلوں پر قبضہ کر لیا۔ اس موقعہ پر خود چیانگ کی فوج میدان میں کود پڑی اور اس نے سرخ فوج کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ مئی ۱۹۳۶ء تک اس لشکر کا بیشتر حصہ پسپا ہو کر پھر دریا کے اس طرف آ گیا۔ لیوچی تان سخت زخمی ہوا اور زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ تب کمیونسٹوں نے نانکنگ سے مل کر وہ متحدہ محاذ بنانے

کی ٹھانی، جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ آخر ۲۲ر ستمبر ۱۹۳۷ء کو دونوں میں معاہدہ ہو گیا۔ معاہدے کے جس پیراگراف میں فوجی امور کے تصفیہ کا تذکرہ ہے، وہ من وعن درج ہے۔ "سرخ فوج کا نام اور لقب ترک کر دیا جائے گا۔ اور قومی انقلابی فوج کی حیثیت سے اس کی دوبارہ تنظیم ہو گی۔ یہ فوج قومی حکومت کی فوجی کونسل کے احکامات کے تابع ہو گی اور ان احکامات کے مطابق کوچ کرے گی اور جاپان کے خلاف محاذ پر مورچے سنبھالے گی۔"

اس معاہدے کے مطابق ینان علاقے کی فوج نے جو اب سرخ فوج کی بجائے آٹھویں پیدل فوج تھی، ستمبر ۱۹۳۷ء میں ایک مرتبہ پھر دریائے زرد کو عبور کیا اور فوراً جاپانیوں سے جنگ شروع کر دی۔ اس طرح بالآخر چیانگ کائی شیک کی دشمنی کو جواز بنا کر وہ وہ کچھ کر گزرے جس کے لئے وہ ۱۹۳۴ء سے کمر باندھ رہے تھے۔

لیکن کمیونسٹ افواج کی جاپانیوں سے جنگ باقاعدہ صف آرائی کی نہیں تھی۔ آگے چل کر قوم پرستوں سے بھی انہوں نے جتنی بار مقابلہ کیا، اور اپنی حیثیت کو مستحکم کیا، اس میں انہوں نے باقاعدہ صف آرائی نہیں کی۔ اس لئے کہ آٹھویں فوج جس پر نانکنگ حکومت کی طرف سے یہ پابندی لگائی گئی تھی کہ اس میں پینتالیس ہزار سے زیادہ سپاہی نہ ہوں کسی صورت میں بھی جاپان کی زور آور فوجوں سے براہِ راست ٹکر نہیں لے سکتی تھی۔ پس انہوں نے دشمن کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کے لئے چھاپہ ماری کا طریق اختیار کیا، جس سے لڑنے کی انہیں بہت مشق تھی۔ پھر یہ طریقِ جنگ ان کے نظریئے کے بھی مطابق تھا۔ اُدھر جاپانیوں کے لئے اتنے وسیع وعریض دیہاتی علاقہ پر قبضہ کرنا بھی بہت مشکل تھا۔ جن راستوں پر ان کی فوجیں بڑھ رہی تھیں اور ان کا رسل ورسائل کا سلسلہ قائم تھا، وہاں تو ان کا قبضہ تھا، لیکن باقی علاقہ پر قبضہ کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ اس سے بھی آٹھویں فوج کو اپنی چھاپہ مار جنگ میں بہت کامیابی ہوئی۔ مزید یہ کہ قومی حکومت کے لئے اس قسم کی فوجی سرگرمی کی نگرانی بہت مشکل تھی۔ کمیونسٹوں کی نگرانی میں جنگ کرنے والی اس فوج کو جب ایک ہزار یا دو ہزار سپاہیوں کے دستوں میں بانٹ دیا گیا تو اس وقت ان پر نظر رکھنا اور بھی ناممکن تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۵ء تک یہ فوج بڑھ کر دس گنی ہو گئی۔ یعنی اس کی تعداد پچاس ہزار سے پانچ لاکھ تک پہنچ گئی اور نانکنگ حکومت کو اس کا پتہ ہی نہ چلا۔

کمیونسٹ فوجوں میں دو طریقوں سے توسیع ہو رہی تھی۔ ایک تو براہِ راست سپاہی بھرتی کئے جا رہے تھے دوسری صورت ایک اور تھی۔ جاپان نے جب چین پہ حملہ کیا اور آبادی سے ناروا سلوک کیا تو عام لوگوں میں اس کا ردِّ عمل یہ ہُوا کہ لوگوں نے اپنی حفاظت کی خاطر خود ہی دستے تیار کر لئے اور یوں جاپان کی مخالفت میں مختلف چھاپہ مار گروہ پیدا ہو گئے۔ کمیونسٹوں نے پہلے ان گروہوں کی حمایت و امداد کی، ان کی از سرِ نو تشکیل کی اور بالآخر انھیں اپنی فوج میں ضم کر لیا۔ یہ تو فوجی توسیع کی صورت تھی۔ سیاسی صورت احوال یہ تھی کہ کمیونسٹوں نے 'تین تہائیوں' کے طریقہ کو رواج دیا۔ یعنی چھاپہ ماروں کے علاقوں میں مقامی حکومت تین گروہوں پہ مشتمل ہوتی تھی۔ ایک تہائی کمیونسٹ، ایک تہائی دوسری جماعتوں کے نمائندے اور باقی ایک تہائی غیر جانبدار لوگ ہوتے تھے اگر جمہوریت سے مراد یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہو تو ان معنوں میں یہ حکومت جمہوری نہیں تھی۔ ان حالات میں جمہوری حکومت قائم کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ بہرحال مجموعی طور پہ یہ حکومت دیانتدار لوگوں پہ مشتمل تھی، اور ان علاقوں کی آبادی اس کی عزّت و احترام کرتی تھی۔ جاپانیوں کو اس انکشاف سے بہت دُکھ پہنچا تھا۔ سب طبقوں سے جاپان کے خلاف متحد ہونے کی جو اپیل کی گئی تھی۔ اس کے پسِ پشت نئی اعتدال پسندانہ اقتصادی پالیسی تھی، جو ۱۹۳۷ء کی ضبطی کی پالیسی سے مختلف تھی، اور جس کے تحت محصول کم کر دیا گیا تھا اور زمینوں کی ضبطی روا نہیں رکھی گئی تھی، زمینداروں کو محصول کم ملتا تھا، لیکن اب انھیں اتنا اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ تھوڑا محصول انھیں مل ضرور جائے گا کیونکہ نہاں حکومت اور اس کی طرف سے جاری ہونے والے دوسرے ادارے زمینوں کے اس حق کے ضامن تھے۔ ادھر کسانوں کو بھی آرام ہو گیا تھا۔ یہ کچھ کم منافع بخش بات نہیں تھی۔ اس لئے کہ اب تک تو یہ صورت تھی کہ کسانوں کی آدھی آدھی فصل محصول میں نکل جاتی تھی۔ 'سوویت' کی مروجہ اصطلاح ترک کر دی گئی اور شمال مغرب کے علاقائی اڈے کا نام بدل کر 'سرحدی علاقہ' رکھ دیا گیا۔

آٹھویں پیدل فوج نے شمال میں جو چالیں استعمال کی تھیں۔ بالکل ویسی ہی چالوں سے نئی چوتھی فوج وسطی چین میں لڑ رہی تھی۔ واضح رہے کہ چوتھی فوج اُن چھاپہ ماروں پہ مشتمل تھی جو 'طویل سفر' کے بعد سے اپنے اپنے اڈوں میں موجود تھے۔ اس فوج کی کمان سنبھالنے کے لئے نانکنگ بغاوت کے رہنما یے تِنگ کو ہانگ کانگ سے، جہاں وہ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا،

بلایا گیا۔ (چونکہ اس دوران میں اس کی کمیونسٹ پارٹی کی رکنیت ختم ہوگئی تھی، اس لئے اِسے مختلف دوسرے کمیونسٹ جرنیلوں کے مقابلہ میں کم خطرناک سمجھا گیا) یے ِٹنگ کا نائب شیانگ ینگ تھا جو کیانگسی کے زمانے میں (چانگ کو تاؤ کے ساتھ) چینی سوویت جمہوریہ کے نائب چیرمینوں میں سے ایک تھا۔ مگر شاید یے ٹنگ کے ماتحتوں میں سے سب سے لائق شخص چن ژی تھا، جو اب چین کا وزیرِ خارجہ ہے ۱۹۳۸ء کے موسم بہار تک اس فوج کی از سرِ نو تنظیم مکمل ہو چکی تھی اور یہ فوج، فوجی اور سیاسی دونوں اعتبارات سے آٹھویں فوج کے نقشِ قدم پر چل رہی تھی۔ فوجی اعتبار سے اس نے جاپانی فوج کی رسل و رسائل کی لائین پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے، اور سیاسی اعتبار سے اس نے علاقہ کی آبادی میں اثر و رسوخ پیدا کرنا شروع کیا۔

ماؤ کے جاپان دشمن جذبات میں خلوص کی جھلک اور حملہ آوروں کے خلاف کمیونسٹوں کی کامیاب چھاپہ مار جنگ، ان دونوں باتوں نے لوگوں پر بہت اثر کیا۔ ساحلی شہروں سے طلبا اور دوسرے دانشور جوق در جوق چلے اور ینان پہنچے۔ یہاں دیکھتے دیکھتے خوب گھما گھمی ہوگئی۔ اور ینان کا شمار چین کے سب سے سرگرم مرکزوں میں ہونے لگا۔ جاپان کے خلاف جدوجہد میں آخر طلبا بھی شریک ہوگئے۔ اس کا آغاز پیکنگ میں ایک مظاہرے سے ہوا ۹ دسمبر ۱۹۳۵ء کو طلبا نے ایک ہنگامہ خیز جلوس نکالا جس میں کئی ہزار طلبا شامل تھے۔ ان کا نعرہ تھا "جاپان سے مقابلہ کرو اور ملک کو بچاؤ"۔ دیکھتے دیکھتے ان مظاہروں نے زور پکڑا۔ چین کے دوسرے علاقوں میں بھی یہ آگ پھیل گئی۔ طلبا اور اساتذہ ہی نہیں بلکہ آبادی کے دوسرے گروہ بھی مظاہرین کے ہمدرد اور ہمنوا بن گئے۔ ان مظاہروں پر شروع ہی سے کمیونسٹوں کا بہت اثر تھا۔ کومنتانگ کے قائدین نے ان مظاہروں کو پسند نہیں کیا۔ ان کی ناپسندیدگی قدرتی تھی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ کومنتانگ کو عوامی تحریکیں ویسے ہی پسند نہ تھیں اور دوسرے اس لئے بھی کہ ان مظاہروں کے پسِ پشت جو جذبہ کارفرما تھا وہ جاپانیوں سے کھلم کھلا تصادم سے احتراز کرنے کی سرکاری پالیسی کے لئے خطرہ بن گیا تھا۔ پس زیادہ سے زیادہ تعداد میں طلبا نے شنسی کے سرخ اڈے کا رُخ کیا جہاں کا ماحول ان کے لئے دوستانہ اور سازگار تھا۔

ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے جلد ہی ان نو واردان کے قیام کی خاطر انتظامات شروع

کر دیئے۔ فروری ۱۹۳۶ء یعنی لانگ مارچ (طویل سفر) کے اختتام کے چند ماہ بعد ماؤ اور اُس کے ساتھیو این لائی اور پنگ تے ہوائی کے دستخطوں سے ایک اعلان جاری ہوا کہ "شمال مغربی جاپان دشمن سرخ فوج کی یونیورسٹی" قائم ہوگئی ہے جو یکم اپریل سے اپنا کام شروع کرے گی۔ اس یونیورسٹی کے مقصد کی وضاحت یوں کی گئی کہ اس میں جوانوں کو فوجی تربیت دی جائے گی تاکہ جاپان کے خلاف قومی انقلاب کی جنگ برپا کی جائے اور چینی قوم کو جاپانی سامراجیوں اور غدارِ اعظم چیانگ کائی شیک کی کارستانیوں سے جو تباہی کا خطرہ تھا، اُس سے بچایا جائے۔ اس پروگرام کے تحت چار سیکشن قائم کئے گئے۔ ایک سیکشن، افسران کی تربیت کے لئے مخصوص کیا گیا۔ یہاں ایک ہزار طلبا زیرِ تربیت تھے۔ دوسرے سیکشن میں سیاسی کارکنوں کی تربیت کا پروگرام تھا۔ اس میں بارہ سو طلبا زیرِ تربیت تھے۔ تیسرے سیکشن میں چھاپہ مار رہنماؤں کی تربیت کا پروگرام تھا۔ یہاں تین سو طلبا زیرِ تربیت تھے، چوتھے سیکشن کی غرض یہ تھی کہ گھڑ سوار، توپخانہ اور انجینئر ماہرین تربیت کئے جائیں۔ اس سیکشن میں دو سو طلبا کی تربیت کا پروگرام تھا۔ پہلے تین سیکشنوں میں چھ ماہ کا اور چوتھے سیکشن میں ایک سال کا کورس تھا۔ اعلان کیا گیا کہ کوئی بھی طالب علم جو جاپان کے خلاف لڑنے کا عزم رکھتا ہے قطع نظر اس بات کے کہ اس کا سیاسی ماضی کیا ہے، وہ کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور اُس کی جنس کیا ہے، اس یونیورسٹی میں داخل ہو سکتا ہے۔ داخلے کے لئے طالب علموں کی کم سے کم تعلیمی استعداد یہ ہونی چاہیے کہ اُن کے پاس اعلیٰ پرائمری سکول کا ڈپلوما یا اس کے برابر کی کوئی سند ہو۔ مڈل سکول اور یونیورسٹی کے طلبا کو داخلے میں فوقیت دی جائے گی۔

ایڈگر سنو جب ۱۹۳۶ء کے موسم گرما میں سوویت علاقے میں گیا تو اُس وقت تک یہ یونیورسٹی قائم ہو چکی تھی اور تربیت کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ جب ۱۹۳۷ء میں کمیونسٹوں کا کومنتانگ سے باضابطہ معاہدہ ہو گیا اور جاپان کے خلاف جنگ شروع ہو گئی تو ان طلبا کے لئے ینان پہنچنا آسان ہو گیا۔ پھر ینان جانے کے لئے ان دنوں تحریک بھی زیادہ ہوتی تھی۔ اس وجہ سے بڑے پیمانے پر یہ ہجرت ہو رہی تھی۔ تربیت یافتہ طلبا کثیر تعداد میں چل کر عقبی علاقے میں پہنچے۔ اس طور ماؤ اور اس کے ساتھیوں کو بہت سے نہایت عمدہ رضاکار میسر آ گئے۔ ان میں سے کئی آج بھی حکومت اور پارٹی میں شامل ہیں۔

سرحدی علاقے کی حکومت میں کمشنر تعلیم شو تے لائی تھا جو چانگشا میں ماؤ کا استاد رہ چکا تھا۔ شُو مختلف عمروں کے اور مختلف ماحول میں پلے ہوئے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے مسائل میں غیر معمولی اہلیت رکھتا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں جب اس کی عمر چالیس کے اوپر ہو چکی تھی وہ پیرس گیا تھا جہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ نوکری بھی کرتا رہا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں وہ ماسکو کی سُن یات سن یونیورسٹی میں داخل ہُوا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ چین واپس آیا۔ یہاں ۱۹۳۵ء میں جب کومنتانگ والوں نے چُو کو پھانسی دے دی تو اس کی جگہ شو تے لائی کو کیانگسی کی سوویت حکومت میں چیو چیو پائی کی ماتحتی میں نائب کمشنر تعلیم بنا دیا گیا۔

طالب علموں، دانشوروں اور فنکاروں کی ینان کی طرف ہجرت، ماؤ کی زندگی کے ایک اہم موڑ کی نشان دہی بھی کرتی ہے۔

۱۹۲۸ء میں جب ماؤ پینتیس کے سن میں تھا تو وہ ایک اٹھارہ سالہ لڑکی ہوزوچن کے ساتھ رہنے لگا۔ جو باقاعدہ اور رسمی طور پر ۱۹۳۰ء میں، یعنی جب چانگشا میں یانگ کائی ہوئی کو پھانسی دی جا چکی تھی، اُس کی بیوی بنی۔ اس کے بعد کے نو برسوں میں اس کے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ ایک بچہ 'لانگ مارچ' کے سفر میں پیدا ہوا۔ لانگ مارچ میں جو چند ایک عورتیں شامل تھیں ان میں سے ایک یہ خاتون بھی تھی۔ اور حاملہ ہونے کے باوجود اس مہم میں شامل رہی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں اسے علاج معالجہ کے لئے سوویت یونین بھیج دیا گیا۔ ادھر وہ سوویت یونین میں تھی، اِدھر ینان میں شنگھائی کی ایک نامی گرامی فلمی اداکارہ لان پنگ نے آکر تھیٹر میں کام کرنا شروع کر دیا۔ ایسے لگتا ہے کہ ماؤ کو لان سے پہلی نظر میں عشق ہو گیا تھا۔ اس نے ہوزوچن کو طلاق دے دی اور اس پُرکشش اور دلفریب خاتون سے بیاہ رچا لیا۔ اس کے ساتھ ماؤ کی اب تک ہنسی خوشی گزر رہی ہے۔

لان پنگ سے شادی کر کے اس نے اپنے لئے تسکین کا سامان ضرور پیدا کر لیا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے زمانۂ جوانی کی رفیقہ یانگ کیائی ہوئی کو بھول گیا تھا۔ ۱۹۳۷ء کی گرمیوں میں یعنی لان پنگ کی ملاقات سے ذرا پہلے اس نے ایک مرتبہ اگنیز سمیڈلے سے پوچھا کہ تم نے کسی مرد سے کبھی محبت کی ہے؟ یہ محبت کیوں ہوئی اور تمھارے لئے کیا معنی رکھتی ہے؟

ایک اور موقعہ پر اس نے اسے ایک نظم سنائی جو اس نے اپنی بیوی کی یاد میں لکھی تھی۔ ماؤ کی لکھی ہوئی بہت سی نظمیں ایسی ہیں جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکی ہیں۔ یہ نظم بھی انھیں میں سے ہے لیکن اس کے بیس برس بعد ماؤ نے ایک اور نظم لکھی جسے اُس نے کیائی ہوئی کے نام انتساب کیا۔ اس مرتبہ اس نے یہ نظم شائع کرنے کی اجازت دے دی۔

جس زمانے میں ماؤ کو نئی رفیقۂ حیات نصیب ہوئی عین اسی زمانے میں ماؤزے من، جو اُس کے بھائیوں میں سے اکیلا زندہ رہ گیا تھا۔ اُسے داغ مفارقت دے گیا۔ ماؤزے من بڑی سعادتمندی سے بھائی کے نقشِ قدم پہ چل رہا تھا۔ ماؤ کے اصرار پر ۱۹۲۵ء میں وہ کومنتانگ کی کسان تحریک کی تربیت گاہ میں داخل ہوا تھا۔ سرحدی علاقے کی معیشت کو منظم کرنے کی ذمہ داری جن اصحاب پر تھی ان میں ماؤزے من بھی تھا۔ ۱۹۳۸ء میں وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوا اور محکمۂ مالیات کا سربراہ بن کر سنکیانگ چلا گیا، جہاں وہ مقامی جنگی رہنما جنرل شنگ شیرزائی کی ماتحتی میں کام کرنے لگا۔ جنرل شنگ نے اُن دنوں سوویت یونین سے اشتراک کر رکھا تھا۔ لیکن بعدازاں جب اس نے سوویت یونین سے قطع تعلق کر کے چنگ کنگ سے گٹھ جوڑ کر لیا تو ستمبر ۱۹۴۲ء میں ماؤزے من کو گرفتار کر لیا گیا اور ۱۹۴۳ء میں اسے پھانسی دے دی گئی۔ ماؤزے تنگ کی بہن زے ہُنگ کو ماؤ کی پہلی بیوی کے ساتھ ۱۹۳۰ء ہی میں پھانسی دے دی گئی تھی اور ۱۹۳۵ء میں اپنے بھائی زے تان کے مارے جانے کے بعد وہ دنیا میں بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔

ماؤزے تنگ نے شمال مغرب میں جو سال گزارے انھیں سالوں میں وہ چین اور باہر کی دنیا میں ایک معروف عوامی شخصیت بن کر ابھرا، اگرچہ پچھلے دس برس سے اس کے نام کا چرچا اخباروں میں ہو رہا تھا، لیکن ابھی اس کے نام کے ساتھ کوئی عظمت وابستہ نہ ہوئی تھی۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ ڈاکوؤں کا سردار تھا اور بعض کے لئے ایک انقلابی ہیرو تھا۔ لیکن دونوں ہی صورتوں میں لوگوں کی نظروں سے اس کی اصل شخصیت اوجھل تھی۔ مگر ۱۹۳۶ء کے بعد سے جب ایڈگر سنو نے سب سے پہلے چین کا سفر کیا۔ سیاحوں کا ایک تانا بندھ گیا۔ کسی نہ کسی صورت انہوں نے "سرحدی علاقے" تک پہنچنے کے جتن کئے اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں آنکھوں دیکھے حالات اور خبریں لے کر پلٹے۔

چین کی سیاحت کرنے والے حضرات نے ماؤ کو اپنی اپنی نظر سے دیکھا، ماؤ کا خاکہ کسی نے کچھ پیش کیا اور کسی نے کچھ، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے، وہ یہ کہ ماؤ نے ہر ایک کو متاثر کیا۔ ایڈگر سنو غیر ملکی اخبار نویسوں میں پہلا شخص ہے جس نے ماؤ سے ملاقات کی۔ اُس نے ماؤ کی شخصیت کا بہت صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ " ماؤ میں عقل و دانش کی گہرائی بھی ہے اور دہقانوں والی زیرکی اور دانائی بھی"۔ اگرچہ اگلے پانچ برسوں میں کوئی گروہ ایسا تو نہ پیدا ہُوا تھا جو ماؤ کی قائدانہ صلاحیت کی پرستش کرتا، تاہم سنو نے یہ بات بھانپ لی تھی کہ " ماؤ کے یہاں ذاتی وقار کا بہت گہرا احساس ہے"۔ اور اسی کے ساتھ " وہ قطعی اور دو ٹوک فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے"۔ ایک نہایت نکتہ رس خاتون اگنیز سمیڈ لے نے بھی ماؤ کی شخصیت کا نہایت واضح خاکہ کھینچا ہے پہلی ملاقات میں اُسے ماؤ میں نسائیت کی جھلک دکھائی دی اور اُس کی صحبت میں انجانی سی ناگواری کا احساس ہُوا۔ اُس نے لکھا کہ "وہ اور جو کچھ بھی ہو، بہرحال جمال پرست شخص ضرور ہے"۔ بعد میں اُس پر یہ انکشاف ہُوا کہ ماؤ کے سیمابی حرکات و سکنات کے پیچھے ایک توانائی کارفرما ہے، اور اس کی متانت اور وقار کی تہ میں انسانی حرارت اور سادگی موجود ہے۔ اگرچہ وہ چند دوستوں سے کھُل کر تبادلۂ خیال کرنے کا اہل تھا، لیکن مجموعی طور پر اُس کے رویے میں کم آمیزی اور سنجیدگی تھی اور وہ سب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ اگنیز سمیڈ لے نے آگے چل کر یہ لکھا کہ " شروع شروع میں جو ناگواری کا احساس مجھے ماؤ سے ہُوا، بعد از اں پتہ چلا کہ وہ اُس کی ذہنی اور روحانی علیحدگی کے سبب سے تھا۔ جُو تے سے لوگ محبت کرتے تھے اور ماؤ زے تنگ کی عزت کرتے تھے۔ چند لوگ جو اس کی عادات و اطوار کو جان گئے تھے، اُس سے انس رکھتے تھے، لیکن وہ اپنے آپ میں گم رہتا تھا اور اس باعث سب سے کٹ کر اکیلا رہ گیا تھا"۔

ان برسوں میں جو اہلِ مغرب ماؤ سے ملے وہ اُس کی سنجیدگی اور اُس کے بلند ارادوں سے بہت متاثر ہوئے، اور اس بات سے بھی کہ آدرش کی خاطر وہ ذاتی آرام و راحت کو قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہ رویہ کومنتانگ کے اکثر و بیشتر سیاسی رہنماؤں کی ضمیر فروشی اور عیش پسندی سے نمایاں طور پر مختلف تھا۔ ماؤ کے طور طریقوں میں جو کسانوں والی سادگی تھی اور پہننے اوڑھنے کی طرف سے جو بے نیازی تھی وہ ان غیر ملکیوں کو بہت کھٹکتی تھی۔ سنو خاص طور پر یہ دیکھ کر بہت چونکا کہ ماؤ ایک بار بے خیالی میں

پتلون کی بیلٹ کھول کر مہمانوں کی تلاش میں چل نکلا، یا یہ کہ ایک بار سخت گرمی کے باعث ماؤ نے ملاقاتیوں کی موجودگی ہی میں اپنی پتلون اتار پھینکی (جیروم چن نے بڑی صحیح بات کہی ہے کہ ان لوگوں کی حیرت و استعجاب کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ چین کے رسم رواج سے آشنا نہیں تھے) ایک دوسرے مبصر نے ماؤ کی ایک اور نرالی عادت کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ ماؤ سگریٹ کا دھواں نکلتے وقت عجب ناخوشگوار سی آواز نکالتا ہے۔ یہ چین کے بعض علاقوں کے کسانوں کی مخصوص عادت ہے۔

چونکہ غیر ملکیوں کے لئے کومنتانگ کے محاصرے سے گذر کر کمیونسٹوں کے علاقے کا مشاہدہ کرنا اور پھر وہاں کے بارے میں اپنے تاثرات شائع کرنا چنداں مشکل نہ تھا، اس لئے مغربی صحافیوں ہی کی بدولت چین کے لوگوں کو پہلے پہل یہ علم ہوا کہ ان کے اپنے ملک میں ایک بڑی سیاسی طاقت کارفرما ہے۔ (اسنو نے ماؤ کا جو انٹرویو لیا تھا، اس کی اشاعت کے ساتھ ہی "چین کے آسمان پہ سرخ ستارہ" کا بھی فوراً چینی میں ترجمہ کر دیا گیا) ان تحریروں میں ماؤ اور اس کے ساتھیوں کو یوں پیش کیا گیا ہے کہ یہ لوگ ایسے محب وطن ہیں جو کسی اہم اخلاقی مقصد کے تحت سرگرم عمل تھے۔ اس بات کا چین کی رائے عامہ پر اچھا خاصہ اثر ہوا۔ (البتہ کچھ لوگوں نے اور بالخصوص طلبا نے جو ماؤ کو ایک کٹڑ قسم کا پاک باطن انقلابی سمجھتے تھے، جب یہ سنا کہ ماؤ دلفریب لاپنگ پر فریفتہ ہو گیا اور اس کی خاطر اس نے اپنے 'طویل سفر' کی وفادار رفیقہ کو چھوڑ دیا، تو وہ خاصے بددل ہوئے)

۱۹۳۸ء کی گرمیوں کے آتے آتے، چینیوں کی سخت مزاحمت اور تایرچوانگ کے مقام پر اُن کی عظیم کامیابی کے باوجود جاپانی فوج نے چین کے بڑے بڑے ساحلی شہروں پر غلبہ پا لیا۔ اکتوبر میں ووہان پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں نانکنگ پر قبضہ کرنے کے بعد جاپانیوں نے اسے جس وحشیانہ طریقے سے پامال کیا تھا وہ عہد حاضر میں اجتماعی جبر و تشدد کے چند انتہائی گھناؤنے مظاہروں میں سے ایک تھا۔ اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ چینیوں کے جذبات حملہ آور کے خلاف اور زیادہ مشتعل ہو گئے۔ قوم پرستوں کا ہیڈ کوارٹر چنگ کنگ میں منتقل ہو گیا۔ اب جاپانیوں کی صفوں کے عقب میں صرف کمیونسٹوں کی قیادت میں کام کرنے والے چھاپہ مار دستے رہ گئے تھے۔ جو واحد با اثر سیاسی طاقت کے طور پر سرگرم عمل تھے۔ ان حالات میں ماؤ زے تنگ نے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا اور جاپان کے خلاف جنگ کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کی تشکیل شروع کی۔

ماؤ کی ادبی زندگی میں ینان والا زمانہ بالخصوص ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۰ء تک کے دو برس غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ نہ صرف اس زمانے میں اس نے بہت کچھ لکھا، بلکہ یہ تحریریں اُس کی زندگی کے باقی سب ادوار کی تخلیقات سے زیادہ مفصل اور مدلّل بھی ہیں۔ اور ان میں رپورٹیں تقریریں اور ہدایات بھی نسبتاً کم ہیں۔ اس کے اسباب سمجھنا ایسا مشکل نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ کومنتانگ سے مفاہمت ہو جانے کے سبب اب کمیونسٹ علاقے میں ایک مستحکم صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اُس کے ساتھ ساتھ جاپانیوں کے خلاف جنگ میں ذاتی طور پر شریک نہ ہونے کے سبب ماؤ کو فرصت کے لمحات میّسر آ گئے تھے۔ ایسی فراغت شاید اسے طالب علمی کے زمانے سے اب تک کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ سوائے ان ایک دو برسوں کے جو کیانگسی سوویت جمہوریہ کے زمانۂ عروج کے تھے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اب آخر کار مارکسی نظریہ پر عبور حاصل کر رہا تھا اور اس کے یہاں ایسی خود اعتمادی اور وسعتِ نظر پیدا ہو چلی تھی جو چینی انقلاب کے مسائل کو عالمی سطح پر طے کرنے کے لئے ضروری تھی۔

۱۹۳۸-۴۰ء کے دوران میں ماؤ نے جو کچھ لکھا اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں وہ تحریریں ہیں جو جاپان کے خلاف جنگ کے فوجی معاملات سے بحث کرتی ہیں۔ دوسرے حصے میں وہ تحریریں ہیں جن کا تعلق سیاسی سوالات سے ہے۔ فوجی نوعیت کی تحریریں سب کی سب ۱۹۳۸ء کے پہلے نصف میں لکھی گئی تھیں۔ وہ مل جل کر ایک ایسی ٹریلوجی کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں جس میں جنگ کا مختلف سطحوں پر تجزیہ کیا گیا ہے۔ ماؤ نے اپنے مخصوص انداز میں پہلے ایک مختصر سا کتابچہ "بنیادی چالیں" کے عنوان سے لکھا اس کتابچہ میں چھاپہ مار جنگ کے روز مرّہ کے عمل سے ٹھوس انداز میں بحث کی گئی تھی۔ پھر اس نے یہ بحث کی کہ جاپان کے خلاف جنگ میں چھاپہ مار طریق کی کیا حیثیت ہے اور آخر میں اس نے جنگ کی حکمتِ عملی پر مجموعی انداز میں تبصرہ کیا۔

ماؤ نے جاپان کے خلاف جنگ میں جن چھاپہ مار چالوں کی سفارش کی تھی وہ بنیادی طور پر وہی تھیں جو وہ کومنتانگ کے خلاف خانہ جنگی میں برت چکا تھا اور جن کی باقاعدگی سے وضاحت اس نے ۱۹۳۶ء میں کی تھی۔ وہ چالیں اِن باتوں پر مشتمل تھیں کہ "دشمن کی طاقت جہاں زیادہ ہو وہاں سے کنارہ کر لیا جائے اور جو گوشہ کمزور ہو اس پر دھاوا بول دیا جائے۔" اپنی فوجوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے دشمن کے دستوں کا ایک ایک کر کے صفایا کیا جائے اور علاقہ یا مضبوط مورچوں کو تسخیر کرنے کی بجائے دشمن کے

سپاہیوں کا صفایا کیا جائے اور علاقہ یا مضبوط مورچوں کو تسخیر کرنے کی بجائے دشمن کے سپاہیوں کو صفایا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ماؤ نے کہا کہ "اس میں کوئی دانش مندی نہیں ہے کہ دشمن کے ایک ہزار سپاہی قتل کر کے خود اپنے آٹھ سو آدمی مروا لیے جائیں۔"

جاپان کے خلاف جنگ کے بارے میں اور خانہ جنگی کے بارے میں جو ماؤ کے نقطہ ہائے نظر تھے ان میں اختلاف اس بات سے پیدا ہوتا تھا کہ ان دونوں جنگوں میں کن کن بنیادوں پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے اور اس بات سے بھی کہ خانہ جنگی کے برعکس جاپان کے خلاف جنگ کی حکمتِ عملی ایک عالمی پس منظر میں وضع کی گئی تھی۔ فوج میں اور لوگوں میں دونوں جگہ جو سیاسی فریضہ سرانجام دینا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ قومی تجدید کی تبلیغ کی جائے۔ قومی شعور کو فروغ دیا جائے اور جاپانیوں کے مظالم کا چرچا کیا جائے "تاکہ" دشمن کو ختم کرنے کی خاطر آخری دم تک لڑنے کا پختہ عزم ہو۔"

ماؤ کی شخصیت اور سیاسیانہ مزاج کا ایک خاص اور اہم پہلو جس نے اُسے آخرکار کامیابی سے ہمکنار کیا، اس بات پر اصرار تھا کہ قطعی طور پر بے خوف ہو کر میدان میں اترا جائے کہ یہی کامیابی کی کلید ہے "دشمن کے ہاتھ میں ہتھیار کو دیکھ کر ہمیں اس طرح نہیں سہم جانا چاہیے جیسے بلی کو دیکھ کر چوہا سہم جاتا ہے۔ تخریبی کاروائی کی خاطر دشمن کے قریب جانے سے یا اُس کی صفوں میں گھس جانے سے ہمیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ ہم بھی آدمی ہی ہیں۔ اور دشمن بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔ جب ہم سب ہی آدمی ہیں تو پھر ہم کس بات سے ڈریں۔ اس بات سے کہ دشمن کے پاس ہتھیار ہیں؟ مگر ہم اس کے ہتھیار چھیننے کی ترکیب بھی تو نکال سکتے ہیں۔ ہمیں لے دے کے ایک ہی ڈر ہو سکتا ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ سے مارے نہ جائیں۔ لیکن جب دشمن نے ظلم کی حد کر رکھی ہو جیسی اس نے ہمارے ساتھ کر رکھی ہے تو پھر موت سے ڈرنے کی کون سی بات رہ جاتی ہے۔ اور جب ہمیں موت کا ڈر نہیں تو دشمن کا ڈر کیوں ہو۔ پس جب ہم دشمن کو دیکھیں تو خواہ وہ گنتی میں ہم سے کم ہو یا زیادہ ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ روٹی کا نوالہ ہے اور ہم بھوکے ہیں۔ اور ہمیں فوراً اسے چٹ کر جانا چاہیئے۔"

ایک دفعہ پھر اس بات پر اصرار کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ماؤ کی یہ قوم پرستانہ اپیل ہر چند کہ اُس کے تمام مقاصد کا احاطہ نہیں کرتی۔ تاہم اپنے طور پر یہ نہایت پُرخلوص تھی اور اس زبردست قومی آزمائش کے

موقعہ پر اس کے اس خلوص نے لوگوں میں پہلے سے دس گنا زیادہ اثر کیا۔ ماؤ نے اعلان کیا کہ چین کی مزاحمتی جنگ "جنگ و جدل کی تاریخ میں ایک غیر معمولی مظاہرہ ہے۔ یہ پوری چینی قوم کا بہادرانہ معرکہ ہے اور زمین و آسمان کو ہلا دینے والی مہم ہے"۔ ماؤ نے یہ بھی کہا کہ یہ معرکہ آگے چل کر صرف چین اور جاپان کی تقدیر پر ہی اثر انداز نہیں ہوگا" بلکہ اس سے تمام ملکوں بالخصوص ہندوستان جیسے ستم رسیدہ ملکوں کے لئے ترقی کی راہیں کھل جائیں گی"۔

اہلِ چین نے جو مصائب و آلام برداشت کئے اور جس ہمت و جرات کا مظاہرہ کیا، اس کا سرسری جائزہ بھی لیجیے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ ماؤ نہایت جائز طور پر اپنی قوم کی شجاعت پر نازاں تھا۔ اس کی یہ پیشگوئی بھی غلط نہیں تھی کہ چینی انقلاب بالآخر تمام نوآبادیاتی اور محکوم ممالک پر بہت اثر ڈالے گا، یہ الگ بات ہے کہ اس اثر کی نوعیت اور وسعت ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہو سکی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں زیادہ اہمیت اس سوال کو حاصل تھی کہ عالمی صورتِ حال کا چین کی جد و جہد پر کیا اثر ہوگا۔

ماؤ نے جو جاپان کے خلاف جنگ کا تجزیہ کیا ہے، اس میں اس نے اس جنگ کے تین مراحل بتائے ہیں۔ پہلا مرحلہ تو جو اس وقت تک کم و بیش مکمل ہو چکا تھا، یہ تھا کہ جاپان کے جارحانہ اقدامات کے مقابلے میں چینی دفاعی روش اختیار کریں گے۔ دوسرے مرحلہ میں، جو کہ طویل ترین مرحلہ ہوگا، کسی حد تک توازن قائم ہو جائے گا۔ اور چینی گوریلے جاپانی صفوں کے عقب میں چھاپہ مار جنگ جاری رکھیں گے۔ تیسرے یعنی آخری مرحلہ میں وہ چھاپہ مار دستے جو پچھلے دو مراحل میں منظم ہوئے تھے متحد ہو کر جارحانہ اقدام کریں گے۔ وہ اپنی گوریلا چالیں ترک کر کے صف آرا ہو کر بڑے پیمانے پر باضابطہ جنگ کریں گے۔ لیکن مکمل فتح اسی صورت میں ممکن ہوگی جب قوم پرست فوج کی باضابطہ ڈویژنیں اور وہ تمام جمہوری طاقتیں جو جاپانی سامراج کی مخالف ہیں ان کی پشت پناہی کریں۔

یہ زمانہ دوسری جنگ کا تھا۔ بین الاقوامی صورتِ حال جس تیزی سے تبدیل ہو رہی تھی، ایسی صورت میں ماؤ کے لئے اور کسی بھی شخص کے لئے واضح طور پر یہ جاننا بہت مشکل تھا کہ چین کس ملک کی حمایت و امداد پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ ۱۹۳۹ء کے آغاز تک وہ اپنے اس یقین کا اظہار کرتا رہا کہ چیمبرلین کی دوسروں کو مراعات دے کر خوش کرنے کی پالیسی اور جاپان کے بارے میں اس کے بزدلانہ رویہ کے باوجود عوام اور مختلف معاشرتی طبقوں کے وہ سب لوگ جو چین سے ہمدردی

رکھتے ہیں، بالآخر انگلستان، فرانس اور امریکہ کی حکومتوں کو اس بات پہ قائل کر لیں گے کہ جاپانی جارحیت کی مخالفت میں خود ان کا مفاد پوشیدہ ہے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں نازی سوویت معاہدہ ہو جانے کے بعد ماؤ نے تمام سامراجی طاقتوں کی یکساں زور شور سے مذمت کی۔ اس نے کہا کہ یہ باؤلے کتے ہیں جن کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ بے سوچے سمجھے اپنے دشمنوں سے جا بھڑیں اور دُنیا کی دیواروں سے سر ٹکرائیں۔ اس نے یہ اشارہ بھی کر دیا کہ دنیا کے سب سے زیادہ رجعت پسند ملک کا رہنما چیمبر لین ہٹلر سے بھی گیا گذرا ہے۔

سوویت یونین سے کیا توقعات رکھی جائیں؟ یہ مسئلہ اور بھی زیادہ الجھا ہُوا تھا لینن کا پیروکار ہونے کی بدولت ماؤ پرولتاری بین الاقوامیت میں بڑے خلوص سے یقین رکھتا تھا۔ اس کے باعث اس کے لئے اس بات میں مطلق شک کی گنجائش نہیں تھی کہ روس جو کہ دنیا میں اکیلا بڑا اشتراکی ملک تھا، سامراجی حملہ آوروں کے خلاف جنگ میں چینیوں کی مدد کرے گا۔ اس کے علاوہ اگست ۱۹۳۹ء کے معاہدے نے سٹالن کو وقتی طور پہ مغربی سرحد کی حفاظت کی طرف سے بے فکر کر کے مشرق میں جنگ کرنے کا آسان موقع فراہم کر دیا تھا۔ جاپانیوں کو اس کا خوب احساس تھا۔ اسی لئے انہوں نے برلن میں اس معاہدے کے خلاف سخت احتجاج کیا تھا۔ یہ وہ پہلو تھا جس پر ماؤ نے اپنے اس زمانے کے بیانات میں بہت زور دیا ہے۔ لیکن یہ معاہدہ اس بات کی واضح دلیل بھی فراہم کرتا ہے کہ روس جب چاہے اصولوں کو قومی مفاد پر قربان کر سکتا ہے۔ یوں اس معاہدے کا فوری رَدِّ عمل کچھ بھی ہُوا ہو، ایک نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ چین میں بھی روس کے عزائم کے بارے میں بدگمانیاں پیدا ہو گئیں۔ اس کے علاوہ ماؤ اور سٹالن کے درمیان اس مسئلہ پر بھی کشیدگی پیدا ہو چلی تھی (یا یوں کہہ لیجیے کہ یہ کشیدگی کبھی بھی یکسر ختم نہیں ہوئی تھی) کہ جاپانیوں کے خلاف متحدہ محاذ میں چینی کمیونسٹوں اور کومنتانگ کی حیثیت کیا ہو گی۔

فی الحال یہ تنازعہ بالواسطہ طور پہ وانگ منگ کے حوالے سے پیدا ہُوا۔ وانگ منگ ماسکو میں چھ سال رہا۔ اس دوران میں اس نے نوآبادیاتی مسائل پر سٹالن کے منتخب سرکردہ ماہر کی حیثیت اختیار کر لی اور کومنٹرن کی مجلسِ عاملہ کا ممبر بن گیا۔ وہ ۱۹۳۷ء کے اواخر میں چین واپس آیا۔ چین پہنچتے ہی اس نے ایک امریکی نامہ نگار کو یہ بیان دیا کہ وہ چیانگ کائی شیک سے گفت و شنید کی غرض سے چین

آیا ہے، اور اس بات کا امکان ہے کہ اس گفت وشنید کے بعد نانکنگ حکومت میں کمیونسٹوں کے نمائندے بھی شامل کر لئے جائیں۔ ۳۹-۱۹۳۸ء کے برسوں میں وہ متحدہ محاذ کے کام میں مصروف رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ پالیسی اختیار کر لی تھی کہ جنگ میں زمام قیادت کومنتانگ کے ہاتھوں میں ہونی چاہیئے۔ بہر حال ۱۹۵۱ء میں اُسے اسی انحراف کا مرتکب گردانا گیا تھا۔ لیکن یہ مذمت کچھ اسی قسم کا سہل نسخہ ہے جو حریفوں کو مجرم گرداننے کے لئے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور چین واپس آنے کے بعد سے وانگ منگ ایک دوسرے ساتھی چانگ کوتاؤ سمیت ماؤ کا سب سے اہم حریف بن گیا تھا۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ ماؤ نے اکتوبر ۱۹۳۸ء کی تقریر میں خود یہ پیشگوئی کی تھی کہ کومنتانگ کا مستقبل درخشاں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے ساتھ ہی اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ کمیونسٹوں کو خود مختار حیثیت میں فریضہ ادا کرنا ہے۔ لیکن اگلے برس کے دوران میں بالخصوص اس وقت جب نازی سوویت معاہدے سے عالمی صورتِ حال کا نقشہ بدل چکا تھا، ماؤ نے زیادہ پختہ پالیسی اختیار کی۔ اس کی ایک تحریر دسمبر ۱۹۳۹ء میں "چینی انقلاب اور چینی کمیونسٹ پارٹی" کے اراکین کے لئے نصابی کتاب کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس میں واضح طور پر اعلان کیا گیا تھا کہ چینی انقلاب کی باگ ڈور پرولتاریوں اور کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھوں میں ہونی چاہیئے۔ اس کے ایک ماہ بعد ایک اور مضمون نئی جمہوریت کے عنوان سے لکھا گیا جس کا خطاب قارئین کے وسیع تر حلقہ سے تھا۔ اس مضمون میں ماؤ نے زیادہ محتاط باتیں کیں، اور ایک فقرہ یہ لکھا کہ زمامِ قیادت کومنتانگ ہی کے ہاتھوں میں رہے گی بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرے۔ موجودہ ایڈیشن سے یہ فقرہ حذف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس دوسرے متن میں بھی ماؤ نے یہ وضاحت کر دی تھی کہ کمیونسٹوں کا شروع ہی سے یہ تقاضا رہا تھا کہ انقلاب کی قیادت میں انھیں بھی شامل کیا جائے۔ اور یہ بھی کہ اگر کومنتانگ نے ان فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی (جیسے کہ انھیں توقع تھی) تو وہ خود ساری ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

لینن نے یہ اصول قائم کیا تھا کہ جس ملک میں ابھی جاگیردارانہ نظام قائم ہو اور سرمایہ داری شروع نہ ہوئی ہو، وہاں انقلاب کو دو مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جسے بورژوا جمہوری انقلاب کہنا چاہیئے۔ دوسرا مرحلہ اشتمالی انقلاب کا ہے۔ ماؤ نے اس اصول کو بنیاد بنا کر یہ اعلان کیا کہ چین میں انقلاب اپنے پہلے مرحلے میں نئی جمہوریت کی شکل میں نمودار ہوگا۔ یہ نئی جمہوریت پرانے

بورژوائی جمہوری انقلاب سے اس بنا پر مختلف ہو گی کہ اس کی قیادت صرف بورژوا طبقہ نہیں کرے گا بلکہ "مختلف انقلابی طبقوں کی انقلابی جمہوری آمریت" اس کی قیادت کرے گی۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ یہ نئی جمہوریت پرولتاری اشتمالی عالمی انقلاب کا حصہ ہو گی۔

یہ دونوں اعلانات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمہ اشتراکی نظریے کو ایک ایسے سانچے میں ڈھالا جا رہا تھا جو چین کے مخصوص تقاضوں کے مطابق تھا۔ لینن نے "مزدوروں اور مزدوروں کی انقلابی جمہوری آمریت" کا ذکر کیا تھا۔ اس نے یہ بھی سفارش کی تھی کہ مخصوص حالات میں بورژوائی قوم پرستوں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ محاذ قائم کر لینا چاہیئے۔ ماؤ نے آمریت کی حدود میں اس انداز سے توسیع کی کہ "مختلف انقلابی طبقے" اس میں شریک ہو سکیں، ان طبقوں میں وہ بورژوا طبقہ بھی تھا جس کی نمائندگی کومنتانگ کر رہا تھا۔ لیکن آمریت کی حدود میں اس طرح کی توسیع کر کے، ماؤ گویا اس 'عوامی آمریت' کی جستجو میں ہاتھ پیر مار رہا تھا جس کا اعلان اس نے آگے چل کر ۱۹۴۹ء میں کیا۔ اسی طرح لینن اور اُس کے جانشینوں نے بہت دفعہ یہ بات بھی کہی تھی کہ نو آبادیاتی اور نیم نو آبادیاتی ممالک میں بورژوا جمہوری انقلاب' عالمی انقلاب کے مقاصد کو تقویت پہنچاتا ہے۔ لیکن لینن نے ایسے انقلاب کو پرولتاری انقلاب کا جزو لاینفک قرار نہیں دیا تھا۔ اس طرح سے ماؤ کی ان دونوں اختراعات کی بدولت عالمی نقشہ پر ایک انقلابی طاقت کے طور پر چینی عوام کی اکثریت کا وقار بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔

ماؤ کی یہ دو بہت واضح اور اہم تحریریں ۴۰-۱۹۳۹ء کے موسم سرما میں شائع ہوئی تھیں۔ اس وقت تک ماؤ کو چینی کمیونسٹ پارٹی کی پالیسی اور نظامِ فکر پر پورا اختیار حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے دو سر کردہ حریف اُس کے راستے سے ہٹ چکے تھے۔ چانگ کوتاؤ نے وانگ منگ کی طرح اس بات کی حمایت کی تھی کہ چیانگ کائی شیک کے بارے میں مصالحتی روش اختیار کی جائے۔ ۱۹۳۸ء کے آغاز میں وہ ینان سے بھاگ کر کومنتانگ کے چین میں چلا گیا اور اپریل میں پارٹی سے اس کا نام خارج کر دیا گیا۔ وانگ منگ کو معمولی ماتحت فرائض پر مامور کر دیا گیا اور ۱۹۳۹ء کے اواخر تک اُس نے کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کیا۔

اب چین کی قیادت کے سلسلے میں کمیونسٹوں کو جو بڑا اور شاید غالب کردار ادا کرنا تھا اور اُس کے اثر سے لازمی طور پر جو اشتمالی انقلاب رونما ہونا تھا، اس کے بارے میں ماؤ کے علامات چیانگ کائی شیک

کے لئے خوشی کا باعث نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن چیانگ ماؤ کے الفاظ سے زیادہ اس کی کاروائیوں سے پریشان تھا۔ ۱۹۴۰ء کے موسم بہار تک آٹھویں پیدل فوج میں باقاعدہ فوج اور ہمہ وقت چھاپہ مار دستوں کی سب تعداد ملا کر چار لاکھ کے لگ بھگ ہو چکی تھی۔ نئی چوتھی فوج ابھی تک جوانوں کی ایک لاکھ تعداد بھی جمع نہ کر سکی تھی، جیسا کہ چند ماہ قبل کمیٹی نے فیصلہ کیا تھا۔ ۴ مئی ۱۹۴۰ء کو ماؤ نے ذاتی طور پر ایک حکمنامہ مرکزی کمیٹی کی طرف سے رقم کیا اس میں شیانگ ینگ اور چن آئی کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنی فوجوں کی تیزی سے توسیع کریں اور اسے ایک لاکھ تک لے آئیں۔ ماؤ نے یہ بھی کہا کہ "مغرب میں نانکنگ سے لے کر مشرق میں سمندری ساحل تک کے پھیلے ہوئے علاقے میں ہم جتنے اضلاع پر بھی اختیار حاصل کر سکتے ہیں، کر لینا چاہیئے"۔ ان احکامات کی بہت جلد تعمیل کی گئی۔

یہ بات یقینی ہے کہ ماؤ اور اس کے ساتھیوں کے لئے جاپانیوں سے لڑنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہی تھا کہ چھاپہ مار اڈوں کو بڑھایا پھیلایا جائے۔ لیکن چیانگ کائی شیک بھی اس بات سے غافل نہیں تھا کہ ان سرگرمیوں کی وجہ سے کمیونسٹوں کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو رہا تھا، اور جب حملہ آور دفع ہو جائیں گے تو اسی طاقت کے بوتے پر وہ قوم پرستوں سے سودا بازی کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ شالمرز جانسن نے اس صورت حال کو یوں بیان کیا ہے کہ "اگرچہ کمیونسٹ فوج کی جاپانیوں سے لڑائی جاری تھی لیکن اس کے طریقوں سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ جاپان پر فتح پانے والی چینی طاقت ایک ہی ہو گی"۔

۱۹۴۰ء کی بین الاقوامی صورتِ حال سے اُس کشمکش کو، جو کمیونسٹوں نے کومنتانگ کے اثر و اقتدار کے خلاف شروع کی تھی، اور ہوا ملی۔ یورپ کی وہ جمہوری طاقتیں جن پر چیانگ تکیہ کئے بیٹھا تھا۔ شکست پہ شکست کھا رہی تھیں۔ ان شکستوں کی بدولت چنگ کنگ میں اور زیادہ مایوسی پھیل گئی اور یہ افواہیں گشت کرنے لگیں کہ کومنتانگ کی جاپان سے مصالحت ہو جائے گی۔ مارچ میں نانکنگ میں وانگ چنگ وی کی حکومت قائم ہوئی جو جاپانیوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ اور اندیشوں کا ٹھوس اظہار ہوا۔ ان حالات میں ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے ۲۰ اگست کو جاپانیوں کے خلاف وہ مہم شروع کی جو سو رجمنٹوں کی چڑھائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ جنگ ہنوز برپا ہے، اور یوں گفت و شنید کے ذریعے صلح کے امکانات بہت کم ہو گئے۔

آٹھویں فوج کے کم و بیش چار لاکھ دستوں نے ایک ہی وقت میں شمالی چین کے پانچ صوبوں میں میں جاپانیوں پر حملہ کیا اور انھیں سخت نقصان پہنچایا۔ ریل کی پٹریاں اور مواصلات کے دوسرے سلسلے منقطع کر دیئے، اور ایک بہت اہم کوئلہ کی کان تباہ کر دی گئی۔ دسمبر کے شروع تک لڑائی ہوتی رہی اور جاپانی ہائی کمان کے سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔

ادھر وسطی چین میں نئی چوتھی فوج اور کومنتانگ کی مختلف افواج کے درمیان کشمکش بڑھتی جا رہی تھی۔ جنوبی کیانگسو میں چنگ کنگ کے نمائندوں کی مخالفانہ روش کو دیکھ کر چن آئی نے ۱۹۴۰ء کے موسم گرما میں اپنی کمان کے بہت سے دستوں کو یانگسی کے اس پار شمالی کیانگسو میں بھیج دیا! ان دستوں نے وہاں جا کر ہان تے چن کی کومنتانگ فوجوں پر حملہ کیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا اور دشمن کی جو فوج بچ گئی اسے شمال مغرب کی طرف مار بھگایا۔ اس سے چنگ کنگ والوں کا رویہ اور زیادہ سخت ہو گیا۔ جون ۱۹۴۰ء میں کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے نمائندوں کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا، اور یہ طے پایا کہ نئی چوتھی فوج وسطی ایشیا سے نکل جائے۔ اس کے بدلے میں کمیونسٹوں کو دریائے زرد کے شمال کے علاقے میں (جنوبی شانسی کے علاوہ) آزادانہ کارروائی کی اجازت ہوگی۔ لیکن شالمرز جانسن نے بجا لکھا ہے کہ چیانگ کی اس خواہش کا کہ کمیونسٹ فوجیں شمال کی طرف کوچ کر جائیں مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ انھیں یہ حق مل گیا تھا کہ رستے میں کومنتانگ کی جو فوج مل جائے اسے پامال کرتی چلی جائیں۔ شمالی کیانگسو میں لڑائی چھڑ جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چنگ کنگ کی حکومت نے ۹ دسمبر ۱۹۴۰ء کو پوری نئی چوتھی فوج کو ۳۱ دسمبر سے پہلے پہلے یانگسی کے شمال میں کوچ کر جانے کا حکم صادر کر دیا۔ (انھیں ایک مہینے کی مہلت اور دی گئی تا کہ وہ اس مدت میں دریائے زرد کے شمالی علاقہ میں آٹھویں پیدل فوج سے مل جائیں) فوج کی اکثریت مقررہ تاریخ تک دریا عبور کر کے شمال میں نکل گئی۔ مگر اس واقعہ کا جواز اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ ہیڈ کوارٹر کی فوج جو کم و بیش نو ہزار کی تعداد میں تھی دریا کے جنوب میں کیوں پڑی رہی۔ ۴ جنوری ۱۹۴۱ء کو قوم پرست فوجوں نے اسے گھیر لیا اور دس دن کی جنگ کے دوران اس کا تقریباً صفایا کر دیا۔ اسی جنگ میں ثیگ ینگ مارا گیا اور کمانڈر انچیف یے تِنگ کو قید کر لیا گیا اُسے ۱۹۴۶ء تک حراست میں رکھا گیا۔

جاپانیوں کے خلاف جنگ میں کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے درمیان جو تھوڑا بہت اشتراک

ہوا تھا، اس واقعہ نے وہ بالکل ختم کر دیا۔ چنگ کنگ کی حکومت نے نئی چوتھی فوج کی نافرمانبرداری کی پُر زور مذمت کی اور اسے توڑ دینے کا حکم دیا۔ کمیونسٹوں نے نہ صرف یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا، بلکہ بہت تیزی کے ساتھ اپنی فوج کو نئے سرے سے منظم و مستحکم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ چن آئی کو قائمقام کمانڈر مقرر کیا گیا۔ اور لیو شاؤچی جیسے اہم شخص کو سیاسی ناظر بنا کر بھیجا گیا۔ اس فوج کی چھاپہ مار سرگرمیاں زور پکڑ گئیں اور دیکھتے دیکھتے سات فوجی علاقوں میں پھیل گئیں۔ لیو نے ۱۹۴۱ء کے موسم بہار میں ان علاقوں کا تعین کیا۔ ان سارے علاقوں کو بنیادی اڈوں کی حیثیت دے دی گئی اور جنگ ختم ہونے تک یہاں مقامی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔

شالمرز جانسن نے صحیح بات کہی ہے کہ نئی چوتھی فوج کے ساتھ جو واقعہ گزرا اس سے بالآخر کمیونسٹوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ کمیونسٹوں کو یہ شہرت و مقبولیت تو حاصل ہو ہی چکی تھی کہ وہ قومی مفاد کی خاطر بے جگری سے لڑتے ہیں۔ اس واقعہ سے اُنھیں قوم کے نام پر شہید ہونے کا زیادہ معزز اعزاز بھی حاصل ہو گیا۔ جانسن لکھتا ہے کہ "کمیونسٹ جب تک اپنی حکومت سے زیادہ جاپان کے مخالف ہونے کا ثبوت دے سکتے تھے، اس وقت تک وہ بے خوف ہو کر قوم پرستوں کے فوجی احکامات کی خلاف ورزی کر سکتے تھے اور یہ بات وہ خوب جانتے تھے۔" جاپان کے خلاف جنگ نے بعد میں جو صورت اختیار کی، یہ محاکمہ اس پوری صورتِ حال کا خلاصہ ہے۔ قبل ازیں ماؤ اور اس کے ساتھی کم از کم ظاہری طور پر کومنتانگ کے احکامات کو مان لیا کرتے تھے، لیکن اب انہوں نے اس تکلّف کو بھی ترک کر دیا۔ اس کے باوصف اُن کی چین کے قومی مفادات کے سب سے کٹّر محافظ ہونے کی شہرت میں لگاتار اضافہ ہوتا گیا۔

جس وقت کمیونسٹوں کے کومنتانگ والوں سے تعلقات خراب ہوئے، انہیں دنوں جاپانیوں نے کمیونسٹوں پر غضب ناک حملے کرنے شروع کر دیئے۔ جاپانی پہلے ہی سے لکڑی کے حفاظتی قلعے بنانے میں مصروف تھے تاکہ چھاپہ ماروں کے علاقوں کا باہمی رابطہ ختم کر دیا جائے۔ اب تو چھنٹوں کی جارحانہ مہم کے اعادہ سے بچنے کی خاطر انہوں نے اس پالیسی پر زیادہ شدت سے عمل شروع کر دیا۔ جولائی ۱۹۴۱ء میں شمالی چین میں وہ مذموم پالیسی جسے 'تین سب' والی پالیسی کہا جاتا تھا (سب کو جلا کر خاک کر دو، سب کو تہ تیغ کر دو، سب کو لوٹ لو) اختیار کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھویں

فوج چار لاکھ سے گھٹ کر تین لاکھ رہ گئی۔ شمالی چین کے کمیونسٹ علاقوں کی آبادی بھی چار کروڑ چالیس لاکھ سے کم ہو کر دو کروڑ پچاس لاکھ رہ گئی۔

جب جاپانیوں نے ہمہ گیر تباہی کی اس پالیسی پر عملدرآمد کیا اور بڑے پیمانے پر قتل و غارت پر کمر باندھی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ کسانوں میں مزاحمت کرنے کا عزم اور زیادہ شدت پکڑ گیا جس سے کمیونسٹوں کے مقصد کو تقویت ملی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کے لئے مشکلات بھی بہت پیدا ہوئیں جاپانیوں نے ہر طرف حفاظتی قلعے اور دیواریں اور خار دار تاروں کے احاطے تعمیر کر لئے تھے، اور کومنتانگ نے کمیونسٹ علاقوں کی پوری پوری اقتصادی ناکہ بندی کر دی تھی۔ اس دوطرفہ مصیبت نے ماؤ اور اس کے ساتھیوں کے لئے طرح طرح کی اقتصادی اور سیاسی مشکلات پیدا کر دیں۔ اقتصادی مشکل کا حل تو یہ تلاش کیا گیا کہ اڈوں کے علاقوں میں پیداوار بڑھانے کی مہم شروع کی گئی۔ باہمی امداد کی بنیاد پر قائم ہونے والی کسانوں کی ٹولیوں کی بہت ہمت افزائی کی گئی اور فوج والوں نے خود بھی صنعتی اور زراعتی کاموں میں ہاتھ بٹایا۔ سیاسی مشکلات کے جواب میں سدھار تحریک شروع کر دی گئی۔ یہ مہم باضابطہ طور پر فروری ۱۹۴۲ء میں شروع ہوئی۔

سدھار تحریک کے دو مقاصد تھے، جن میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ مشکل حالات میں چینی کمیونسٹ پارٹی کے نظم و اتحاد کو مضبوط بنایا جائے اس سلسلے میں یہ منصوبہ بنایا گیا کہ جنگ کے دنوں میں کمیونسٹ پارٹی کی توسیع کے سلسلے میں جو بہت سے رنگروٹ بھرتی کئے گئے تھے، انھیں مارکس اور لینن کی تعلیمات کی بنیادی باتیں سمجھائی جائیں اور سوویت یونین میں وضع ہونے والے سیاسی طریقہ ہائے کار سے آشنا کیا جائے لیکن ساتھ میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پارٹی والوں کے نظریاتی شعور کو اس مخصوص اور امتیازی رنگ میں رنگا جائے جو ماؤزے تنگ کی ذات سے مختص ہے۔ ماؤ کا مقصد مختصراً یہ تھا کہ مارکسیت کو چین کے حالات کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ اس نے یہ نعرہ اکتوبر ۱۹۳۸ء والے اجلاس میں بلند کیا تھا۔ وہاں اس نے اس کی وضاحت مندرجہ الفاظ میں کی تھی!

"ہماری عظیم قوم کی تاریخ کروڑ برس سے کچھ قومی خصائص اور گرانقدر اوصاف کی حامل چلی آتی ہے ہم مارکسی تاریخ پرست ہیں۔ ہمیں تاریخ کو مسخ نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیں کنفوشس سے

لے کر سن یات سن تک کی تاریخ کا تنقیدی جائزہ لینا چاہیے۔ اس ماضی کے سرمائے سے جو قابل قدر باتیں ہمارے ہاتھ آئیں، ہمیں ان کا والی وارث بننا اور انھیں اپنانا چاہیے ..... کمیونسٹ مارکسی بین الاقوامیت پرست ضرور ہوتا ہے۔ لیکن مارکسیت کو عملی جامہ پہنانے سے پیشتر کسی قومی سانچہ میں ڈھلنا چاہیے۔ مجرد مارکسیت جیسی کوئی شے موجود نہیں ہے۔ مارکسیت کی صورت ٹھوس شکل اس وقت اختیار کرتی ہے جب وہ کسی قومی سانچہ میں ڈھل جاتی ہے ..... ہر چینی کمیونسٹ عظیم چینی قوم کا حصہ ہے۔ اس کا اپنی قوم کے ساتھ خون اور گوشت کا رشتہ ہے۔ اب اگر وہ چینی خصائص سے قطع نظر کر کے مارکسیت کی بات کرتا ہے تو یہ مارکسیت خالی خولی تجریدیت ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مارکسیت کو چینی رنگ میں رنگا جائے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں اس بات کا تعین کرنا ہے کہ مارکسیت کے ظہور کی ساری صورتوں میں چینی خصوصیات سرایت کر گئی ہیں۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو پوری پارٹی کو بغیر کسی تاخیر کے سمجھنا اور حل کرنا چاہیے ...... ہمیں بدیشی سانچوں میں ڈھلے ہوئے لمبے چوڑے مضامین لکھنے ترک کرنے چاہئیں .... ہمیں بے دلیل دعوے کرنے کی بجائے ایک نیا اور جاندار قسم کا چینی اسلوب اختیار کرنا چاہیے جو چین کے عام لوگوں کے کانوں اور آنکھوں کو بھلا لگتا ہو۔"

۵ مئی ۱۹۴۱ء کو کارکنوں کے ایک جلسہ میں ماؤ نے پھر اسی موضوع پر زور دیا:-

"جب مارکس اور لینن کے فلسفہ کے عالم بات کرتے ہیں تو وہ یونان کی باتیں کرتے ہیں۔ انہوں نے مارکس، اینگلز اور سٹالن کے اقوال رٹ رکھے ہیں۔ وہ وہی اقوال دہرا دیتے ہیں۔ لیکن خود اپنے بزرگوں کے بارے میں وہ معذرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھیں ان کی باتیں یاد نہیں رہیں۔"

"یہ لوگ اپنی تاریخ کو بہت کم سمجھتے ہیں یا سرے سے سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن اس پر وہ شرمندہ ہونے کی بجائے فخر کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو اپنے سرمائے سے یکسر بے خبر ہیں۔ لیکن یونان اور اجنبی دیسوں کی داستانیں (لے دے کے بس داستانیں ہی ہیں) انھیں خوب یاد ہیں۔ یہ داستانیں بے معنی طریقے پر پرانی غیر ملکی کتابوں کے انبار سے اخذ کی گئی ہیں۔ پچھلے بہت سے برسوں سے واپس آنے والے طلباء مستقل طور پر اس غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

وہ امریکہ، یورپ یا جاپان سے ہوکر آتے ہیں اور انھیں بے دے کے اتنا ہی آتا ہے کہ جو غیر ملکی عبارتیں وہ ہضم نہیں کر سکے، انھیں اگلتے رہیں۔ وہ تو بس بھرے ہوئے ریکارڈ کی طرح بولتے رہتے ہیں۔ تخلیق کے منصب کو انھوں نے فراموش کر رکھا ہے۔"

ماؤ نے جب فروری ۱۹۴۲ء میں سدھار تحریک شروع کی تو اس نے ایک مرتبہ پھر پارٹی کی رسم پسندی کی بالعموم اور غیر ملکی رسم پسندی کی بالخصوص، بڑے شدومد سے مذمت کی۔ اپنی دو طویل تقریروں میں سے دوسری میں اس نے یہ شکایت کی کہ اس کی ۱۹۳۸ء کی مارکسیت کو چینی حالات سے مطابق کرنے کی اپیل پر کان نہیں دھرا گیا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ اس اپیل پر فوراً عمل درآمد کیا جائے۔

پچھلی مئی میں ماؤ نے صرف یورپ، امریکہ یا جاپان ہو کر آنے والے طلبا پر نکتہ چینی کی تھی۔ لیکن اب یہ بات ظاہر تھی کہ جس بدیشی رسم پسندی کو وہ ختم کرنا چاہتا تھا وہ اصل میں سوویت سانچوں کی نقالی تھی۔ پس سدھار تحریک کسی حد تک پارٹی کے اندر سوویت اثرات کے غلبہ کے خلاف بھی تھی۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی جو تاریخ حال ہی میں سرکاری طور پر مرتب کی گئی ہے، اس میں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ یہ تحریک "اُن نظریہ پرستوں کے خلاف تھی جن کی نمائندگی کامریڈ وانگ منگ کر رہا تھا۔" یہ حضرات "پارٹی کے تاریخی تجربے سے بے خبر تھے، اور صرف مارکسی تحریروں سے فقرے اور الفاظ نقل کرنا جانتے تھے۔"

یہ صحیح ہے کہ سدھار تحریک کا مقصود یہ تھا کہ چینی کمیونسٹوں میں اپنی تاریخ اور روایات کی آگاہی پیدا کی جائے۔ اور انھیں چینی انقلاب کے مسائل سے آزادانہ اور جدت پسندانہ انداز میں نپٹنے کی تعلیم دی جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ تحریک سوویت دشمن تحریک تھی۔ یوں تو پارٹی کے ممبروں کے مطالعہ کے لئے بالآخر جو جلد مرتب کی گئی تھی اس کا تقریباً ایک چوتھائی مواد لینن، سٹالن اور دمتروف کی تحریروں کے ترجموں پر مشتمل تھا، اور چینی کمیونسٹوں کو روسی ساتھیوں کے خیالات اور طریقوں سے بھی آگاہ کیا جاتا تھا لیکن انھیں ساتھ ہیں یہ بھی سکھایا جاتا تھا کہ اس سارے مواد کو غیر جانبدارانہ انداز میں پرکھا جائے۔ اور صرف اُن باتوں کو چُنا اور اپنے شعور کا حصہ بنایا جائے جو مفید ہوں۔ ماؤ کا نصب العین یہ تھا کہ چین میں ایسی کمیونسٹ تحریک پنپے جو مکمل طور پر خود مختار ہو اور جس کا اپنا نظام فکر ہو، ایسا نظام

فکر جو مخصوص طور پر چینی حالات کے مطابق ہو۔

ماؤ کی ایک آزاد و خود مختار پالیسی وضع کرنے کی کوشش کے علاوہ چینی کمیونسٹ پارٹی کی الگ فلسفیانہ بنیادیں قائم کرنے کی سعی بھی قابلِ ذکر ہے۔ ینان کے زمانے میں، جس کا آغاز ۱۹۳۶ء سے ہوتا ہے، مارکسی فلسفہ پر بہت سی روسی تحریریں چینی میں ترجمہ کی گئیں اور یوں ماؤ کو پہلی بار یہ تحریریں پڑھنے کے لئے میسر آئیں۔ علاوہ اس کے ینان کے دانشوروں کے حلقہ میں کچھ تربیت یافتہ فلسفی بھی تھے، جنھوں نے اپنے طور پر روسی افکار کے مروّجہ رجحانات کو مختلف سطحوں پر مقبول بنانے کی کوشش کی روایتی طور پر اس بات پر اتفاق کیا جاتا تھا کہ عالمی کمیونسٹ تحریک میں کسی سرکردہ شخصیت کو تقدس کا مرتبہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب وہ مارکسی فلسفی (محض مارکسیت کا سیاسی مفکر نہیں) بن کر کمال حاصل کرے، اس لئے ماؤ نے اس طرز کے کچھ مضامین لکھنے کی بھی ٹھانی۔ جولائی اور اگست ۱۹۳۷ء میں اس نے دو تقریریں کیں۔ یہ تقریریں عام لوگوں میں تقسیم کرنے کی خاطر ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئیں۔ ان میں سے ایک کا عنوان 'عمل کے بارے میں' اور دوسری کا تضاد کے بارے میں تھا۔ یہ دونوں تقریریں اس لحاظ سے دلچسپ ہیں کہ وہ ایک ایسے ذہن کی عکاسی کرتی ہیں جس کی دانست میں یہ دنیا مسلسل اور پیہم تغیر میں ہے، اور اشتراکیت بھی اسے کوئی قطعی اور طے شدہ نظم و آہنگ فراہم نہیں کر سکتی۔ یہ وہ نقطۂ نظر ہے جس کا آگے چل کر 'مستقل انقلاب' کے نظریئے کی صورت میں واضح اظہار ہوا۔ لیکن اگر انھیں خالص فلسفیانہ تحریروں کے طور پر پرکھا جائے تو وہ ایک مبتدی کی کوشش نظر آتی ہیں۔ تین سال بعد ۱۹۴۰ء کے شروع میں ماؤ نے ایک اور نظریاتی مقالہ "جدلیاتی مادیت کے بارے میں" کے عنوان سے لکھا۔ یہ تحریر نہ صرف پھیکی اور بے جان تھی، بلکہ روس کی فلسفیانہ تحریروں کے تراجم کی نقل لگتی تھی۔ اس بنا پر ماؤ نے دو قسطوں کے بعد اس کی اشاعت کا سلسلہ بند کر دیا۔ ماؤ نے مارکسی فلسفی بننے کے لئے جو کوششیں کی تھیں ان کا حاصل یہ تین تحریریں ہیں۔ شاید خود ماؤ کو اپنی کوتاہیوں کا ان چینیوں کی نسبت زیادہ شعور تھا، جو آج کل اس کا نام ایک ایک نظریہ ساز کے طور پر اچھال رہے ہیں۔ بہر حال ماؤ کی عظمت اس کی فلسفیانہ حیثیت میں مضمر نہیں ہے۔ اس کی عظمت اس بات میں ہے کہ اس نے چینی کمیونسٹ پارٹی کے لئے ایسی حکمت عملی وضع کی اور ایسی تدابیر فراہم کیں جن کی جڑیں چین کے اپنے ماحول میں تھیں۔ اس نے ایک ایسے اسلوب میں

لکھ کر، جو قدیم ادب کی تلمیحوں اور قدیم چینی تاریخ کی مثالوں سے آراستہ ہے، اشتراکیت کو اپنے ہموطنوں کے لئے قابلِ فہم اور قابلِ قبول بنا دیا۔ اس نے مارکسیت کے بنیادی فلسفیانہ اصولوں کو چینی رنگ میں نہیں رنگا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ وجدانی طور پر بعض ایسی باتیں کہہ گیا ہے جو چینی فلسفیوں کی اس منزل کی طرف رہنمائی کر سکتی ہیں۔

فلسفی کی حیثیت سے ماؤ کی نگارشات کے محاسن جو بھی ہوں، بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ سنہ ۱۹۴۲-۴۴ء میں سدھار تحریک کے اختتام کے وقت تک ماؤ اپنے ساتھیوں میں یہ شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ سیاسی مسائل کو چین کے حوالے سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ اس نے یہ حقیقت بھی تسلیم کروالی تھی کہ اس کی قیادت کسی طور ماسکو کی شرمندۂ احسان نہیں ہے۔ مئی سنہ ۱۹۴۳ء میں اس نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کے ٹوٹنے کے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی پارٹی کے جداگانہ کارناموں کو خوب سراہا۔ اس نے اعلان کیا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی ایسی انقلابی تحریکوں کے سائے میں پھلی پھولی ہے جو مسلسل اور متواتر چلتی رہی تھیں اور جو غیر معمولی حد تک پیچیدہ تھیں۔ بلکہ پیچیدگی میں روسی انقلاب سے بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ کمیونسٹ پارٹی نے اس تجربے میں بہت اچھے کارکن پیدا کر لئے تھے۔ پھر یہ کہ سنہ ۱۹۳۵ء کی ساتویں کومنٹرن کانفرنس کے وقت سے انٹرنیشنل نے چینی کمیونسٹ پارٹی کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ مگر بقول ماؤ اس کے باوجود "جاپان کے خلاف قومی آزادی کی پوری جنگ میں چینی کمیونسٹ پارٹی نے اپنا کام بڑی خوبی سے انجام دیا۔"

ادھر انہیں دنوں دوسری عالمی جنگ اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ رہی تھی۔ اگرچہ ماؤ یہ ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا کہ وہ چین کا ایک آزاد و خود مختار رہنما ہے اور کسی کے زیرِ اثر نہیں ہے، لیکن عالمی صورتِ حال کے متعلق اس کے خیالات، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، کم و بیش وہی تھے جو ماسکو کے تھے۔ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں نئی جمہوریت کے موضوع پر لکھے ہوئے اپنے مضمون میں اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ سوویت یونین اور اینگلو امریکی سامراج (جرمن سامراج کا یہاں کوئی ذکر نہیں) کے درمیان جو آویزش روز بروز تیز ہوتی جا رہی ہے، اس میں چین کو جلد ہی کسی نہ کسی طرف ہونا پڑے گا۔ مئی سنہ ۱۹۴۱ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار نے روزویلٹ کی اس چال کی مذمت کی کہ اس نے امریکہ کو جرمنی کے خلاف جنگ میں جھونک دیا ہے۔ اخبار نے لکھا کہ "یہ سامراجی جنگ کو بڑھانے

پھیلانے کی سازش ہے۔"

مگر ہٹلر کے سوویت یونین پر حملہ سے ماؤ کا اندازِ نظر دفعتاً بدل گیا۔ اب ماؤ نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ امریکہ کو چاہیئے کہ سوویت یونین اور چین دونوں کو فوجی اور اقتصادی امداد دے اور اس نے امریکہ سے درخواست کی کہ جرمنی کے خلاف فوراً اعلانِ جنگ کیا جائے۔ پرل ہاربر کے واقعہ کے دو دن بعد چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ایک ہدایت نامہ جاری کیا جس میں یہ جتایا گیا کہ بحرالکاہل میں جاپان کے خلاف متحدہ محاذ میں برطانیہ اور امریکہ کی شمولیت کتنی اہمیت رکھتی ہے۔

۱۹۴۲ء میں سوویت رہنماؤں کی طرح ماؤ بھی سخت بے چین تھا کہ آخر برطانیہ اور امریکہ جارحانہ کارروائی میں کیوں کوتاہی کر رہے ہیں۔ اس نے ایک مضمون میں سٹالن گراڈ کے معرکہ کی کامیابی کو سراہتے ہوئے بڑے تلخ انداز میں لکھا کہ یہ دونوں ملک اس وقت دوسرا محاذ کھولنے کا عزم باندھیں گے جب مرے کو مارے شاہ مدار والا معاملہ درپیش ہوگا۔ اگلے برس جب اتحادیوں کی کوششیں شمالی افریقہ اور اٹلی میں رنگ لائیں تو سٹالن کی طرح ماؤ نے بھی لندن اور واشنگٹن کے بارے میں بہت دوستانہ لہجہ اختیار کر لیا اور کئی بار ان کے جنگی کارناموں کا ذکر بڑے اچھے لفظوں میں کیا۔

۱۹۴۳ء کے اواخر اور ۱۹۴۴ء کے آغاز میں خود چین کے اندر حالات میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے تحت عالمی صورتِ حال کے بارے میں ماسکو والوں کے رویّہ کے ساتھ ساتھ ماؤ کا اندازِ نظر بھی، جو کہ پہلے ہی تبدیل ہوتا جا رہا تھا، کچھ اور بدل گیا۔ ۱۹۴۱ء میں نئی چوتھی فوج کے ساتھ جو واقعہ گذرا تھا، اس کے بعد سے کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے درمیان جو رشتہ کی صورت چلی آ رہی تھی کہ بس طوعاً و کرہاً ایک دوسرے کو برداشت کر رہے تھے، اب زیادہ خراب ہو گئی۔ ادھر چیانگ اور اس کے کرائے کے مصنفوں نے قدیم چینی تہذیب کی برتری پر زور دینے والے افکار و آرا کو اچھالنا شروع کر دیا اور یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ مغرب کی نئی ایجادات فضول اور بے معنی ہیں۔ اس پر ماؤ یقیناً حیران ہوا ہوگا کہ چوتھی مئی کے زمانے میں جب اس نے چن توشو کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا تھا، اور جب جمہوریت اور سائنس کے نام پر بہت سے معرکے سر کئے تھے، ان معرکوں میں کیا اُسے واقعی کامیابی حاصل ہوئی تھی؟ چیانگ کے یہاں ان رجحانات کا نمایاں اظہار اس کی کتاب "چین کی تقدیر" میں ہوا۔ یہ کتاب ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اُس

نے اشتراکیت اور حرّیت پسندی دونوں کی مذمت کی اور دونوں کو یکساں طور پر مضرت رساں قرار دیا۔ اس نے یہ کہا "کنفوشس کا علم ہر مسئلہ پر حرفِ آخر ہے۔"

ان حالات میں ماؤ اور اس کے ساتھیوں کا جھکاؤ روز بروز امریکہ کی طرف ہوتا گیا۔ اس کی سب سے زیادہ قابلِ ذکر مثال 'لبریشن ڈیلی' کا وہ اداریہ ہے جو ۴ جولائی ۱۹۴۴ء کو شائع ہوا تھا۔ اس اداریے میں امریکہ کی جمہوری روایات کی بہت تعریف و توصیف کی گئی اور امریکہ میں اٹھارویں صدی میں جمہوریت اور قومی آزادی کے لئے جو جدوجہد کی گئی تھی اس کا واضح موازنہ چین کی بیسویں صدی والی جدوجہد سے کیا گیا۔

"چینی کمیونسٹ پارٹی اور دوسری جمہوری قوتوں کی شکل میں جمہوری امریکہ کو ایک رفیق اور سن یات سن کے نصب العین کو ایک جانشین میسر آ گیا ہے ...... جو کام ہم کمیونسٹ آج انجام دے رہے ہیں، آج سے قبل امریکہ میں واشنگٹن، جیفرسن اور لنکن نے انجام دیا تھا۔ اس کام کو جمہوری امریکہ کی ہمدردی حاصل ہو کر رہے گی۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ ہمیں اُن کی ہمدردی حاصل ہو چکی ہے۔"

امریکہ کے حق میں ان نیک جذبات کا اظہار اور ماؤ اور اس کے ساتھیوں کی یہ کوشش کہ اپنے آپ کو واشنگٹن اور لنکن کا وارث ثابت کیا جائے، اِن باتوں کا ایک سیدھا سادا عملی اور فوری مقصد تھا کہ جب چینی کمیونسٹ جمہوریت پسند ہیں اور کومنتانگ والے رجعت پسند اور اجنبیوں کے دشمن ہیں تو پھر امریکہ کے لئے مناسب یہ ہو گا کہ ساری امداد چنگ کنگ کی قوم پرست حکومت کو بخشنے کی بجائے اس امداد میں سے کچھ حصہ ینان والوں کو بھی عطا کرے۔ (اور ابھی ہم آپ دیکھیں گے کہ کمیونسٹوں نے اس قسم کی امداد کے لئے حقیقی درخواستیں بھی کیں) اس واضح طور پر میکاولی جیسے انداز نظر میں، ہو سکتا ہے کچھ خلوص اور سچائی کی بھی جھلک ہو، وہ یوں کہ امریکہ کے جو صحافی اور دوسرے سیاح جاپان کے خلاف جنگ کے دنوں میں گھومتے پھرتے ینان میں یا کمیونسٹ گوریلوں کے علاقہ میں پہنچے تھے، انہوں نے وہاں کی فضا کو کومنتانگ والے چین کی فضا کی نسبت زیادہ مانوس پایا تھا۔ وہاں انھیں دیانت، ترقی کی تمنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اخلاقی جوش و ولولہ نظر آیا۔ جس سے یہ لوگ بہت متاثر ہوئے وہ بعض اوقات اس نتیجہ پر بھی پہنچے کہ چونکہ ماؤ اور اس کے ساتھیوں میں ایک جیسی سنجیدگی فکر اور نصب العین سے وابستگی پائی جاتی ہے اس لئے ان کے آدرش بھی وہی ہونے چاہئیں جو امریکیوں

کیے ہیں۔

عجب نہیں کہ ماؤ اور اس کے ساتھی بھی اسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ اُن کے لئے یہ باور کرنا بہت حد تک ناممکن تھا کہ امریکہ 'اشتراکی جمہوریت' کا قائل ہے۔ مگر بعض امریکنوں نے یہ نتیجہ مرتب کیا تھا کہ چینی کمیونسٹ جیفرسن والی جمہوریت میں ایمان رکھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں انہونی تھیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے اور یہ بات 'لبریشن ڈیلی' کے ۴ جولائی والے اداریے سے بھی ظاہر ہے کہ مارکس اور لینن کے پیروکاروں نے ہمیشہ امریکی انقلاب کے تاریخی کردار کو بہت سراہا اور اسے بہت اہمیت دی تھی۔ ماؤ نے ابھی تک امریکہ کو سامراجی طاقتوں میں سب سے بڑھ کر رجعت پسند اور دنیا کے عوام کا سب سے بڑا دشمن گردانا تھا۔ امریکہ کو کہیں ۱۹۴۶ء میں اُس نے یوں ممیز کیا تھا۔ اس قسم کی تخصیص اس نے بہت برسوں تک جرمنی اور جاپان کے لئے روا رکھی تھی، صرف ۴۱-۱۹۳۹ء کے زمانے میں اس نے یہ حیثیت برطانیہ کو دے دی۔ خود چین کے اندر ماؤ کے خیال کے مطابق ایک طویل زمانے تک بورژوا جمہوری دور کے قائم رہنے کا امکان تھا جس میں (اقتدار کی خاطر ہی سہی) کومنتانگ کے کم از کم ایک حصہ سے اشتراکِ عمل ضروری ہوتا۔ ان حالات میں اس نے عالمی سطح پر بورژوا طاقتوں میں سب سے کم رجعت پسند طاقت سے اگر اشتراکِ عمل کا فیصلہ کر لیا تھا، تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات اور ہے اور اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے کہ ماؤ نے جب مارکس کا نام بھی نہیں سنا تھا، اُس وقت سے ہی وہ واشنگٹن کی جدوجہد آزادی سے متاثر چلا آرہا تھا۔ "آٹھ طویل اور تلخ برسوں کی جدوجہد" کے بعد کامیابی حاصل ہونے پر ۴ جولائی ۱۹۴۴ء کے دن ماؤ نے جو کچھ لکھا، اس میں اُس کے تیس برس پہلے کے توصیفی کلمات کی گونج بہت جگہ سنائی دیتی ہے۔

یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ طرفین میں خلوص کتنا تھا اور سیاسی مصلحتیں کس حد تک کارفرما تھیں، بہر حال ۱۹۴۴ء کے موسم خزاں میں ماؤزے تنگ اور امریکی حکومت کے نمائندوں کے درمیان پہلا اہم رابطہ قائم ہوا۔ اگست میں ایک امریکی فوجی مشن ایک ڈپلومیٹ جان، ایس، سروس کی معیت میں ینان میں آکر قیام پذیر ہوا۔ 'لبریشن ڈیلی' میں ایک اداریہ شائع ہوا جس کا عنوان تھا "امریکی فوجی مبصر دوستوں کو خوش آمدید"۔ اس اداریہ میں یہ توقع ظاہر کی گئی تھی کہ اس یونٹ کی بھیجی ہوئی رپورٹوں

سے امریکی فوج کو چینی کمیونسٹوں اور ان کی جدوجہد کے بارے میں نیک رائے قائم کرنے کا موقعہ ملے گا۔ خود جان سروس کو ماؤ نے یہ سمجھایا کہ "اگرچہ اس مشن سے چین والوں کو جاپان کے خلاف جنگ میں بھی فائدہ پہنچے گا، لیکن اس کی اصل اہمیت یہ تھی کہ کومنتانگ پر اس سے بہت سیاسی اثر ہو گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس مشن کا چین کے بارے میں امریکہ کی مجموعی پالیسی سے بہت گہرا تعلق تھا۔ یہ مشن اُس دوسرے مشن کے نقشِ قدم پہ تھا بلکہ اس کا نتیجہ تھا جو نائب صدر ہنری والس نے جون ۱۹۴۴ء میں چنگ کنگ بھیجا تھا اور جس نے چیانگ کائی شیک پر زور دیا تھا کہ جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لیئے یہ بہت ضروری ہے کہ چینی کمیونسٹوں سے تعلقات استوار کر لیئے جائیں۔ اسی مشن کے ساتھ وہ بحران کھڑا ہوا جو صدر روز ویلٹ کی تجویز کا ردِ عمل تھا۔ صدر روز ویلٹ نے شروع جولائی ۱۹۴۴ء میں چیانگ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ساری چینی فوجیں خواہ وہ قوم پرست فوجیں ہوں یا کمیونسٹ، براہ راست جنرل سٹل وِیل کی کمان میں دے دی جائیں۔

چینی فوجوں کی متحدہ کمان کے منصوبے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ امریکی حکومت نے تھوڑے ہی دنوں میں یہ تجویز پیش کی کہ چین میں ایک مخلوط حکومت بنائی جائے جس میں کمیونسٹ بھی شامل ہوں۔ چنگ کنگ میں موجود کمیونسٹ نمائندہ اس خیال کو فوراً ہی لے اڑا۔ اور پھر ینان میں مقیم رہنماؤں نے باضابطہ طور پر اسے قبول کر لیا۔

اکتوبر ۱۹۴۴ء میں ایک عجب واقعہ یہ گذرا کہ ماؤ نے بنفس نفیس چیانگ کائی شیک کی بد خلقی اور غیر ملکیوں سے نفرت کے مقابلہ میں اینگلو سیکسن جمہوریتوں کے رہنماؤں کی حمایت کی۔ اس واقعہ کو واشنگٹن اور ینان کی متوازی پالیسیوں کے پس منظر ہی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ ۱۰ اکتوبر کو چین کے قومی تہوار یعنی ۱۹۱۱ء کے انقلاب کی سالگرہ کے موقعہ پر چیانگ کائی شیک نے کومنتانگ کی مرکزی کمیٹی کے سامنے ایک تقریر کی اور دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ سٹل ویل والے مسئلہ میں قطعاً نہیں جھکے گا۔ ماؤ نے فوراً ہی ایک اداریہ لکھا اور چیانگ پر سخت اعتراض کیا۔ اس نے کہا کہ چیانگ اپنے اس طرزِ عمل کے سبب مزاحمتی جنگ کے رہنمائی حیثیت سے محروم ہو گیا ہے۔

"جب دنیا کی چار عظیم طاقتوں میں سے ایک کا رہنما اس قسم کی قومی تقریب پر غیر ملکی لوگوں (جن میں وزیر اعظم چرچل اور صدر روز ویلٹ بھی شامل تھے) کی سنجیدہ تنقید کو "قوم کے غداروں اور دشمن کی شرمناک اختراعات کو سند بخشنے کے مترادف" قرار دے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جمہوریہ چین کے وقار کو صدمہ پہنچایا ہے۔ چیانگ صاحب نے اپنی تقریر میں ایک بہت دلچسپ مطالبہ کیا ہے، جس کی رُو سے ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیے اور دوسروں کا مرہونِ منت ہوئے بغیر خود جنگ لڑنے کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔ (چیانگ نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر امریکہ نے مزید امداد کی شرط کے طور پر سٹل ویل کو چین پر مسلّط کرنے پر اصرار کیا تو پھر چینی جنگ کی ذمہ داری خود اٹھائیں گے) یہ چیانگ صاحب کی غیر ملکیوں سے نفرت کا مظاہرہ ہے۔ صورتِ حال یوں ہے کہ جنگ اب ایک خاص نقطہ پر پہنچ گئی ہے اور کومنتانگ کی حکومت اور ہائی کمان کی نااہلیت اور بددیانتی کے پیشِ نظر بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ چین کے میدان جنگ میں ایک متحدہ اتحادی ہائی کمان قائم ہونی چاہیئے۔ عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کا دارومدار ہی غیر ملکی امداد پر تھا اور جو غیر ملکی امداد کو جادو کی چھڑی سمجھتے تھے، انہوں نے بھی اس مطالبے کو رَد کرنے کی خاطر خود مختاری اور استحکام کی باتیں کرنی شروع کر دی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ یہ مطالبہ بھی کر رہے ہیں کہ ہم جنگ کو بے منتِ غیر لڑنے کی ذمہ داری قبول کریں۔"

سٹل ویل کو چینی افواج کا سربراہ مقرر کرنے کے بارے میں جو مخالفت ہوئی، اس میں چیانگ کائی شیک کی مکمل جیت ہوئی اور سٹل ویل کو واپس بلا لیا گیا۔ اس کی جگہ جنرل ودمیر کو بھیجا گیا، جس کے بارے میں روز ویلٹ نے اس قسم کا کوئی تقاضا نہیں کیا کہ چینی افواج کو اُس کی کمان میں دیا جائے۔ امریکی سفیر گاس کو جس نے سب سے پہلے ایک مخلوط حکومت، جس میں کمیونسٹ بھی شامل ہوں، قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی، ہٹا کر پیٹرک ہرلی کو سفیر مقرر کیا گیا۔ ہرلی ہی وہ شخص تھا جس نے صدر کو یہ سفارش بھیجی تھی کہ سٹل ویل کو واپس بلا لیا جائے۔

چین میں ہرلی کی پالیسی کا بنیادی نقطہ تو یہی تھا کہ چیانگ کائی شیک کی حمایت کی جائے۔ لیکن شروع میں اس نے کمیونسٹوں کے بارے میں معاندانہ روش اختیار نہیں کی۔ اس کا طرزِ عمل خاصا دوستانہ تھا۔ اس طرزِ عمل کی بنیاد جیسا کہ ہانگ ڈسنے واضح طور پر ثابت کیا ہے۔ وہ خوش فہمیوں

پر تھی - ایک خوش فہمی تو اُسے یہ تھی کہ ماؤ اور اس کے ساتھی واقعی اور حقیقی کمیونسٹ نہیں ہیں۔ دوسرے اسے یہ بھی گمان تھا کہ کمیونسٹ اتنے کمزور ہیں کہ انھیں بالآخر چیانگ سے اشتراکِ عمل کرنا ہی پڑے گا۔ خاص طور پر جبکہ روس کی پالیسی بھی انھیں اسی اشتراک پر مجبور کرے گی۔ لہٰذا ہرلی باضابطہ طور پر سفیر مقرر ہونے سے قبل ہی بذریعہ ہوائی جہاز ینان پہنچا تاکہ ماؤزے تنگ سے براہ راست گفت وشنید کرسکے۔

ہرلی کے سیاسی طرزِ عمل پر شروع شروع میں ماؤ ضرور سٹپٹایا ہوگا۔ ینان کے ہوائی اڈے پر ہرلی نے امریکی ریڈ انڈینوں کی ہاؤ ہُو کے ساتھ چینی کمیونسٹوں کا سواگت کیا۔ لیکن وہ ایک پنج نکاتی معاہدے کا خاکہ بھی ساتھ لایا تھا۔ یہ کمیونسٹوں اور کومنتانگ کے درمیان ایسے معاہدے کا خاکہ تھا جو میزبانوں کے مزاج کے عین مطابق تھا۔ ماؤ کے ساتھ ہرلی دو دن اور دو رات گفت وشنید کرتا رہا۔ ہرلی کے بیان کے مطابق یہ گفت وشنید سخت کٹھن تھی لیکن انتہائی دوستانہ ماحول میں ہوئی۔ اس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ مجوزہ معاہدے پر نظرثانی کی گئی اور ایک نیا مسودہ تیار کیا گیا اور ماؤ نے ۱۰ر نومبر کو باضابطہ طور پر اس پر دستخط کئے۔ ہرلی نے بھی ذاتی طور پر متن کی حمایت کرتے ہوئے اس پر دستخط کر دیئے۔

ہرلی کو یہ پورا معاہدہ اس لئے قابلِ قبول تھا کہ اس میں ایک فیصلہ کن شرط شامل تھی، جو یہ تھی کہ "جاپان کے خلاف لڑنے والی تمام فوجیں مخلوط قومی حکومت اور اس کی متحدہ قومی کونسل کے احکامات کی تعمیل کریں گی۔" ماؤ اور اس کے رفقاء کو چند دوسری شرائط کے بدلے میں جو اسی معاہدے میں شامل تھیں، یہ عہد کرنے میں کوئی عذر نہ تھا۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ مجوزہ مشترکہ حکومت میں اور تو منظم فوجی کونسل میں کمیونسٹوں کو نمائندگی ملے گی۔ نئی حکومت پر لازم ہوگا کہ جمہوری آزادیاں بحال کرے اور غیر ممالک سے جو ذخائر فراہم ہوں، اُن کی تقسیم مساویانہ ہو۔ لیکن یہ شرائط چیانگ کائی شیک کو کسی صورت منظور نہیں تھیں ہرلی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر چیانگ ٹس سے مس نہ ہُوا۔ وہ بصد مشکل ایک تین نکاتی تجویز منظور کرنے پر رضامند ہُوا، جس میں شہری حقوق کا مبہم اور مشروط وعدہ کیا گیا تھا۔ اُس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ حکومت پر صرف کومنتانگ کا تصرف رہے گا، اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی گوارا نہیں کی جائے گی۔ چیانگ کی نظر میں صرف انہی شرائط پر کومنتانگ کی قومی فوج کا کمیونسٹوں سے اشتراک ممکن ہو سکتا تھا۔ ان حالات میں اس واقعہ پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ ۱۲ر نومبر

۱۹۴۴ء کو ماؤزے تنگ نے ہرلی کو تار دیا کہ چونکہ قومی حکومت نے مناسب خلوص اور رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا اس لئے گفت و شنید کا جاری رکھنا ممکن نہیں ہے۔

چینی کمیونسٹ رہنما، چیانگ کی طرف سے بالکل مایوس ہو چلے تھے، لیکن انھیں ہنوز یہ امید تھی کہ امریکہ کی کارآمد امداد حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ فروری ۱۹۴۵ء میں چوتے نے امریکہ سے دو کروڑ ڈالر کے قرض کا مطالبہ کیا، تاکہ کٹھ پتلی نانکنگ حکومت کی فوج میں سے دستوں کو توڑنے کے منصوبے کی ہمت افزائی کی جا سکے، لیکن ہرلی نے اس مطالبے کو ردّ کر دیا۔ اس کا اصرار تھا کہ ساری امریکی امداد قومی حکومت ہی کے واسطے سے تقسیم ہونی چاہیے۔ چنانچہ امریکہ اور چینی کمیونسٹوں کے درمیان مختصر سے عرصے کے لئے محدود پیمانے پر جو اشتراک قائم ہوا تھا، اس کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہ ہو سکا، تاہم ماؤ نے امریکہ کے بارے میں اپنا دوستانہ رویہ کچھ عرصے کے لئے برقرار رکھا۔ ۱۳ر اپریل ۱۹۴۵ء کو اس نے صدر ٹرومین کے نام ایک تار اپنے دستخط سے بھیجا، جس میں صدر روز ویلٹ کی موت کے موقعہ پر اظہار ہمدردی کیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے دس دن بعد جب چینی کمیونسٹ پارٹی کی ساتویں کانفرنس میں ماؤ نے اپنی رپورٹ پیش کی تو اس میں بھی بہت سی ایسی عبارتیں تھیں (جو اب حذف کر دی گئی ہیں) جن میں جنگی مساعی میں اور خود چین کی جدوجہد کے سلسلہ میں امریکہ کی امداد کی تعریف کی گئی تھی۔

یہ فضا کب بدلی، اس کا تاریخی تعین بہت آسانی اور صحت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ابتدا جون ۱۹۴۵ء میں "امریشیا" کے قصہ سے ہوئی، جب جان سروس کو اس بنا پر گرفتار کر لیا گیا کہ اُس نے اپنی رپورٹوں کی نقلیں اشاعت کی خاطر فلپ جافے کو جو "امریشیا" کا مدیر تھا، دے دی تھیں۔ یاد رہے کہ ۱۹۴۴ء کے اواخر اور ۱۹۴۵ء کے آغاز میں جان سروس نے امریکی فوجی مشن کے ساتھ ینان میں چھ ماہ گذارے تھے اور جافے وہ شخص تھا جس نے چیانگ کائی شیک کی کتاب "چین کی تقدیر" کا ترجمہ بغیر کسی تحریف کے کیا تھا۔ اس باعث جافے کے بارے میں بھی ینان میں لوگوں کی رائے بہت اچھی تھی۔ چنانچہ کمیونسٹ پریس نے اس واقعہ پر بہت شدت سے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔ "لبریشن ڈیلی" کے ایک اداریے میں ان گرفتاریوں کی توجیہہ دل کی گئی کہ چین کے بارے میں امریکہ کی پالیسی اب بدلنے لگی ہے۔ اس اداریے میں کہا گیا کہ کمیونسٹ امریکی عوام سے کوئی عناد نہیں رکھتے، اور نہ ہی انھیں امریکی حکومت سے کوئی

دشمنی ہے۔ انھیں تو ہرلی کی قبیل کے امریکی سامراجیوں سے بیر ہے۔ یہ اداریہ شروع سے آخر تک تلخ اور جارحانہ رنگ کا حامل تھا۔ اسی کے آخر میں خبردار کیا گیا تھا کہ اگر امریکی حکام نے چینی رجعت پسندوں کی امداد کرنے کا فیصلہ کیا تو چینی عوام انھیں ویسا ہی سبق دے دیں جس کے وہ مستحق ہیں۔

اس قسم کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ آیا ماؤ نے یہ اداریہ خود لکھا تھا۔ لیکن وسط جولائی میں دس دن کے اندر اندر ماؤ نے بغیر کسی نام کے تین مضامین لکھ کر ینان کے اخباروں میں چھپوائے جن میں ہرلی اور چیانگ کائی شیک کے اتحاد کا دیوالہ نکل جانے کی سخت مذمت کی گئی تھی۔ بلاشبہ وہ اب بھی اس بات پر زور دیتا تھا کہ چینی اور امریکی عوام کے مفادات مشترک ہیں، وہ یہ بھی تسلیم کرتا تھا کہ چند ایک سیاست دان اور فوجی اور عام امریکیوں کی ایک بڑی تعداد چینی عوام کی آزادی کی لگن کی قائل تھی۔ لیکن ماؤ کا لہجہ اب بھی ویسا ہی تحکمانہ تھا، جتنا 'امریشیا' کے واقعہ کے سلسلے میں اداریہ کا لہجہ تھا۔ اور وہی ایک ذکر اُس کی زبان پر تھا کہ جب سے ہرلی مصالحت کی کوشش میں ناکام ہُوا تھا اس وقت سے وہ کمیونسٹوں کے مقابلہ میں ساری مدد چیانگ کو دینے کی پالیسی کا وکیل بن گیا تھا۔ اور یہ بھی کہ اگر امریکہ نے یہ پالیسی اختیار کی تو "وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر ایسا بوجھ لادے گا جو اسے لے بیٹھے گا"۔ ۱۳ جولائی ۱۹۴۵ء کو ڈیموکریٹک لیگ کے دو نمائندوں سے، جو اس وقت ینان آئے ہوئے تھے، گفتگو کے دوران ماؤ نے اور بھی زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے کہا کہ "اِن زنگ آلود رائفلوں سے میں جاپان کا مقابلہ کر چکا ہوں اور انہی کے بل بوتے پر میں امریکہ سے بھی ٹکرا سکتا ہوں۔ لیکن سب سے پہلا کام ہرلی کو نکال باہر کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔" بہر حال ینان اور واشنگٹن کے درمیان اس کشیدگی کے ساتھ ساتھ جاپان کی شکست سے چین کی اندرونی سیاست بھی ایک ناگزیر بحران سے دوچار ہونے کے قریب تھی۔

ماؤزے تنگ نے جب اپنی سیاسی زندگی کے اس نئے مرحلہ کے لئے کمر باندھی تو پہلے اس نے چینی کمیونسٹ پارٹی کی تنظیم اور فکری نہج پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ اپریل ۱۹۴۵ء کو منعقد ہونے والی ساتویں کانگرس میں ایک نیا جماعتی آئین منظور کیا گیا۔ اس آئین کی تمہید میں ماؤزے تنگ کے افکار کو باضابطہ طور پر پارٹی کے پورے کام کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ لیو شاؤ چی نے ماؤ کی بہت تعریف کی اور کہا

کہ ماؤ نہ صرف چینی تاریخ کا سب سے بڑا انقلابی اور مدبر ہے بلکہ اُس کا سب سے بڑا نظریہ ساز اور سائنس دان بھی ہے۔"

حقیقی ماؤ پرستی کا مکمل اظہار تو اس کانفرنس میں ہوا اور اب تک ہو رہا ہے۔ لیکن دیکھا جائے تو اس کا بیج ۱۹۴۲-۴۴ء کی سدھار تحریک کے ساتھ ہی پڑ گیا تھا۔ ۲۳ جنوری ۱۹۴۳ء کو سدھار تحریک شروع ہونے سے ذرا پہلے ماؤ نے سرحدی علاقے کی افواج کے سیاسی کارکنوں کے نام ایک حکم جاری کیا تھا، جس میں انھیں ہدایت کی گئی تھی کہ "چوتھی فوج کی نویں کانفرنس کی قرارداد" کی کئی ہزار کاپیاں چھاپی جائیں اور کمپنی کمانڈر کے عہدے تک کے فوجیوں میں تقسیم کی جائیں۔ جن لوگوں کو یہ کاپی ملے وہ اسے نصابی کتاب تصور کریں اور غور سے اس کا مطالعہ کریں۔ ماؤ نے کہا کہ "ہر شعبے کے لوگوں کو یہ تحریر نہایت غور و فکر کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔" اس قرارداد کو، جو ۱۹۲۹ء میں لکھی گئی تھی، خود ماؤ نے تحریر کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود اپنی تحریروں کو غور و فکر سے پڑھنے کا حکم صادر کر رہا تھا۔ ماؤ پرستی کا مزید اظہار ان مزدور رہنماؤں کے پیغامات میں نظر آئے گا جنھوں نے ۱۹۴۳ء سے ینان پہنچنا شروع کر دیا تھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ ماؤ "چینی عوام کی نجات کا ستارہ ہے" ماؤ کے لئے اس قسم کے اور بھی بہت سے القاب ہمیں ملتے ہیں۔

سدھار تحریک کی طرح، جس نے ماؤ پرستی کے لئے زمین ہموار کی تھی ۱۹۴۵ء میں ماؤ پرستی کی رَو میں بھی مارکسیت کو چینی رنگ میں رنگنے پر اصرار قدرتی بات تھی۔ لیو شاؤ چی نے جب ساتویں کانفرنس میں اپنی رپورٹ پیش کی تو اس پہلو سے ماؤ کی بہت تعریف کی۔ ماؤ کے افکار کے بارے میں اس نے یہ بات بھی کہی کہ "یہ مارکسیت کو قومی سانچہ میں ڈھالنے کی ایک قابلِ قدر مثال ہیں۔"

اس موقعہ پر لیو نے خالص نظریات کے دائرے سے گذر کر ایک دعویٰ یہ بھی کیا کہ ماؤ کے افکار عالمی انقلابی تحریک میں اپنا اثر دکھائیں گے۔ یوں بالواسطہ طور پر وہ یہ کہہ گیا کہ عالمی انقلابی تحریک میں چینی کمیونسٹ پارٹی ایک اہم کردار ادا کرے گی۔ اس نے لکھا کہ "تمام ملکوں کے عوام کی نجات کے لئے جو تحریک چل رہی ہے اس میں بالعموم اور مشرق کے عوام کی تحریکِ آزادی میں بالخصوص ماؤ کے افکار عظیم اور مفید کام انجام دیں گے۔" ۱۹۳۶ء میں ماؤ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جب چینی انقلاب کامیاب ہو جائے گا تو بہت سے نو آبادیاتی ممالک کے عوام چین کی مثال پر عمل کر کے اپنے

مقصد میں کامیابی حاصل کریں گے۔ اور ۱۹۴۰ء میں اس نے یہ لکھا تھا کہ نو آبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ممالک میں جو بھی انقلاب آئے گا وہ انقلاب چین کی طرح نئے جمہوری رنگ کا حامل ہوگا۔" ان بیانات کی توجیہہ سیدھے سادے انداز میں تو یہ کی جاسکتی ہے کہ ماؤ اس بات پر زور دے رہا تھا کہ سب محکوم ممالک کے درمیان یکجہتی کا رشتۂ اتحاد ہے، اور وہاں پر موجود سیاسی صورتوں میں ایک خاندانی مشابہت ہے لیکن لیوشاؤچی نے پہلی مرتبہ یہ خیال پیش کیا کہ چین، ایشیا و افریقہ میں برپا ہونے والے سامراج دشمن انقلابات کا محض پیشرو ہی نہیں بلکہ ان کا ہادی و رہنما بھی ہے۔ لیو نے اپنے اسی خیال کو آنے والے چند برسوں میں نکھارا اور بہت واضح روپ دیا۔

روس میں ماؤ کے قیادت کے دعوے کو اُس کے مارکسیت کو چینی سانچے میں ڈھال لینے کے دعوے سے بھی زیادہ ناپسند کیا گیا۔ چینی کمیونسٹوں اور سوویت روس کے درمیان سیاسی مفادات کے ذیل میں جو اختلافات تھے ان میں اس اختلاف کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور یہ ایسا اختلاف تھا جس کے باعث ماؤ اور اُس کے روسی ساتھیوں کے تعلقات بار بار کشیدہ ہوئے۔

۱۹۴۵ء کے موسم بہار میں جس پالیسی کا اعلان کیا گیا اُس میں واضح طور پر چین میں کمیونسٹوں کی مدد سے مخلوط حکومت قائم کرنے کے نصب العین کا تعین کیا گیا تھا اور یہ نصب العین ماؤزے تنگ اور سٹالن دونوں کا مشترکہ تھا۔ یہاں تک کہ اپریل میں منعقد ہونے والی ساتویں کانفرنس میں ماؤ نے جو طویل رپورٹ پیش کی تھی اس کا عنوان بھی "مخلوط حکومت کے بارے میں" ہی تھا۔ سوویت والوں نے بھی اسی نعرے کی حمایت کی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ماسکو اور ینان میں مختلف باتوں کو فوقیت دی جا رہی تھی۔ بہر حال ماؤ اور سٹالن دونوں کو یہی توقع تھی کہ چین میں آخر کار اشتراکیت ہی کی فتح ہوگی اور دونوں کا یہ بھی خیال تھا کہ چینی کمیونسٹ ابھی اتنے مضبوط نہیں ہو سکے ہیں کہ فوراً حکومت کی قیادت سنبھال لیں۔ (منتخب تصانیف، کے مروجہ اڈیشن میں شائع ہونے والی ماؤ کی رپورٹ میں اس قسم کے اشارے موجود ہیں مگر یہ اشارے اس وقت اضافہ کئے گئے تھے۔ جب یہ واقعہ گذر چکا تھا) لیکن ماؤ کی ساری توجہ اس بات پر تھی کہ وہ کسی طور اپنی منزلِ مقصود کے حصول کی بنیاد رکھے۔

ادھر سٹالن کا مسئلہ دوسرا تھا۔ یالٹا میں روزویلٹ نے روسی مطالبات تسلیم کر لئے تھے مثلاً ایک مطالبہ یہ تھا کہ پورٹ آرتھر میں ایک بحری اڈہ قائم کیا جائے۔ چیانگ ان مطالبات کو پورا کرنے پر رضامند ہو گیا

تھا۔ سٹالن کو اب اس بات کی فکر تھی کہ کھلم کھلا خانہ جنگی کا چیانگ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ہیروشیما اور ناگاساکی پر بمباری کی وجہ سے جاپان کی قوتِ مدافعت یکدم ختم ہو گئی۔ ماؤ اور سٹالن دونوں کی توقعات کے برعکس اس واقعہ کے پیشِ نظر انھیں بہت عجلت میں ایسے قطعی فیصلے کرنے کی ضرورت پیش آئی، جو مستقبل کے لئے بے انتہا اہمیت رکھتے تھے۔ سب سے اہم سوال یہ تھا کہ چین میں جاپان اور اُس کی کٹھ پتلی فوجیں جو اب ہتھیار ڈال رہی تھیں۔ ان کے بارے میں کیا رویّہ اختیار کیا جائے۔ جاپان نے ۱۴ اگست کو ہتھیار ڈالے اور اسی روز سٹالن یالٹا میں طے شدہ فیصلہ کے مطابق چنکنگ کی حکومت سے دوستی اور باہمی اشتراک کا ایک معاہدہ کر چکا تھا۔ اگر اس معاہدے پر ایمانداری سے عمل درآمد کیا جاتا تو چیانگ کائی شیک کو اس طرف سے بہت اطمینان حاصل ہو جاتا۔ ایک ضمنی معاہدہ اور ہوا جس کے مطابق یہ قرار پایا کہ منچوریا میں سوویت افواج کے مفتوحہ علاقوں میں سے اگر کوئی علاقہ فوری فوجی کارروائیوں کا منطقہ نہیں رہے گا تو اسے چینی قومی حکومت کے نمائندوں کے انتظام میں دے دیا جائے گا۔ ماسکو میں گفت و شنید کے دوران سٹالن نے ۱۰ اگست کو چیانگ کے وزیر خارجہ ٹی وی سونگ کو بہت خشک مزاجی سے خبردار کیا تھا کہ اگر اس صلح نامے پر فوراً دستخط نہ ہوئے تو منچوریا میں جو لوگ پہلے داخل ہوں گے وہ چینی کمیونسٹ ہوں گے۔

ماؤ کی قطعی نیت یہ تھی کہ اس کی کمان میں لڑنے والی فوجیں جہاں جہاں ممکن ہو جاپانیوں اور کٹھ پتلی فوجوں سے ہتھیار رکھوا لیں تاکہ کمیونسٹ علاقے کی توسیع و استحکام کی کوشش کے دوران ہتھیاروں کے اہم ذخیرے بھی ہاتھ آ جائیں۔ ۱۰ اگست کو چوتے نے اس پالیسی کو ٹھوس طریقے سے جامۂ عمل پہنایا۔ اس نے اپنی کمان میں لڑنے والی تمام فوجوں کو حکم دیا کہ وہ اُن تمام شہروں، قصبوں اور رسل و رسائل کے سلسلوں پر، جو دشمن کے پاس ہیں، قبضہ کر لیں اور جاپانی اور کٹھ پتلی فوجوں سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کریں۔ ادھر چیانگ نے فوراً ایک جوابی حکم جاری کیا۔ کمیونسٹ فوجوں کے تمام دستوں کو یہ ہدایت کی کہ جب تک مزید ہدایات نہ موصول ہوں جو جہاں ہے، وہیں رہے۔ اسی کے ساتھ دشمن سے ہتھیار رکھوانے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ اس پر ماؤ نے ینان کے اخباروں میں پھر ایک گمنام مضمون لکھا جس میں چیانگ کو بہت بُرا بھلا کہا گیا۔ اسے فسطائیوں کا سرغنہ، مطلق العنان اور غدّار ٹھہرایا گیا۔ اس لئے کہ وہ اپنے ہموطنوں سے اشتراکِ عمل کرنے کی بجائے دشمنوں کا ساتھ دیتا تھا۔

(۱۱ اگست کو چیانگ نے ایک اعلان جاری کیا تھا جس میں کٹھ پتلی کمانڈروں کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ وہ چنگ کنگ کی اطاعت قبول کریں) ماؤ نے اپنے مضمون میں لکھا کہ یہ معاملہ اگر اس زاویے سے پرکھا جائے کہ کس فوج نے جاپان کے خلاف جنگ میں کتنا حصہ لیا تھا تو دشمن فوجوں سے ہتھیار رکھوانے کا حق کمیونسٹ فوجوں کا ہی بنتا ہے ۔ آخر میں اس نے تین اتحادی طاقتوں سے یہ اپیل کی کہ جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے سوال پر جو باہمی گفت و شنید ہو رہی ہے اس میں چوتھے کو نمائندے بھیجنے کا حق ملنا چاہیئے

مشکل سے ڈیڑھ ہفتے گزرے ہوں گے کہ ماؤ اس شخص کی دعوت پر جسے وہ ابھی (گمنام طور پر سہی) فسطائی اور غدار کہہ رہا تھا ۔ چنگ کنگ پہنچ گیا ۔ روانہ ہوتے وقت اس نے پارٹی کے حلقوں میں بھیجنے کے لئے ایک گشتی چٹھی تحریر کی جس میں اس نے اپنی پالیسی کی وضاحت کی ۔ پہلی بات اس نے ملک میں توازن اقتدار کے بارے میں کی ۔ اس نے لکھا کہ "جاپانی حملہ آوروں نے جس تیزی سے ہتھیار ڈالے ہیں اس کی وجہ سے ساری صورت حال بدل گئی ہے ۔ ان کی دست برداری کو تسلیم کرنے کا سارا اختیار چیانگ کائی شیک نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اس لئے فی الحال بڑے شہروں اور رسل و رسائل کے اہم سلسلوں پر ہمارا قبضہ نہیں ہو سکے گا" کمیونسٹ فوجوں کو چاہیئے کہ اس صورت حال کو خاموشی سے قبول کر کے نہ بیٹھ جائیں ۔ اس کے برعکس انھیں کوشش کرنی چاہیئے کہ جتنا کچھ ان کے ہاتھ لگے ، حاصل کر لیں ۔ یہ کوشش بالخصوص شمالی چین میں جاری رہنی چاہیئے ۔ لیکن ان فوجی امکانات کے علاوہ بھی کچھ امکانات موجود تھے ۔ چونکہ سوویت یونین امریکہ اور برطانیہ سب ہی چین میں خانہ جنگی کے خلاف تھے اس لئے ممکن تھا کہ کومنتانگ اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے ارکان ایک دوسرے کی حیثیت کو مشروط طور پر تسلیم کر لیں جس سے پُرامن اشتراکِ عمل کے لئے راہ ہموار ہو جانی ممکن ہے ۔ بعد ازاں اس اشتراک کے دوران کمیونسٹوں کو قانونی ذرائع سے شہروں میں اپنا دائرۂ اثر بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ ادھر سے چیانگ یقیناً آزاد شدہ علاقوں میں تخفیف کے مطالبے کرے گا ۔ اس ادلے بدلے میں ممکن ہے کہ کمیونسٹوں کو بعض مطالبات یہ سوچ کر تسلیم کرنے پڑ جائیں کہ اس سے چین میں اور باہر رائے عامہ ان کے حق میں ہو جائے گی ۔ لیکن ان کی حکمت عملی کے بنیادی اصول وہی رہیں گے ۔ جو ہمیشہ سے ہیں کہ "پختہ یقین کے ساتھ ، فائدے کے پہلو دیکھ کر اور نظم و ضبط کا دامن نہ چھوڑتے ہوئے معرکہ آرائیاں کی جائیں ۔ تضادات سے

فائدہ اٹھایا جائے، اکثریت کے دل موہ لئے جائیں، بہت کم لوگوں کی مخالفت کی جائے اور دشمنوں کو ایک ایک کر کے کچلا جائے۔"

۱۹۲۶ء کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ان دو دشمنوں کا چنگ کنگ میں آمنا سامنا ہوا۔ ماؤ اور چیانگ دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ قوم صرف چین کے مستقبل کے متعلق دو تصورات میں سے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، کسی ایک کا چناؤ نہیں کرے گی، یہ بھی دیکھے گی کہ کس تصور کی ترجمانی کون آدمی کر رہا ہے۔ اس سے چند ہفتے پہلے ماؤ نے ینان میں ایک نو وارد سے کہا تھا کہ "چیانگ صاحب تو یہ سمجھتے ہیں کہ بالعموم آسمان پر دو سورج نہیں چمک سکتے اور ایک قوم کے دو حاکم نہیں ہو سکتے۔ مگر مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میرا مکمل ارادہ یہ ہے کہ میں چیانگ کو آسمان پر دو سورج چمکتے ہوئے دکھاؤں گا۔" چنگ کنگ پہنچنے کے چند ہی دن بعد اس نے ایک واقف کار کو اپنی نظم 'برف' کی ایک نقل دی۔ یہ نظم اخباروں میں چھپ گئی اور یہ ماؤ کی بہترین نظموں میں سے ہے۔ چیانگ کے مقابلے میں، جو بہت نفاست پسند اور خوش پوش آدمی تھا۔ ماؤ کی ظاہری ہئیت عجب بے ڈھنگی سی تھی لیکن اس نظم سے جو تاثر پیدا ہوا اس نے یقیناً اس کے بے ڈھنگے پن کی تلافی کر دی ہوگی۔

چنگ کنگ میں قیام کے دوران میں ماؤ پینتالیس دن تک گفت و شنید کرتا رہا۔ بیچ بیچ میں دعوتوں اور تقریبات کے اہتمام ہوئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فریقین میں سے کوئی بھی یہ بدنامی مول نہیں لینا چاہتا تھا کہ اس نے پُر امن حل کی راہ میں روڑا اٹکایا ہے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ ماؤ اور چیانگ میں مفاہمت کی کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ کیمونسٹوں کو یہ احساس تھا کہ فی الحال وہ اتنے باثر نہیں ہیں کہ قومی حکومت میں شرکت کے لئے اصرار کریں۔ اس وجہ سے انہوں نے مخلوط حکومت کا مطالبہ ترک کر دیا۔ اور یہ تقاضا کیا کہ چیانگ کائی شیک کے تحت موجودہ حکومت کو جمہوری بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ ماؤ کی پیش گوئی کے عین مطابق کیمونسٹوں کو آزاد علاقوں میں سے چند علاقے چھوڑنے پڑے اور انہوں نے اپنی فوج کو کم کر کے بیس ڈویژنوں تک لانے کی حامی بھی بھر لی، اس شرط پر کہ حکومت بھی اپنی فوجوں میں اسی نسبت سے تخفیف کرے۔ لیکن انھیں اصرار تھا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کا ایک مضبوط و مستحکم مرکز ہر صورت میں برقرار رکھیں گے اور اس کے لئے ایک علاقے پر قبضہ رکھیں گے۔ یعنی وہ ریاست کے اندر ایک ریاست بنانے پر مُصر تھے۔ ماؤ

کا واضح استدلال یہ تھا کہ اگر وہ حالات کو کسی طور جوں کا توں رکھنے میں کامیاب ہو جائے تو کومنتانگ کی بدعنوانیوں اور نااہلی کے سبب جس کا لازمی نتیجہ سیاسی اور عسکری تنظیم کا انتشار ہو گا، ملک کی قیادت خود بخود کمیونسٹوں کے ہاتھ آ جائے گی، بشرطیکہ وہ سیاسی اور عسکری طریقوں کے صحیح امتزاج کو استعمال میں لائیں۔ ادھر اپنے طور پر چیانگ کا عزم یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو وقت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گا بلکہ کمیونسٹوں کی فوجی طاقت کو فوری طور پر کچل کر رکھ دے گا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو دونوں کے درمیان ایک عارضی معاہدہ ہوا اور ماؤ چنگ کنگ سے رخصت ہوا۔ لیکن ابھی اس معاہدے کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ چیانگ نے کمیونسٹوں کے علاقوں پر زور شور سے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ چیانگ نے یہ اقدام اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ ماؤ کے خیالات سے متفق تھا، اس لئے چاہتا تھا کہ حالات وہی رُخ اختیار کریں جو کمیونسٹوں کے لئے سازگار ہو۔ اس کا اقدام تو اس خوش فہمی کا نتیجہ تھا کہ اُس وقت وہ بہت طاقتور ہے۔

چیانگ کو اپنے طاقتور ہونے کا اطمینان کئی اسباب سے حاصل ہوا تھا، ایک تو اس کا حوصلہ امریکہ کی پشت پناہی کے سبب بڑھا۔ امریکہ کی پالیسی گو محتاط تھی تاہم اس کی حمایت کا سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ بالخصوص چیانگ کو اپنی فوجوں کو شمال کی سمت میں پہنچانے میں تاکہ وہ کمیونسٹوں سے پہلے منچوریا کے زیادہ علاقوں پر قبضہ کرے، بہت امداد حاصل ہوئی۔ پھر چیانگ کو یہ گمان بھی تھا کہ اُس کی ملک کو سیاسی طور پر متحد کرنے کی کوشش میں روس بھی کسی نہ کسی حد تک اس کا حامی ہے یا حامی نہ سہی کم از کم مشفقانہ انداز میں غیر جانبدار ضرور ہے جیسا کہ سٹالن نے ٹی وی سونگ سے کہا تھا، جب موخر الذکر جولائی میں گفت و شنید کے لئے ماسکو گیا ہوا تھا، سٹالن کے بیان کے خلوص کی توثیق یوگوسلاویہ کے ذرائع سے حاصل ہونے والی مشہور خبر سے بھی ہوتی ہے جو یہ تھی کہ سٹالن نے ۱۹۴۸ء میں ایڈورڈ کاردیج سے یہ کہا تھا کہ اوّل الذکر نے جنگ کے بعد چینی کمیونسٹوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی فوج توڑ کر چیانگ کائی شیک کی حکومت میں شامل ہو جائیں اس لئے کہ چین میں بغاوت اور شورش کے فروغ کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

اصل میں چین میں روسی پالیسی کچھ غیر مستقل اور متضاد نظر آتی ہے۔ جاپانیوں کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد تین ماہ تک سُرخ فوج نے چینی کمیونسٹوں کو منچوریا میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے میں بہت مدد دی۔

یوں کہ اس فوج نے چوتے کی فوجوں کو اہم علاقوں میں داخل ہونے کی اجازت دے دی اور قوم پرستوں کو وہاں قدم نہیں رکھنے دیا۔ نومبر میں ماسکو نے اس کا بالکل متضاد طرزِ عمل اپنا لیا۔ یعنی اب چیانگ کی فوجوں کو بعض ایسے مقامات پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی جس پر پہلے چینی کمیونسٹوں کا قبضہ تھا۔ پھر مارچ و اپریل ۱۹۴۶ء میں، یعنی اُن دنوں میں جب روس قطعی طور پر اس علاقے سے دستبردار ہو رہا تھا، ایک مرتبہ پھر چینی کمیونسٹوں کی حمایت و امداد کی گئی۔ تانگ زو نے یہ تو ٹھیک کہا ہے کہ چین کے بارے میں روس کے رویّے میں جو تضاد اور پریشان کن پہلو نظر آتا ہے درصل ماسکو والوں کی مطابقت کی کوشش کی نشاندہی کرتا ہے۔ ماسکو والے حالات کو اپنی نظر سے دیکھ کر اپنی بنیادی پالیسی کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن تانگ زو نے جو یہ کہا ہے کہ روس کی بنیادی پالیسی صاف طور پر یہ تھی کہ قوم پرستوں سے عناد برتا جائے اور کمیونسٹوں کی حمائت کی جائے، اس پر یقین کر لینا ممکن نہیں۔ بنیادی پالیسی میں ابہام کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ کہ سٹالن کو باقی دوسرے معاملات سے بڑھ کر سوویت مملکت کے تحفظ کی فکر تھی اور دوسرے یہ کہ جس زندہ و متحرک انقلابی تحریک پر اس کا اختیار نہیں ہو سکتا تھا اس کے بارے میں وہ گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ سٹالن جن حالات کے پیشِ نظر پالیسی میں ترمیم کر رہا تھا اور جن سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ خود بہت زیادہ پیچیدہ اور مبہم تھے۔ چین کے اندر کمیونسٹوں اور قوم پرستوں دونوں کو یقین تھا کہ اُن کے درمیان افتراق ناگزیر ہے، لیکن دونوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ عام لوگوں کی نظروں میں افتراق کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ اس لئے ماؤ اور چیانگ، دونوں میں سے کسی کی پالیسی بھی واضح اور عیاں نہیں تھی۔ اس صورتِ حال سے جو بے یقینی پیدا ہوئی، اُس میں مزید اضافہ امریکہ کی متضاد، غیر حقیقت پسندانہ اور متذبذب پالیسی نے کیا۔ چین میں جنرل جارج سی مارشل کے چینی مشن کے دَورے کے وقت جو پیچیدہ مذاکرات ہوئے، ان کے مفصل تجزیئے کی شاید اس وقت ضرورت نہیں ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ اِن واقعات پر حال ہی میں بڑی وضاحت سے اور بہت دستاویزوں کے ساتھ بحث کی جا چکی ہے۔ ۱۹۴۶ء کے شروع کے چھ ماہ میں چیانگ کی نسبت ماؤ کو اس بات پر زیادہ اعتماد تھا کہ فوجی جدوجہد کی بجائے سیاسی جدوجہد کا جو دور شروع ہؤا ہے اس کے نتائج اس کے حق میں برآمد ہوں گے۔ اس اعتماد کو مزید

تقویت سیاسی مشاورتی کانفرنس کی سفارشات سے حاصل ہوئی جو بڑی حد تک کمیونسٹوں کے حق میں تھیں۔ اس کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ماؤ کے چنگ کنگ میں قیام کے دوران اکتوبر میں کیا گیا تھا اور یہ کانفرنس جنوری ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئی۔ لیکن اس فرق کے باوجود ماؤ اور چیانگ کے دوران گفت وشنید کا سلسلہ بھی جاری رہا اور فوجی طاقت کا استعمال بھی ہوتا رہا۔ لہذا اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ ۱۹۴۶ء کے وسط میں پورا ملک بھرپور خانہ جنگی کی زد میں آگیا۔

یوں ماؤ خود جنگ کا خواہاں نہیں تھا۔ وہ زیادہ مناسب اس بات کو سمجھتا تھا کہ سیاسی مساعی سے نصب العین کے حصول کا بندوبست کیا جائے۔ لیکن جب جنگ کی بات آپڑی تو اس نے بلاجھجک اس چیلنج کو قبول کیا۔ ماؤ نے جنگ کا فیصلہ اس ایمان کے زور پر کیا کہ فیصلہ کن اہمیت امریکہ کی فوجی طاقت کو حاصل نہیں ہے، نہ ہی اس کے ایٹمی ہتھیاروں کو حاصل ہے۔ فیصلہ کن اہمیت تو عوام کی مستقل جدوجہد کو حاصل ہے۔ ۹ اگست ۱۹۴۵ء کو 'لبریشن ڈیلی' میں ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا " فنِ حرب میں ایک نیا انقلاب"۔ اس مضمون میں اس ایٹم بم کا تذکرہ کیا گیا تھا جو ابھی ایک دن پہلے ہیروشیما پر پھینکا گیا تھا۔ لیکن چار ہی دن بعد اس اخبار میں ایک اور مضمون شائع ہوا، جس میں کہا گیا تھا کہ ایٹم بم ایک بڑی طاقت ضرور ہے لیکن اس کے اثرات کے بارے میں ہمیں مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جاپان کی شکست میں دو فیصلہ کن عوامل کا حصہ ہے۔ ایک تو یہ کہ روس جنگ میں کود پڑا تھا، اور دوسری طاقت اتحادیوں کی بڑی فوجوں کی تھی۔

یہ دوسرا نقطۂ نظر براہِ راست ماؤ سے متاثر ہوکر قائم کیا گیا تھا۔ ۱۳ اگست ۱۹۴۵ء کو ینان میں کارکنوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں ماؤ نے اپنے خیال کی وضاحت اِن الفاظ میں کی:

"کیا ایٹم بموں سے جنگوں کے فیصلے ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ایٹم بم جاپان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ عوام کی جدوجہد کی شمولیت کے بغیر ایٹم بم کسی کام نہیں آسکتے۔ اگر ایٹم بم جنگ کا فیصلہ کر سکتے تو سوویت یونین سے اپنی فوجیں بھیجنے کو کیوں کہا جاتا۔ آخر جاپان نے اس وقت ہتھیار کیوں نہیں ڈالے جب اس پر دو ایٹم بم پھینکے گئے تھے؟ اور ایسا کیوں ہوا کہ ادھر سوویت یونین نے فوجیں بھیجیں اور ادھر اس نے ہتھیار ڈال دیئے؟ ہمارے بعض ساتھیوں تک کو یہ یقین ہے کہ ایٹم بم ایک ہمہ گیر طاقت ہے۔ ایسا سوچنا غلطی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کون سے اثرات ہیں جن کے تحت

ہمارے بیہ ساتھی ایٹم بم کو ایک اعجاز سمجھتے ہیں؟ کیا یہ بورژوا اثرات کی کارفرمائی ہے؟ ایک نظریہ یہ موجود ہے کہ ہر بات کا فیصلہ ہتھیاروں سے ہوتا ہے۔ بعض لوگ خالص فوجی نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں۔ بعض لوگ عوام سے ناطہ توڑ کر محض نوکر شاہی انداز میں کام کرتے ہیں اور بعض انفرادیت پسندانہ انداز میں سوچتے ہیں ــــ یہ سب اور اس قسم کے دوسرے فکر کے انداز ان بورژوا اثرات کا نتیجہ ہیں جو ہماری صفوں میں پھیل رہے ہیں۔ جس طرح دامن سے گرد جھاڑ دی جاتی ہے، اسی طرح ہمیں ان بورژوائی اثرات کو اپنے دامن سے جھاڑتے رہنا چاہیئے"۔

اسی نقطۂ نظر کا اعادہ ماؤ نے قطعی اور بہت دلچسپ انداز میں اس مشہور انٹرویو میں کیا تھا جو اس نے اگست ۱۹۴۶ء میں اینا لوئی سٹرانگ کو دیا تھا۔ اس انٹرویو میں اس نے برملا کہا کہ ایٹم بم کاغذی شیر ہے جو دیکھنے میں تو خوفناک نظر آتا ہے لیکن دراصل اتنا خوفناک نہیں ہوتا۔ یہ نقطۂ نظر بے شک اس وقت کے سرکاری روسی نقطۂ نظر کے عین مطابق ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ سٹالن نے اس نقطۂ نظر کا اظہار ایسے بلیغ انداز میں نہیں کیا تھا۔ لیکن ۱۹۴۸ء کے آغاز میں جب سوویت یونین میں بھی ایٹمی ہتھیاروں کا پروگرام پروان پڑھنے لگا تو سٹالن ایٹم بم کا مداح بن گیا۔ اس نے اعلان کیا کہ ایٹم بم کی طاقت بے پناہ ہے۔ مگر یہ بات بہت معنی رکھتی ہے کہ ماؤ آج بھی اپنے نقطۂ نظر پہ قائم ہے۔ دراصل کسی شخص کے تصور کائنات کو تشکیل دینے میں اُس کی اپنی شخصیت کے علاوہ، جس میں روایت اور تجربے کا بھی حصّہ ہوتا ہے، خارجی حقائق کا بھی اتنا ہی عمل دخل ہوتا ہے۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک کا خانہ جنگی کا زمانہ اصل میں جنگی مورخوں کا موضوع ہے۔ یہاں اُس کے مفصل تذکرے کی شاید ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک خالص عسکری پہلو کا تعلق ہے ماؤ کی حکمت عملی مجموعی طور پر وہی تھی جس کی تجویز اس نے اپنے ۱۹۳۸ء والے مضامین میں جاپان کے خلاف جنگ کے سلسلہ میں پیش کی تھی۔ پہلے مرحلہ میں گوریلا جنگ نے دشمن کے خلاف جو زیادہ قوی تھا، زیادہ اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس مرحلہ سے گذر کر وہ مرحلہ آیا جب باقاعدہ صف آرائی کر کے جنگ کی گئی اور کومنتانگ کے مضبوط اڈوں پر براہ راست حملے کئے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں کرسمس کے موقعہ پر ماؤ نے سرخ فوج کی جنگی کاروائیوں کے اصول مختصراً یوں بیان کئے۔

ا۔ پہلے دشمن کی علیحدہ علیحدہ اور بکھری ہوئی فوجوں پر حملے کرو۔ اُن فوجوں پر بعد میں چڑھائی کرو

جنھوں نے مضبوطی سے جتھہ بندی کر رکھی ہو۔

۲۔ پہلے چھوٹے اور اوسط درجہ کے شہروں پر اور وسیع و عریض دیہی علاقوں پر قبضہ کرو۔ بڑے بڑے شہروں پر بعد میں قبضہ کرو۔

۳۔ مطمح نظر یہ ہونا چاہیئے کہ دشمن کی موثر طاقت کو تہس نہس کیا جائے۔ کسی شہر یا کسی مقام پر قبضہ کرنے اور قبضہ رکھنے کو مطمح نظر مت بناؤ۔

۴۔ ہر الگ معرکہ میں زیادہ اور برتر فوج اکٹھی کرکے لڑو۔ (دشمن کے مقابلہ میں اس کی تعداد تگنی، چوگنی، پانچ گنی، بلکہ چھ گنی تک ہونی چاہیئے) دشمن فوجوں کا پوری طرح محاصرہ کرلو۔ انھیں بالکل ملیامیٹ کر دینے کی کوشش کرو اور ایسا انتظام کرو کہ پھندے سے کوئی بچ کر نہ نکلے...... جھڑپوں والی لڑائی سے بچنے کی کوشش کرو۔ ایسی لڑائی میں نقصان زیادہ ہوتا ہے اور حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا...... ہم اگر یہ طریقہ اختیار کریں تو اگرچہ (عددی لحاظ سے) ہم مجموعی طور پر کمتر ہوں گے مگر الگ الگ ہر معرکہ میں برتری قطعی طور پر ہماری ہوگی..... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں مجموعی اعتبار سے بھی برتری حاصل ہوتی چلی جائے گی اور بالآخر ہم دشمن کا بالکل صفایا کر دیں گے"۔

ماؤ کا ہمیشہ سے یہ خیال چلا آتا تھا اور اب بھی ہے، کہ فوجی جدوجہد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بھی ازحد ضروری ہے کہ سیاسی طور پر رائے عامہ کو ہموار کیا جائے اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں۔ اُن دنوں میں بھی اس کا عقیدہ یہی تھا۔ جس کا اعلان اس نے ۱۹۳۸ء میں کیا تھا کہ "سیاسی اقتدار بندوق کی نالی میں سے جنم لیتا ہے"۔ اس نے ۱۹۴۷ء میں سُرخ فوج سے اپیل کی کہ وہ اُن کے لڑنے کے طریقہ کو پورے طور پر بروئے کار لائیں یعنی "میدان جنگ میں ہمت کا مظاہرہ کریں، قربانی دینے سے بالکل نہ ڈریں اور تھکن کو خاطر میں مت لائیں"۔ لیکن اس نے آزاد علاقوں میں جاری کی جانے والی پالیسی کے بارے میں بھی بہت سے احکام جاری کئے، تاکہ انقلاب کی علاقائی بنیادوں کو مستحکم کیا جا سکے۔ اس وقت جو زرعی پالیسی اختیار کی گئی وہ ۱۹۳۷-۴۵ء کے زمانہ کی پالیسی کے مقابلہ میں زیادہ انقلابی تھی۔ سابقہ پالیسی میں فوری زرعی اصلاحات کے نفاذ کی بجائے صرف سود اور لگان کی تخفیف کا پہلو شامل تھا۔ اس کی خاطر یہ طریق کار اختیار کیا گیا تھا کہ

تخفیف تدریجی طور پر اور مقامی حالات سے مطابقت پیدا کر کے کی جائے۔ ماؤ وسیع بنیادوں پر قائم کردہ متحدہ محاذ کو برقرار رکھنے پر مصر تھا۔ اور ہنوز اس کا ارادہ یہی تھا کہ اس محاذ میں محبِ وطن اشراف' کو بھی شامل کیا جائے۔ قرار یہ پایا کہ فی الحال اصلاحات اس طرح کی جائیں کہ آبادی کا صرف دس فی صد حصہ اُن سے متاثر ہو۔ کچھ برس بعد جب کمیونسٹوں کا اختیار مستحکم ہو جائے۔ تب ساری اراضی کی از سرِ نو تقسیم کی مہم شروع کی جائے۔ ماؤ نے کچھ اور احکامات بھی دوبارہ جاری کر لئے۔ ایک حکم وہ تھا جسے "نظم و ضبط کے تین اصول" کہا جاتا تھا۔ دوسرا حکم "آٹھ قابلِ توجہ نکات" تھے۔ ان احکامات کی پیروی کی بدولت کم و بیش پچھلے بیس برس سے شہری آبادی کی عزت و تکریم کی جا رہی تھی، اور سرخ فوج لوٹ مار میں حصّہ نہیں لے رہی تھی، اسی باعث باقی افواج کے مقابلے میں سرخ فوج کو عوام کی حمایت اور امتیازی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔

سنہ ۴۹-۱۹۴۶ء کی چینی خانہ جنگی بلاشبہ تاریخ میں اس اعتبار سے ایک غیر معمولی مثال کی حیثیت رکھتی ہے کہ ایک چھوٹی سی فوج نے جسے عوامی حمایت حاصل تھی، جو نہایت منظم تھی اور جس نے اپنے آپ کو ایک خاص مقصد کے لئے تج دیا تھا، کس طرح ایک بہت بڑی فوج کو جو نا مقبول تھی، جس میں لڑنے کا حوصلہ نہ تھا اور نہ ہی جس کے افسران میں قیادت کی کوئی اہلیت تھی، سخت شکست دی۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں آٹھویں پیدل فوج اور نئی چوتھی فوج کی کمان میں لڑنے والے سپاہیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے بڑھ کر کم و بیش دس لاکھ ہو گئی تھی۔ کومنتانگ کی فوج اس سے تقریباً چار گنی تھی۔ جب اس وسیع خانہ جنگی کو ایک برس گذر گیا تو اس وقت یعنی سنہ ۱۹۴۷ء کے وسط میں تناسب ایک اور چار کی بجائے ایک اور دو کا رہ چکا تھا اور ماؤ نے ایک اعلان میں بڑے وثوق سے یہ کہا کہ اگر ہم دشمن کی فوجوں کا اسی رفتار سے قلع قمع کرتے رہے تو کمیونسٹوں کا پلّہ یقیناً بھاری ہو جائے گا۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے اختتام پر ماؤ نے اعلان کیا کہ اب ایک تاریخی موڑ آ گیا ہے۔ یعنی چیانگ کائی شیک کی بیس سال پرانی انقلاب دشمن حکومت اب بڑھنے کی بجائے معدوم ہوتی جائے گی۔ چھ ماہ بعد عددی تناسب اور بھی کم رہ گیا۔ اب ماؤ اور چیانگ کی فوجوں کے درمیان عددی لحاظ سے بس انیس بیس کا فرق رہ گیا تھا۔ لیکن ماؤ کی فوج کے حوصلے چونکہ اب بھی بلند تھے اور اس کے سپہ سالار لائق تھے اس لئے حقیقتاً اب کمیونسٹوں کی فتح کا یقین ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۹۴۸ء کے نصف آخر میں کمیونسٹوں نے اتنی واضح فتوحات

حاصل کیں کہ اس جنگ کا نتیجہ سامنے آگیا۔

چیانگ کی شکست میں کومنتانگ چین کی مہنگائی، بدعنوانیوں اور دولت کے ضیاع کو بھی بہت دخل تھا۔ پھر یہ کہ جنگ نے لوگوں کو تھکا دیا تھا اور ساری خلقت چیانگ کائی شیک کے خلاف ہوگئی تھی۔ کومنتانگ کی بعض فاش غلطیوں سے بھی ماؤ کے ہاتھ بہت مضبوط ہوئے مثلاً کومنتانگ نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں ڈیموکریٹک لیگ کو خلافِ قانون جماعت قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چین کی اس "تیسری طاقت" (جسے اگر کسی حد تک طاقت کہا جا سکے تو) کی اکثریت کمیونسٹوں کی آغوش میں چلی گئی۔ اس کے علاوہ خالص فوجی نقطۂ نگاہ سے بھی چیانگ نے ایسی غلطیاں کیں جو قوم پرستوں کو لے ڈوبیں۔ اُس نے کلیدی عہدوں پر کمانڈروں کو مامور کرتے وقت اُن کی اہلیت کو مدِ نظر رکھنے کی بجائے ہمیشہ ذاتی وفاداری کو معیار جانا، اور یہ بہت بڑی عسکری غلطی تھی۔

نومبر ۱۹۴۸ء میں ماؤ نے یہ لکھا کہ جنگ کا اس کے پرانے اندازے سے کہیں پہلے، ایک آدھ سال ہی میں ختم ہو جانے کا امکان تھا۔ دسمبر کے اوائل میں پائی پنگ اور تائین زین کے قریب کے کچھ علاقے کو چھوڑ کر باقی پورے منچوریا اور شمالی چین پر کمیونسٹوں کا قبضہ ہو چکا تھا پائی پنگ اور تائین زین میں پانچ چھ لاکھ کے قریب قوم پرست فوج جمع تھی۔ ماؤ نے یہاں بھی اپنے اسی اصول پر عمل کیا کہ پہلا اور آخری مقصد یہ ہونا چاہیے کہ دشمن کی فوجوں کو نیست و نابود کیا جائے۔

اس نے لن پیاؤ کو ہدایت کی کہ فوراً حملہ کرنے کی بجائے دو ہفتوں تک کومنتانگ کے مختلف رسالوں کا محاصرہ کرے اور اُن کی ناکہ بندی کر دے تاکہ وہ جنوب میں سمندر کے راستے نکل کر بھاگ نہ سکیں۔ اس منصوبے پر مستعدی سے عمل کیا گیا اور کومنتانگ کے پانچ مضبوط مقامات پر ایک ایک کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ وسط جنوری میں انتیس گھنٹوں کی لڑائی کے بعد تائین زین پر قبضہ کر لیا گیا۔ پائی پنگ کے لئے لڑائی کی ضرورت بھی پیش نہ آئی۔ جنرل فو زو آئی نے خود ہی پر امن طریقے پر ہتھیار ڈال دیئے۔ اب پورا چین کمیونسٹوں کے رحم و کرم پر تھا۔

اس مرحلہ پر نانکنگ سے صلح کی تحریکیں جاری ہونے لگیں۔ یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو خود چیانگ نے ایک بیان جاری کیا جس میں اس نے امن کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ اُسے اقتدار کی کوئی ہوس نہیں، اور اُس کے برسرِ اقتدار رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ۲۱ جنوری کو اس

نے صدارت کا عہدہ نائب صدر لی زونگ ژین کو سونپ دیا، لیکن اس کے باوجود وہ بڑے بڑے اختیارات پر فائز رہا اور ان کی مدد سے اپنی نئی پالیسی کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتا رہا۔ جو یہ تھی کہ چین کے اصل علاقے کو چھوڑ کر اب تائیوان میں ٹھکانا بنایا جائے۔ ادھر ماؤ کی پیش کردہ شرائط میں تقریباً مکمل اطاعت کا تقاضا تھا جو کہ ان حالات میں قابلِ فہم تھا، مگر کومنتانگ کے اس گروہ نے بھی جو امن و صلح کا خواہش مند تھا، ان شرائط کو قبول نہیں کیا۔

۲۰ اپریل کو نانکنگ حکومت نے کمیونسٹوں کی شرائط کے آخری مسودے کو رد کر دیا۔ اگلے دن ماؤ نے عوامی آزاد فوج کے نام ملک گیر پیمانے پر پیش قدمی کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اسی دن کمیونسٹ فوجوں نے تین سو میل لمبے محاذ پر دریائے یانگ زی کو عبور کیا، اور ۲۳ اپریل کو نانکنگ پر قبضہ کر لیا۔ ماؤ نے اپنے احساسات کو ایک نظم میں بیان کیا ہے جو اس واقعہ کے چند دن بعد لکھی گئی تھی:۔

یہ چونگ کے گرد کیسا طوفان اُٹھ رہا ہے
کہ آج دس لاکھ سورما چڑھتے بڑھتے دریا کو پار کرتے ہیں —
یہ شیر دبکا ہوا، یہ بل کھایا اژدھا،
ان کی شان دیکھو، بھلا یہ ماضی میں ایسے کب تھے؛
یہ کائنات اضطراب میں ہے،
ہماری ہمت بلند ہے اور ارادے پختہ ہیں،
آؤ کچھ عزم اور، اب اس شکستہ دشمن کو گھیر ہی لو،
کہ چُو کے حاکم کی آج تقلید قابلِ داد تو نہیں ہے۔
جو آسمانوں میں کوئی حس ہوتی، وہ بھی اب تک ضعیف ہوتے —
ہماری دنیا میں راہِ حق ہے تو راہ وہ انقلاب کی ہے۔

ماؤ جیسا کہ ذکر آچکا ہے، سُن زُو کا بہت مداح تھا۔ لیکن اس موقعہ پر اُس نے جنگی حکمتِ عملی کے اس پرانے استاد سے بھی اختلاف کیا۔ سن زو نے لکھا تھا کہ "جب تم کسی فوج کو گھیرے میں لو تو اپنے بچاؤ کی خاطر ایک راستہ ضرور کھلا چھوڑ دو۔ جی جان سے بیزار دشمن پر بہت زیادہ دباؤ مت ڈالو"۔ مگر ماؤ نے بالکل الٹ طریقہ استعمال کیا اور یہ کہہ کر کہ کیمونسٹوں کو چُو کے ظالم حکمران والی غلطی نہیں دہرانی چاہیے، اپنے طرزِ عمل کا جواز بھی مہیا کیا۔ چُو کے ظالم حکمران

کا ذکر کر کے ماؤ نے شیانگ یو کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا، جس نے اپنے حریف لیو پانگ کی جان بخشی کر دی تھی۔ مگر پھر اسی لیو پانگ نے بعد ازاں شیانگ یو کا تختہ الٹ دیا تھا اور سلطنت ہان کی بنیاد ڈالی تھی۔ ماؤ ایسے شخص کو صاف کرنے اور اپنی فتح کے لئے خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا جس سے وہ کم و بیش چوتھائی صدی سے چین کے اقتدار کے لئے لڑ رہا تھا۔

یہ موقف اختیار کر کے ماؤ نے سُن زُو کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں سے اختلاف کیا۔ ۱۹۶۴ء میں اس کی مندرجہ بالا نظم پر ایک مستند تبصرہ شائع ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ

"نانکنگ کی آزادی کی مہم سے پہلے بھی اور اُس کے بعد بھی بعض نیک نیت دوستوں نے جن میں سے کچھ اس ملک کے اندر تھے اور کچھ باہر کے لوگ تھے یہ مشورہ دیا تھا کہ ہمیں جنوبی چین اور شمالی چین کی الگ الگ حکومتوں پر قناعت کر لینی چاہیئے اور کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے جس سے سامراجی طاقتیں بالخصوص امریکہ دخل اندازی کرنے پر اتر آئیں۔"

یہ بات بہت حد تک طے شدہ ہے کہ ان نیک نیت دوستوں سے مُراد خود سٹالن کی ذات تھی۔ اندرون ملک کے دوستوں کا اشارہ چینی کمیونسٹ پارٹی کے چند افراد کی طرف تھا۔ نئے سال کے موقعہ پر ماؤ کا ایک پیغام شائع ہُوا جو ۳۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو لکھا گیا تھا اس کا عنوان تھا "انقلاب کو اس کی انتہا تک پہنچا کر دم لو۔" اس پیغام میں ماؤ نے امریکی حکومت کی سخت مذمت کی کہ "وہ انقلابی کیمپ کے اندر ایک حزب اختلاف قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ انقلاب جس منزل میں ہے اسے وہیں روک دیا جائے۔ اور اگر اُسے بڑھنے سے نہیں روکا جا سکتا تو اس میں اعتدال پیدا کر دیا جائے تاکہ سامراجیوں اور ان کے حواریوں کے مفادات پر بہت گہری ضرب نہ پڑے۔"

یہ خیر خواہ اور امن پسند لوگ کوئی بھی ہوں، بہر حال انہوں نے ۱۹۴۹ء کے آغاز میں ماؤ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ انقلاب کو درمیان ہی میں روک دیا جائے۔ مگر اُن کی بات نہ چل سکی۔ جس وقت ماؤ کی فوجیں مار مار کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں، ماؤ نے خود ایک مرتبہ پھر سیاسی معاملات پر توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ اب اس کے پیشِ نظر یہ مسائل تھے کہ نئی حکومت کے قیام کے لئے کیا کیا انتظامات ضروری تھے اور نئی حکومت کو جو پالیسی اختیار کرنی تھی اس کے بنیادی خطوط کیا ہونے چاہئیں۔

چینی عوامی جمہوریہ کی اساس

۱۹۴۸ء میں یوم مئی پر ماؤ کی تجویز کے مطابق چینی کمیونسٹ پارٹی نے ایک نعرہ یہ اختیار کیا کہ "تمام جمہوری جماعتوں، عوامی اداروں اور عوامی شخصیتوں کو چاہیئے کہ جلد از جلد ایک سیاسی مشاورتی کانفرنس طلب کریں، جس میں ایک عوامی کانفرنس کے قیام اور ایک مخلوط جمہوری حکومت کی تشکیل کے بارے میں غور و فکر کیا جائے۔" جون ۱۹۴۹ء میں کمیونسٹ رہنماؤں نے اسی قسم کی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں ایک ابتدائی کمیٹی بنادی۔ (اس وقت اس کا نام 'نئی سیاسی مشاورتی کانفرنس' رکھا گیا تھا تاکہ جنوری ۴۶ء کی سیاسی مشاورتی کانفرنس سے اس کا تسلسل برقرار رہے۔ سیاسی مشاورتی کانفرنس نے ایک مخلوط حکومت قائم کرنے کی جو تجویز منظور کی تھی اس کے بارے میں چیانگ کائی شیک نے بہت عناد آمیز رویہ اختیار کیا تھا جس کی وجہ سے یہ کانفرنس بالآخر ناکام ہو گئی تھی) ماؤ نے ابتدائی کمیٹی کے ارکان کو خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ "اس وقت یہ ضروری ہے کہ ایک سیاسی مشاورتی کانفرنس منعقد کی جائے عوامی جمہوریہ چین کے قیام کا اعلان کیا جائے اور اس کی نمائندگی کے لئے ایک مخلوط جمہوری حکومت کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔" ساتھ ہی اس نے مستقبل کے چین کے تصور کو جسے وہ ۱۹۴۵ء سے پیش

کر رہا تھا، دہراتے ہوئے کہا کہ "صرف اسی ایک صورت میں ہماری عظیم مادر وطن نیم نوآبادیاتی اور نیم جاگیردارانہ چکر سے نجات پاسکتی ہے اور آزادی، خود مختاری، امن، اتحاد، خوشحالی اور طاقت و قوت سے مالا مال ہوسکتی ہے۔"

اسی تقریر میں ماؤ نے یہ اعلان کیا "ہم مساوات، باہمی مفاد، علاقائی سالمیت اور خود مختاری کے باہمی احترام کے اصولوں کی بنیاد پر کسی بھی غیر ملکی حکومت سے سفارتی تعلقات کے قیام کی خاطر بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ چین کے رجعت پسندوں سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے تیار ہو، ان کے ساتھ سازباز کرنے اور ان کی امداد کرنے سے گریز کرے اور عوامی چین کے بارے میں ریاکارانہ دوستی کا نہیں بلکہ سچی دوستی کا رویہ اختیار کرے۔ چینی عوام یہ چاہتے ہیں کہ تمام ملکوں کے لوگوں کے ساتھ ان کا دوستانہ اشتراک ہو اور تجارتی تعلقات قائم ہوں، تاکہ پیداوار بڑھے اور اقتصادی خوشحالی ہو۔"

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ سامراجیوں اور سوویت یونین کے درمیان ایک غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرنے کی تجویز پیش کر رہا تھا، اور ایسی صورت میں جبکہ یہ سامراجی (ظاہر ہے کہ اس سے مراد امریکی سامراجی تھے) اپنے حواریوں یعنی چینی رجعت پسندوں کی حمایت کر رہے تھے۔ ماؤ کسی صورت کسی سامراجی ملک سے اشتراکِ عمل کرنے پر رضامند نہیں تھا۔ اول تو یہ انھونی سی بات تھی لیکن فرض کیجیے کہ امریکہ چینی رجعت پسندوں سے سازباز بند کر بھی دیتا، تب بھی ماؤ کسی سامراجی ملک سے اشتراکِ عمل کے امکان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ یہ بات اس نے اپنے اس مشہور مقالے میں بیان کر دی تھی جس کا عنوان "عوامی جمہوری آمریت کے بارے میں" تھا۔ یہ مضمون ۳۰ جون ۱۹۴۹ء کو چینی کمیونسٹ پارٹی کی اٹھائیسویں سالگرہ کے موقعہ پر شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں اس نے کہا تھا کہ: "یہ بالکل درست ہے کہ آپ لوگوں کا جھکاؤ ایک ہی سمت میں ہے ــــــ تمام چینیوں کو بغیر کسی استثنا کے یا تو سامراجیت کی طرف جھکنا چاہیے یا پھر سوشلزم کی طرف گومگو کی حالت میں رہنے سے کام نہیں چلے گا، اور نہ ہی ان دو راستوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ ہے۔"

مقالہ بعنوان "عوامی جمہوری آمریت کے بارے میں"، ماؤ کی ان نگارشات میں شامل ہے جو اہم

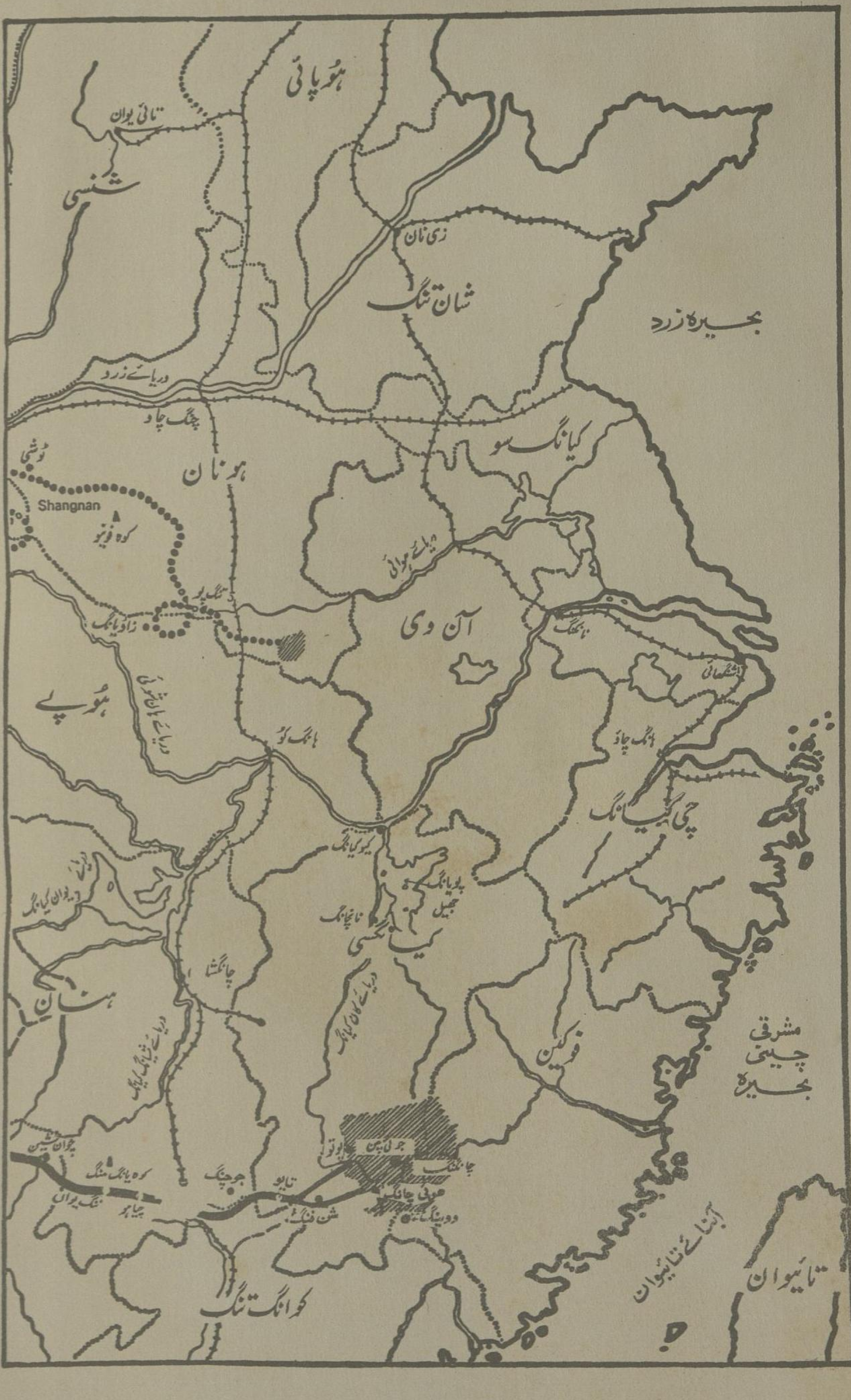
ترین ہیں اور بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس مقالہ میں شروع کے طویل مقالوں کا جوہر کھنچ آیا ہے۔ مثلاً شروع کے زمانے میں اس نے "نئی جمہوریت کے بارے میں" اور "مخلوط حکومت کے بارے میں" دو طویل مقالات لکھے تھے۔ اب ان طویل مقالات کو اُس نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اور چھبتے ہوئے انداز میں پیش کر دیا۔ اس کے ساتھ اب ایک بات اور شامل ہو گئی۔ سنہ ۴۵-۱۹۳۷ء کے زمانے کی نسبت اب وہ زیادہ صاحب اختیار حیثیت کا مالک تھا، اور عنقریب باضابطہ طور پر اس کے صاحب اختیار ہونے کا اعلان ہونے والا تھا۔ سو اب اس کے لئے زیادہ کھل کر بات کرنے کی گنجائش پیدا ہو گئی تھی۔ اُس وقت تو ماؤ کو طوعاً و کرہاً کومنتانگ کو اشتراک عمل کی دعوت دینی پڑی تھی اور ایک غیر معینہ مدت کے لئے اس کی قائدانہ حیثیت کو بھی تسلیم کرنا پڑا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ماؤ کی تحریر کے بین السطور ہر شخص یہ پڑھ سکتا تھا کہ وہ اقتدار کی بنیادوں کو اپنے تصرف میں لانے پر تُلا ہوا تھا۔ بہر حال اب وہ اس حیثیت میں تھا کہ اس قسم کی تمام مجھوتہ بازیوں کو بالائے طاق رکھ کر واضح طور پر جتا سکتا تھا کہ اقتدار اب اس کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ چینی معاشرے کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کے لئے وہ اس اقتدار کو کس طور پر استعمال کرے گا۔

اس مقالے میں مستقبل کا جو نقشہ کھینچا گیا تھا وہ بہت نپا تلا بھی تھا، اور اس میں لچک بھی تھی۔ اس میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ چینی آبادی کا بہت بڑا اگروہ ملک کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں حصہ لے سکے۔ یہی نہیں کہ شہری متوسط طبقہ اور قوم پرست متوسط طبقہ کو متحدہ محاذ میں مزدوروں کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا، بلکہ یہ بھی طے ہوا تھا کہ انھیں غیر معین مدت کے لئے عوام الناس میں شامل تصور کیا جائے۔ عوام میں شامل ہونے کی بنا پر انھیں وہ حقوق میسر آ گئے تھے جن سے رجعت پسندوں یعنی زمینداروں اور نوکر شاہی بورژواؤں کو (جو کومنتانگ سے وابستہ تھے) محروم کر دیا گیا تھا۔ انھیں اس عوامی جمہوری آمریت میں بھی شریک کرنا طے پایا جو رجعت پسندوں کے خلاف تھی۔ ماؤ نے لکھا کہ "جمہوریت عوام ہی کی ملکیت ہے، انھیں تقریر کرنے، جلسے کرنے انجمن بنانے اور اس قسم کے اور کاموں کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ ووٹ دینے کا حق بھی صرف عوام کو حاصل ہوتا ہے، رجعت پسندوں کو حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا عوام کے لئے جمہوریت ہے اور رجعت پسندوں کے لئے آمریت، اور انہی دو پہلوؤں کی آمیزش کو عوامی جمہوری آمریت کہتے ہیں۔"

لیکن اس کے ساتھ ماؤ نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ کامل شہریت کے یہ حقوق متوسط طبقے والوں کو صرف اس شرط پر عطا کئے جا رہے ہیں کہ وہ اپنا چال چلن درست رکھیں۔ اس نے اپیل کی کہ عوامی کاروبارِ مملکت کو فوراً مضبوط و مستحکم بنایا جائے۔ اس عوامی کاروبارِ مملکت کا تعین اس نے صاف صاف انداز میں یوں کیا کہ یہ دشمن طبقوں کو کچلنے کا وسیلہ ہے۔ اس وسیلے کو بہت جلد اس غرض سے استعمال کیا جانے والا تھا کہ اس سے زمیندار طبقہ اور نوکر شاہی بورژوازی کو یا تو دوسرے طبقوں میں مدغم کر دیا جائے یا ان کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔ جہاں تک قوم پرست متوسط طبقے کا سوال تھا، ماؤ نے یہ لکھا کہ "جب سوشلزم کو عمل میں لانے کا وقت آئے گا۔ یعنی جب نجی کاروبار کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا تو ہم ان کو اور تربیت دیں گے اور انہیں کسی اور سانچے میں ڈھالیں گے۔ عوام کے اختیار میں ایک زبردست کاروبارِ مملکت ہے۔ اس صورت میں یہ خوف کھانے کی مطلق ضرورت نہیں کہ قوم پرست متوسط طبقہ بغاوت کر دے گا۔"

۲۱ ستمبر ۱۹۴۹ء کو چینی عوام کی سیاسی مشاورتی کانفرنس (بالآخر اس کا یہ نام رکھا گیا) پیکنگ میں شروع ہوئی۔ اس کانفرنس کا پہلا اجلاس ۳۰ ستمبر تک جاری رہا اور اس نے نئی حکومت کی تنظیم و تشکیل کی منظوری دے دی۔ اس نئی حکومت کا صدر ماؤزے تنگ قرار پایا۔ پہلے جلسہ کا آغاز خود ماؤ نے کیا۔ اس نے جو تقریر کی اس میں قومی غرور کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ چینی عوام جاگ اٹھے ہیں اور اب دوبارہ وہ دن نہیں آئے گا جب قوم کی حیثیت سے اُن کی تحقیر ہو۔ ۳۰ ستمبر کو چو نے ماؤزے تنگ زندہ باد کا نعرہ بلند کر کے اجلاس کی کاروائی ختم کر دی۔ اور یکم اکتوبر کو ماؤ نے تیان آن من کے مقام پر باضابطہ طور پر چینی عوامی جمہوریہ کے قیام کا اعلان کیا۔

یوں آخرِ کار وہ مخلوط حکومت جس کا ذکر ماؤ پچھلے پانچ برس سے تحریر اور تقریر میں کر رہا تھا، قائم ہوگئی۔ لیکن یہ مخلوط حکومت اس مخلوط حکومت سے بہت مختلف تھی جس کا اس نے ۱۹۴۴ء میں پہلی بار تصور پیش کیا تھا۔ یہ تو صحیح ہے کہ سیاسی مشاورتی کانفرنس میں چودہ پارٹیوں اور مختلف دوسرے گروہوں کے نمائندے اور آزاد جمہوری حضرات شامل تھے، اور حکومت میں اور نائب سربراہوں میں غیر اشتراکی حضرات بھی شریک تھے (ماؤ کی ماتحتی میں جو چھ نائب چیئرمین تھے ان میں سن یات سن کی بیوہ سُنگ چنگ لِنگ



ہوپائی
تائی یوان
شنسی
زی نان
شان تنگ
بحیرہ زرد
دریائے زرد
کیانگ سو
ہونان
Shangnan
آن وی
ہوپے
چی کیانگ
کیانگسی
چانگشا
ہنان
فوکین
مشرقی
چینی
بحیرہ
آبنائے تائیوان
تائیوان
کوانگ تنگ


فوج کشی کے راستے
پہلے محاذ کی فوج
دوسرے محاذ کی فوج
چوتھے محاذ کی فوج
دوسرے اور چوتھے محاذوں کی مشترکہ فوج
پچیسویں فوج
سوئی یان
ننگ سیا
کان سو
چن گھائی
شنسی
سی کانگ
زیکوان
کوی چاؤ
ینان
اکوانگ سی

اور دو چھوٹی مگر اہم جماعتوں کے نمائندے بھی تھے، ان دو جماعتوں میں ایک جماعت "چینی کومنتانگ کی انقلابی کمیٹی" تھی اور دوسری "چینی جمہوری لیگ" تھی) لیکن یہ سب کو پتہ تھا کہ اصل طاقت کس کے ہاتھ میں ہے۔ سیاسی مشاورتی کانفرنس نے ایک مشترکہ پروگرام منظور کیا تھا جو متحدہ محاذ اور مخلوط حکومت کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس پروگرام میں وہ تمام ضروری اصول شامل تھے جو ماؤ نے 'عوامی جمہوری آمریت' کے بارے میں اپنے مقالے میں تحریر کئے تھے۔ اس میں 'عوام' کی تعریف چہار طبقاتی بلاک کے معنوں میں کی گئی تھی اور خارجہ پالیسی کی تعریف یوں کی گئی تھی کہ وہ ایک طرف جھک جانے کا نام ہے۔ لیکن حکومت میں غیر اشتراکی لوگوں کی شمولیت کو ہم محض ایک بے معنی واقعہ بھی قرار نہیں دے سکتے، یہ اس بات کی ٹھوس علامت تھی کہ نئی حکومت کو اپنے قیام کے وقت عوام کی وسیع حمایت حاصل ہوئی کہ کومنتانگ کے خلاف عام بے زاری موجود تھی اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ کسی صورت ایک پائدار اور کارکردگی کے لحاظ سے لائق حکومت قائم ہو جائے مستقبل قریب میں ماؤ اعتدال پسندانہ پالیسی پر گامزن ہونے کی نیت رکھتا تھا۔ اس لحاظ سے حکومت میں غیر اشتراکیوں کی شمولیت اس کی اِس نیت سے بھی مطابقت رکھتی تھی۔

ماؤ اور اس کے رفیقوں کے سامنے دو بڑے کام تھے، ایک یہ کہ ملک پر اپنے سیاسی اختیار کو مستحکم کیا جائے اور دوسرا یہ کہ پچھلی جنگ سے تباہ ہو جانے والی معیشت کو درست کیا جائے اور مستقبل کی اقتصادی ترقی کی بنیاد رکھی جائے۔ جس غیر معمولی ذہن کے شخص نے چین کو سیاسی استحکام اور اقتصادی ترقی کی منزلوں سے روشناس کرانے کا فریضہ سنبھالا تھا وہ بہت سے اعتبارات سے اپنے کام کا اہل تھا تیس سال کا سیاسی تجربہ اس کی پشت پر تھا۔ اس نے جاپان کے خلاف چھاپہ مار جنگ لڑی تھی پھر وہ کومنتانگ کے خلاف خانہ جنگی میں شامل ہوا تھا، جس سے اُس کی قیادت کی صلاحیتیں کچھ اور زیادہ نکھر آئی تھیں لیکن ساتھ ہی وہ سنگدلانہ رویہ بھی شدید ہو گیا تھا، جس کا ایک ہلکا سا عکس ایڈگر سنو نے ۱۹۳۶ء میں دیکھا تھا۔ مسلسل جدوجہد کے ان برسوں میں اس نے یہ بھی سیکھا تھا کہ عوامی حمایت کیا اہمیت رکھتی ہے اور اسے کس کس طرح سے حاصل کیا جا سکتا ہے وہ خود کسان طبقہ میں پیدا ہوا تھا اس لئے عوام کی ضرورتوں کو بھی جانتا تھا اور اُن کی ذہنی فضا کو بھی سمجھتا تھا۔ زوشن شینگ نے لکھا ہے کہ "ماؤزے تنگ بنیادی طور پر کسی چینی ناول یا پیکنگ کے غنائیہ کا کردار ہے۔"

اس قول کو مکمل طور پر مبنی بر حقیقت تو نہیں کہا جا سکتا تاہم اس میں حقیقت کا ایک اہم پہلو ضرور مضمر ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسی پہلو کی بدولت ماؤ کی ذات چینی عوام کے ایک بڑے گروہ کے لئے کشش کا باعث رہی۔ لیکن جب ماؤ نے ۱۹۴۹ء میں کاروبارِ مملکت سنبھالا تو اس وقت چین میں ایک نہیں بلکہ کئی چین تھے۔ اور اس کی شخصیت کے جن پہلوؤں میں چینی قوم کے ایک گروہ کے لئے کشش تھی انھیں پہلوؤں سے بالعموم دوسرے گروہ بیزار نظر آتے تھے۔ ماؤ کے قیادت کے اسلوب میں مقبول و مشہور ادب کی روایات کا رنگ بہت جھلکتا تھا۔ اس باعث کسان طبقہ سے وہ بہت قریب ہو گیا۔ لیکن رکھ رکھاؤ سے عاری یہ اسلوب دانشوروں اور بورژواؤں کو نہیں بھایا ہوگا۔ اس کے برعکس جب ماؤ نے لینن اور مارکس کے حوالے سے چین کو مغربیت سے آشنا کرنے اور جدیدیت کے سانچہ میں ڈھالنے کا ارادہ کیا تو شہری لوگوں نے اس تجویز پر آمنّا و صدّقنا کہا، لیکن کسان اس سے خاصے پریشان ہوئے۔

ماؤ کا ایک وصف بہر حال ایسا تھا جس نے اُس کے سب دوستوں کو قائل کیا۔ یہ چین کے وقار اور قومی مفادات کی حفاظت کا عزم تھا۔ اُس نے اپنے اِس وصف کا اس وقت پورا پورا مظاہرہ کیا جب وہ دسمبر ۱۹۴۹ء میں نئی حکومت قائم کرنے کے سلسلہ میں امداد و حمایت حاصل کرنے کی غرض سے ماسکو گیا تھا۔ ماؤ ۱۶ر دسمبر کو ماسکو پہنچا، اور ۲۲ر دسمبر کو سٹالن کی سترہویں سالگرہ کی تقریب منعقد ہونے والی تھی۔

ماؤ اور سٹالن کی یہ پہلی ملاقات جن حالات میں ہو رہی تھی وہ زیادہ خوشگوار نہیں تھے۔ ماؤ نے چینی کمیونسٹ پارٹی میں جو اقتدار حاصل کیا تھا اس میں سٹالن کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اور اگرچہ ماؤ کی کامیابی کے بعد اس نے اس حقیقت کو کم از کم دکھاوے کی حد تک ضرور قبول کر لیا تھا لیکن کومنتانگ سے اقتدار چھیننے کی جدوجہد میں اُس نے چینی ساتھیوں کی زیادہ گرمجوشی سے حمایت نہیں کی۔ اس کا ایک سبب یقیناً یہ تھا کہ اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں زیادہ جارحانہ پالیسی اختیار کرنے کی صورت میں امریکہ بڑے پیمانے پر مداخلت شروع نہ کر دے۔ اب بہر حال یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ اندیشہ قطعی بے بنیاد تھا۔ لیکن ایک دوسرا سبب اور بھی تھا، اور شاید یہ سبب زیادہ اہم تھا، کہ سٹالن کو ایک اور بڑی اشتراکی طاقت کا ظہور پسند نہیں تھا، اسے یہ اندیشہ اور بڑھ گیا تھا۔

لیوشاؤچی نے ۱۹۴۵ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی ساتویں کانگرس میں جو رپورٹ پیش کی تھی اس کی اہمیت پر ہم پہلے ہی غور کر چکے ہیں۔ اس رپورٹ میں ماؤ کے خیالات کو مشرقی ممالک کے عوام کے لئے شمع ہدایت کے طور پر خوش آمدید کہا گیا تھا۔ اگلے برس لیو نے آنا لوئیزے سٹرانگ کو ایک ہنگامہ خیز انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو میں اس نے انھیں خیالات کو زیادہ چبھتے ہوئے انداز میں پیش کیا۔

"ماؤزے تنگ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مارکسیت کو یورپی سانچہ سے نکال کر ایشیائی سانچہ میں ڈھال دیا۔ چین ایک نیم جاگیردارانہ، نیم نوآبادیاتی ملک ہے، جہاں کی خلقت بھوک اور ننگ کی شکار ہے۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی زمینوں پر کاشت کرتے ہیں...... چین کو اپنی معیشت صنعتی سطح پر لانے میں بہت سے ترقی یافتہ صنعتی ممالک کا سخت دباؤ برداشت کرنا پڑے گا۔... ... جنوب مشرقی ایشیا کے دوسرے ممالک میں بھی یہی حالات ہیں۔ چین جو بھی طریقے اختیار کرے گا ان سے ان تمام ملکوں پر اثر پڑے گا۔"

نومبر ۱۹۴۹ء میں پیکنگ میں ٹریڈ یونینوں کی عالمی فیڈریشن کے اجلاس میں لیوشاؤچی نے یہ اعلان کیا تھا کہ "جس رستے پر چینی عوام گامزن ہیں وہ مثال کی حیثیت رکھتا ہے، جو نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ملک قومی آزادی اور عوامی جمہوریت کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں انھیں یہی راہ اختیار کرنی چاہیے۔" لیکن روسی نمائندوں نے یہ کبھی تسلیم نہیں کیا تھا کہ چینیوں نے کوئی اپنی راہ نکالی ہے۔ اس کے برعکس وہ ہمیشہ یہی جتاتے رہے تھے کہ ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب روسیوں کی قائم کی ہوئی مثال اور امداد کا کرشمہ ہے۔

اپنے طور پر سٹالن اپنے عمل سے ہمیشہ یہی ثابت کرتا رہا کہ وہ فراخ دلی سے ماؤ اور اس کے ساتھیوں کی مدد کرنے پر مائل نہیں ہے۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں لی زونگ ژین کی عارضی صدارت کے زمانے میں چین کے روسی سفارت خانے نے لی کے ساتھ مل کر دونوں ممالک کے درمیان سمجھوتے کا ایک خاکہ تیار کیا تھا۔ اس میں یہ کہا گیا تھا کہ "چین (یعنی کومنتانگ چین) اور روس کے درمیان حقیقی اشتراکِ عمل رہے گا اور اس کے بدلے میں چین مستقبل کی آویزشوں میں غیر جانبدارانہ رویّہ اختیار کرے گا، اور امریکی اثرات کو اپنے ملک میں سے مکمل طور پر خارج کر دے گا۔" اس کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ اپریل

میں جب کمیونسٹ فوجیں نانکنگ میں داخل ہوئیں اور قوم پرست حکومت نے کنیٹن کے لئے رخت سفر باندھا تو سوویت سفیر نانکنگ میں مقیم رہنے کی بجائے قوم پرست حکومت کے ساتھ کنیٹن چلا گیا۔ واضح رہے کہ کنیٹن جاتے وقت اس حکومت کے ساتھ اگر کوئی غیر ملکی ڈپلومیٹک نمائندہ تھا تو وہ یہی روسی سفیر تھا۔ اور پھر یہ کہ روس والے مئی کے پورے مہینے کے دوران قوم پرست حکومت سے (جس کا سربراہ اب پھر چیانگ کائی شیک تھا) سنکیانگ میں تجارتی حقوق کے بارے میں گفت وشنید کرتے رہے تھے۔

گویا ماؤ اور سٹالن کی ملاقات ایسی فضا میں ہوئی جو نظریاتی سیاسی، دونوں اعتبارات سے رقابت کی فضا تھی۔ ایسی صورت میں گفت وشنید کا دشوار ہونا اور طول کھینچنا ناگزیر تھا۔ ۲؍ جنوری ۱۹۵۰ء کو ماؤ نے تاس ایجنسی کو ایک انٹرویو دیا جس میں اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ماسکو میں اس کا قیام شاید چند ایک ہفتے رہے گا۔ تاہم اس نے کہا کہ وہ مدت کا تعین نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ چینی عوامی جمہوریہ کے مفادات سے متعلق تمام مسائل طے کرنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ وہ روس میں نو ہفتوں سے زیادہ مدت تک مقیم رہا۔ لیکن اتنی مدت کے بعد بھی وہ اپنے ملک کے مفادات کے سلسلے میں فقط جزوی اطمینان ہی حاصل کر سکا۔

۱۴؍ فروری ۱۹۵۰ء کو سینٹ ویلنٹائن کے روز جن معاہدوں پر دستخط ہوئے ان میں ایک معاہدہ دوستی، اشتراک اور باہمی تعاون کا تھا۔ اس معاہدے میں یہ ضمانت دی گئی کہ جاپان نے یا جاپان کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ساتھ دیتے ہوئے کسی اور ملک نے چین پر حملہ کیا تو سوویت روس چین کی امداد کرے گا۔ ایک اور معاہدہ ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ روس چین کو پانچ سال تک ساٹھ لاکھ امریکی ڈالر سالانہ قرضہ دے گا۔ اس رقم کا اگر اُس امریکی امداد سے موازنہ کیا جائے جو قوم پرستوں کو دی جا رہی تھی یا جو روس مشرقی یورپ کی طفیلی ریاستوں کو دے رہا تھا، تو یہ رقم نہایت حقیر نظر آئے گی۔ لیکن ماؤ کو ان قلیل فوائد کے لئے یہ قبول کرنا پڑا کہ روس پورٹ آرتھر اور دیرین میں ۱۹۵۲ء تک موجود رہے گا۔ (مگر حقیقت یہ ہے کہ سٹالن نے اس طے شدہ تاریخ کا پاس نہیں کیا۔ اور یہ دونوں بندرگاہیں اس کے مرنے کے بعد ہی چین کے تصرف میں آ سکیں) ماؤ نے منگولیا کی عوامی جمہوریہ کی آزادی کو بھی تسلیم کر لیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے منگولیا کا روس کے حلقۂ اثر میں

داخل ہونا قبول کر لیا۔ حالانکہ یہ امر واضح تھا کہ منگولیا والے روس یا چین کی فرماں روائی میں سے کسی رقبہ کے خواہش مند نہ تھے۔ تاہم ایک ایسے شخص کے لئے جو اوائل عمر سے ہی چین کے انتشار کے آسیب سے خوفزدہ تھا اور جس نے سلطنتِ چین کی تعریف ہمیشہ وسیع معنوں میں کی تھی، منگولیا کی آزادی کو قبول کرنا کڑوی گولی نگلنے کے مترادف تھا۔ ۱۹۳۶ء میں اُس نے اپنی اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ چین میں جب بھی بغاوت کامیاب ہوگی، منگولیا خود بخود اور اپنی مرضی سے چینی وفاق میں مل جائے گا۔ اور ۱۹۳۹ء میں اُس نے چین کی سرحدوں کے بیان میں اندرونی اور بیرونی منگولیا دونوں کو شامل کر دیا تھا۔ اس بات کو تسلیم کرنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے کہ بعد ازاں ماؤ نے اپنے خیالات تبدیل کر لئے تھے، لیکن یہ امر واقعی ہے کہ کم از کم اس موقعہ پر باقی بہت سے مواقع کی طرح، اُسے تلخ حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔

۱۷ مئی کو ماسکو سے روانہ ہونے سے پیشتر ماؤ نے ایک بیان جاری کیا جس میں اُس نے اعلان کیا کہ چین روس دوستی نئے معاہدوں کی رُو سے ناقابلِ شکست اور ابدی ہے۔ ماؤ نے روس میں بہت سے کارخانوں اور اجتماعی فارموں کا معائنہ کیا تھا، اُس نے یقین ظاہر کیا کہ روس کی اقتصادی اور ثقافتی کامرانی آنے والے زمانے میں نئے چین کی تعمیر میں مثال کے طور پر کام دے گی۔

کم از کم اپنے اِس بیان میں ماؤ ضرور کچھ حد تک مخلص تھا۔ اس لئے کہ اُس کے انقلاب کو قابو رکھنے کے عزمِ راسخ میں جدّت کی خواہش کا کوئی دخل نہیں تھا اور نہ ہی اس بات سے اسے کچھ جھجک تھی کہ روسیوں کے تجربات سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ بلکہ ان کے برعکس جیسے وہ کمیونسٹ پارٹی کی تنظیم کے اور جنگِ اقتدار کی رہنمائی کے سلسلے میں لینن کی تعلیمات کے بنیادی اصولوں کو ذہن نشین کر چکا تھا، اب اس کا ارادہ یہ تھا کہ لینن کے تابعین نے قومی تعمیر اور اشتراکی معیشت کی ترقی کے سلسلے میں جن طریق ہائے کار کو فروغ دیا تھا، اُن سے پورا پورا فائدہ اُٹھائے۔ لیکن جیسے اس نے حصولِ اقتدار کے لئے لینن کی جنگی چالوں میں اپنے گوریلا طریقِ جنگ کو شامل کر لیا تھا، عین اُسی طرح اب وہ اشتراکیت کی ترقی و تعمیر کے سلسلے میں استعمال کی جانے والی تراکیب کو بھی چینی حالات کے مطابق ڈھالنا چاہتا تھا۔

چین کے حالات میں اُس وقت مرکزی اہمیت چین کی اقتصادی اور تہذیبی پسماندگی کو اور ملک میں کسانوں کے زبردست کردار کو حاصل تھی۔ یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ عوام کی جمہوری آمریت قومی بورژوازیوں کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی مکمل اہلیت رکھتی ہے، ماؤ نے اپنے مشہور مضمون میں لکھا کہ "سب سے زیادہ اہم مسئلہ کسانوں کی تربیت کا ہے۔" اور واقعی یہ ایسا مسئلہ تھا جو نئی حکومت کی تمام تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل نظر آتا ہے۔ ماؤ کے اپنے الفاظ میں "ملک کو جدید قالب میں ڈھالنے اور اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے طویل سفر میں ملک گیر پیمانے پر ہماری تمام فتوحات صرف پہلے قدم کا درجہ رکھتی ہیں۔ اقتصادی ترقی کے کام میں بھی کسان، جنہوں نے پچیس برس تک جنگ کا بار برداشت کیا تھا مزدور طبقہ کے سب سے بڑے دوست ہوں گے۔ لیکن کسانوں کا طبقہ اس وقت تک اپنا سیاسی کردار مکمل طور پر ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنا معاشی کردار ادا نہ کرے۔ اور اس سے مراد یہ تھی کہ زراعت کا نظام اشتراکی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ بھاری صنعت کے قیام کو فروغ دیا جائے۔ ماؤ نے کہا کہ اس اہم کام کو حکومت کی پشت پناہی حاصل ہوگی۔ اس ساری مہم کو کسان طبقہ کی تربیت کا نام دینا بات کو بے وزن کرنے کے برابر تھا جیسا کہ ماؤ کو علم تھا، جس کام کی فوری ضرورت تھی وہ یہ تھا کہ چین میں ثقافتی اور ذہنی انقلاب لایا جائے جس میں لوگوں کو نہ صرف نئی سائنسی تکنیکوں اور علوم سے روشناس کرایا جائے بلکہ بے زمین افراد کے ذاتی نقطۂ نظر کو بھی، جو ہمیشہ اور ہر جگہ ذاتی مفاد پر مبنی ہوتا ہے، تبدیل کیا جائے۔ روایتی طرزِ فکر میں ایسا مکمل تغیر صرف چند چینی کسانوں کو پسند آ سکتا تھا، باقی سب یقیناً" اس کی مخالفت کرتے اور پھر اتنی دیر تک جنگ میں شریک رہنے اور صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد عوام کی آزاد فوج کے سیاسی طور پر باشعور کسان بھی اب کچھ دیر کے لئے آرام کرنے اور اپنی فتوحات کا ثمر حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ فروری ۱۹۴۸ء کے آغاز میں ماؤ نے ریڈیو اور کمیونسٹوں کے زیر اثر اخباری اداروں کے بیانات کی بہت مذمت کی۔ ان بیانات میں یہ کہا جاتا تھا کہ غریب کسانوں کو جو ملک کو فتح کر چکے تھے اب اپنے ملک پر حکومت کرنے اور آرام کے دن گزارنے کا موقع ملنا چاہیئے۔

کسانوں کو اس بات پر قائل کرنا کہ وہ آرام کی زندگی گذارنے کی بجائے اپنے آپ کو ایک نئی اور کٹھن کاروائی کے لئے، جس کا مقصد لوگوں کو نئے سانچے میں ڈھالنا تھا، تیار کریں اور اس

کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ وہ اپنی قوتوں کو ملک کی سالمیت قائم رکھنے کے لئے بھی محفوظ رکھیں، بہت دقّت طلب کام تھا۔ ماؤ اور اُس کے ساتھیوں نے یقیناً بہت حد تک یہ فریضہ انجام دے لیا ہے لیکن ابھی اپنے مقصد کو پوری طرح حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ بہر حال ۱۹۵۰ء کے اوائل میں، جب ماؤ نے ماسکو کے دَورے کے بعد نئی حکومت کی بنیادی پالیسیوں کے تعین کا کام شروع کیا تو اُس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ دیہاتوں میں معاشرتی اور اقتصادی رشتوں کو نئی شکل دینے کے عمل میں پہلا کام زرعی اصلاح کا تھا جو کہ ان علاقوں میں جو آزاد ہو چکے تھے۔ خانہ جنگی کے زمانے سے شروع تھا۔ یہ بات لینن کی پالیسی کے عین مطابق تھی، جس میں اجتماعیت کی راہ میں ایک ضروری اقدام کے طور پر زمین ذاتی ملکیت میں رکھنے کی اجازت تھی، لیکن ماؤ نے اس پالیسی کو بھی اپنے مخصوص انداز میں اپنایا یعنی جاگیرداروں کی بے دخلی میں بھی لوگوں کی تربیت کے پہلو پر زور دیا۔

۱۹۲۷ء کی رپورٹ میں ماؤ نے لکھا تھا کہ:

"جب مقامی غنڈوں اور نا اہل رؤسا کو بہت طاقت حاصل تھی تو وہ کسانوں کو بغیر کسی تامل کے قتل کر دیا کرتے تھے۔ ان غنڈوں کے ظلم و ستم اور ارد گرد کے علاقوں میں ان کی دہشت پسندی کی بدولت اس بات میں تعجب نہ ہونا چاہیے اگر کسان بغاوت کر کے ان میں سے کچھ کو جان سے مار دیں اور یوں ان بغاوت دشمن عناصر کو کچلنے میں دہشت کا دور دَورہ شروع ہو جائے۔"

چنانچہ نئی حکومت کے قیام سے قبل اور بعد میں جب سرخ فوج کی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ زرعی اصلاحات کا نفاذ شروع ہُوا تو ماؤ نے کسانوں کو ترغیب دی کہ وہ بغاوت کر دیں اور ایک دو نہیں۔ بلکہ اچھی خاصی تعداد میں جاگیرداروں کو قتل کر دیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے عملے کو یہ تنبیہہ بھی کرتا رہا کہ وہ بے دریغ قتل و غارت نہ کریں۔ ہر چند کہ ماؤ کو تشدد کے استعمال سے عار نہیں تھا، تاہم وہ اسے بنیادی طور پر طاقت کے توازن کو اور دیہی علاقوں میں نفسیاتی رشتوں کو تبدیل کرنے کی خاطر استعمال کرنے کا حامی تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ ماضی میں بہت سے جاگیرداروں نے مزارعوں کو اپنی مرضی سے مارا پیٹا اور بعض اوقات قتل تک کر دیا تھا، اور اس باعث ماؤ کی نظر میں وہ بڑی سے بڑی سزا کے مستحق قرار پا چکے تھے، کسانوں کو اس وقت تک حالات کی تبدیلی اور

اپنی قدرت کا احساس نہیں ہو سکتا تھا جب تک وہ خود عام جلسوں میں اپنا استحصال کرنے والے اِن جاگیرداروں کی مذمّت نہ کرتے اور انھیں موت کے گھاٹ نہ اتار لیتے۔

اوّل اوّل تو دیہاتوں میں بہت کم لوگ اس انقلابی شورش کا شکار ہوئے۔ کسی مبصّر نے ان کی تعداد لاکھوں میں بتائی ہے اور دیکھا جائے تو یہ تعداد چین کے تمام جاگیرداروں کے نصف فیصد کے برابر ہوتی ہے۔ تشدّد کا اصل دور دورہ ابھی ہونا باقی تھا۔ تاہم سیاسی اور نفسیاتی طور پر اُن سب لوگوں کے لئے جن کا اس تشدّد سے تعلق تھا، یہ تجربہ بہت شدید اور مضرت رساں تھا۔ دوسری طرف اقتصادی طور پر جو پالیسی اپنائی گئی وہ معتدلانہ تھی۔ خانہ جنگی کے آخری برسوں میں جو کچھ کیا گیا تھا اُس کے برعکس اب امیر کسانوں کی بجائے صرف جاگیرداروں کی زمینیں ضبط کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کے تیسرے اجلاس میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے ماؤ نے ۶ جون ۱۹۵۰ء کو اپنی پالیسی میں تبدیلی کا اعلان کیا اور اس تبدیلی کی سیاسی اور اقتصادی بنیادوں پر وضاحت کی۔ سیاسی طور پر اُس زمانے کے برعکس جب پی ایل اے، کومنتانگ کے رجعت پسندوں کے ساتھ زندگی اور موت کی کشمکش میں مصروف تھی، اب امیر کسانوں سے کسی قسم کا خطرہ باقی نہیں تھا۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے امیر کسانوں والی معیشت کو برقرار رکھنا مناسب تھا تاکہ دیہی علاقوں میں پیداوار کی ابتدائی بحالی کو فروغ دیا جا سکے۔ سطحی طور پر اس پالیسی میں اور سوویت یونین میں این ای پی کے زمانے میں "کولاک" کی ہمت افزائی میں کافی مماثلت تھی۔ لیکن چینیوں نے "اشتمالی جنگ" کی انقلابی منزل سے گزرے بغیر ہی معتدل لائن اختیار کر لی اور ذاتی کاروبار کی ہمت افزائی سے بچ گئے جو کہ این ای پی کا خاصہ تھا۔ امیر کسانوں کو اس بات کی اجازت تو دی جا سکتی تھی کہ وہ اپنی زمینوں پر قابض رہیں لیکن انھیں مزید زمین حاصل کرنے کا اختیار نہیں مل سکتا تھا۔ مزید برآں انھیں کسانوں کی تنظیموں میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی، کیونکہ وہ تنظیمیں صرف غریب اور نچلے درجے کے کسانوں کے لئے مخصوص تھیں۔ یوں امیر کسان سیاسی طور پر علیحدگی کا شکار ہو جاتے۔

مروجہ معاشرتی رشتوں کا پورا قالب بدلنے میں شادیوں کے قانون کی بھی اتنی ہی اہمیت تھی جتنی زرعی اصلاحات کے قانون کی تھی۔ شادیوں کا قانون ماؤ نے ۳۰ اپریل ۱۹۵۰ء کو نافذ کیا۔ اب سے بیس برس پہلے بھی ماؤ نے کیانگسی میں شادی بیاہ کے عارضی ضابطے نافذ کئے تھے۔ جن

کے اصول اور مقاصد اس نئے قانون کی تہ میں بھی کار فرما تھے۔ اس قانون کا ایک مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو برابر کے حقوق دیئے جائیں اور یہ وہ مقصد تھا جو ماؤ کو طالب علمی کے زمانے سے عزیز تھا۔ اس نے ۱۹۲۱ء میں لکھا تھا کہ "جاگیرداری کے زمانے میں عورتوں کو مردوں سے کہیں زیادہ ستم کا شکار ہونا اور ظلم سہنا پڑتا ہے۔" شادی بیاہ کی اصلاح کا مقصد (۱۹۳۱ء میں بھی اور ۱۹۵۰ء میں بھی) یہ بھی تھا کہ آزادانہ انتخاب کی بنیاد پر شادیاں ہوا کریں تاکہ شادیوں کے پورے جاگیردارانہ نظام پر ضرب پڑے اور اس نظام کی بنیاد پر جو خاندانی نظام قائم ہے، جس میں والدین کو اولاد پر بہت زیادہ اختیارات حاصل ہیں، اسے ختم کیا جا سکے۔

حالانکہ ماؤ کے رویّے سے، جو ۱۹۱۹ء کے زمانے سے مستقل تھا یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مرضی سے شادی کرنے کو وہ بنفسہٖ پسند کرتا تھا، تاہم اس اصلاحی اقدام کا ایک سیاسی مقصد بھی تھا، جو یہ تھا کہ فرد پر خاندان کی گرفت کمزور کی جائے تاکہ شہریوں کو معاشرتی تنظیم کے نئے اُن سانچوں میں کھپایا جا سکے، جو روائیتی چین کو ایک ترقی پسندانہ قالب میں ڈھال رہے تھے۔ زرعی پالیسی کے شعبہ کی طرح اس شعبہ میں بھی ماؤ اور اس کے ساتھیوں کی کوشش یہ تھی کہ جاگیردارانہ معاشرے میں فرد کی سلب کی ہوئی طاقت کو آزاد کیا جائے۔ اور پھر اس طاقت کو نئے معاشرے کی بنیاد بنایا جائے تاکہ اس کے بعد کے اجتماعیت کے مرحلے تک رسائی ہو سکے۔

یوں تو ان دونوں شعبوں ہی میں ترقی کی رفتار سست تھی مگر خاندانی علائق کے شعبہ میں مزاحمت نسبتاً زیادہ تھی۔ شادی کے قانون کے نافذ ہونے کے ڈیڑھ سال بعد تک یعنی ۱۹۵۱ء کے گرما اور خزاں میں پارٹی کے اعلیٰ حکام بار بار اس بات کی مذمت کر چکے تھے کہ کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں میں بلکہ فوج میں بھی کچھ ایسے ہٹ دھرم لوگ موجود ہیں جو جاگیردارانہ رویّے پر قائم ہیں۔ وہ صرف مردوں کو اہمیت دیتے ہیں اور عورتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ شادی کے قانون کے مقابلے میں اصلاحات اراضی کا عمل سیدھا سادا تھا۔ لیوشاؤچی نے جون ۱۹۵۰ء والی اپنی رپورٹ میں اعلان کیا کہ ان علاقوں کو چھوڑ کر جن میں قومی اقلیتیں آباد ہیں، ۱۹۵۱ء کے آخر تک اصلاحات کی تکمیل ہو جائے گی۔ اس نے یہ کہا کہ نئی جمہوریت کے زمانے کے دوران میں امیر کسانوں والی معیشت کو برقرار رکھا جائے گا۔ بعد ازاں جب وسیع پیمانے پر زمینی کاشت کے منصوبے کے اطلاق کے

لئے حالات ہموار ہو جائیں گے تو اس معیشت کو بدل دیا جائے گا۔ اس کی جگہ اجتماعی فارموں کی تنظیم قائم کی جائے گی اور دیہات کی اصلاح اشتراکی بنیادوں پر کی جائے گی۔ اس نے کہا کہ اس مقصد کے حصول میں بہت طویل عرصہ لگے گا۔

چینی معاشرے کو نئے قالب میں ڈھالنے کا یہ عمل جلد ہی غیر معمولی طور پر تیز ہونے والا تھا اس تبدیلی کے کئی اسباب تھے۔ ایک تو خود ماؤ کی فطری بے چینی اس کا باعث تھی۔ پھر انقلابی تحریکوں کا قدرتی میلان بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ اگر کوئی انقلابی تحریک شروع ہو جائے تو پھر آپ ہی آپ زور پکڑتی چلی جاتی ہے۔ لیکن ان دو اسباب کے ساتھ ساتھ اس میں کوریا کی جنگ کو بھی دخل ہے، جس نے چینی عوامی جمہوریہ کی داخلی پالیسیوں کو بہت شدت سے متاثر کیا۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ زرعی اصلاحات کا قانون عمل میں آنے ہی والا تھا کہ کوریا میں جنگ شروع ہو گئی۔

جنوبی کوریا کو فتح کرنے کے فیصلہ میں ماسکو، پیکنگ اور پیونگ یانگ میں سے کس کا کتنا ہاتھ تھا، غیر واضح اور متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ پچھلے پندرہ برسوں میں ہر قسم کے نظریات کے حق میں شدومد سے دلیلیں دی گئیں ہیں۔ کبھی ساری ذمہ داری سٹالن پر ڈالی گئی۔ کبھی اسے چینیوں کی جنگجوئی کا نتیجہ قرار دیا گیا۔ اس سوال پر یہاں مفصل بحث تو نہیں کی جا سکتی۔ لیکن شواہد سے کچھ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ اصل میں روس کے ایما پر شروع ہوئی تھی۔ ماؤ کے متعلق علم نہیں تھا کہ وہ جنگ میں شامل ہونا منظور کرے گا یا نہیں (کئی شواہد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسے حملہ کی اطلاع بھی ایک یا دو دن پہلے دی گئی تھی) لیکن اگر اس نے جنگ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تو شاید اس مفروضے کی بنا پر کیا تھا (جو کہ یقیناً سٹالن کا بھی مفروضہ تھا) کہ امریکہ اس صورتِ حال میں مداخلت نہیں کرے گا اور شمالی کوریا والے خود ہی اس کام کو انجام دے لیں گے۔ (یہ دونوں مفروضے معقول نظر آتے تھے۔ ایک تو یوں کہ امریکی وزیر خارجہ ایچی سن نے ۱۲ جنوری ۱۹۵۰ء کو واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ کوریا امریکہ کے دفاعی حلقہ سے باہر واقع ہے۔ دوسرے یوں کہ شروع کے دنوں کی لڑائی سے یہ حقیقت واضح ہو چلی تھی کہ اگر دونوں اطراف سے دوسرے ملک میدان میں نہ کود پڑتے تو اس لڑائی کا انجام کیا ہوتا) بہر حال یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ماؤ نے جان بوجھ کر دیکھتے اور سمجھتے ہوئے امریکہ سے جھگڑا کیوں مول لے لیا۔ ابھی چین میں خانہ جنگی ختم نہیں ہوئی تھی۔

یہاں وہاں مختلف دور دراز صوبوں میں مزاحمتی اڈے موجود تھے جن کا صفایا کرنے کا کام ابھی باقی تھا۔ تبت میں بھی ابھی اختیار قائم نہیں ہوا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تائیوان میں چیانگ کی بچی کھچی فوجوں کو شکست دینا۔ باقی تھا، جس کی خاطر تائیوان سے متصل صوبوں میں فوجیں بھی تعینات کر دی گئی تھیں، اس بارے میں واضح شہادت موجود ہے کہ موسم گرما میں حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا جا چکا تھا۔

گویا نئی کمیونسٹ حکومت کے سامنے اس وقت نہ صرف دوسرے فوجی منصوبے تھے، بلکہ اگلے چھ مہینے تک ماؤ اور اس کے ساتھیوں کو اتنی مصروفیت کا سامنا تھا کہ انھیں سر اٹھانے کی مہلت بھی نہ تھی۔ ان کے سامنے سب سے بڑا کام یہ تھا کہ خانہ جنگی کے زمانے میں جو لمبی چوڑی فوج اکٹھی کی گئی تھی اس میں سے کچھ فوج توڑ دی جائے تاکہ قومی خزانے کا بار تھوڑا کم ہو، مزدوروں کو فوج سے نجات ملے تاکہ وہ زرعی پیداوار کے بھرپور، انقلابی کام میں لگیں، اور اس طرح گرانی کا سدِ باب کیا جائے۔ مزید یہ کہ دیہی آبادی کا صرف ایک تہائی حصہ اصلاح اراضی کے تجربے سے گذر رہا تھا، اور ابھی دس کروڑ کسان باقی تھے جنھیں ۱۹۵۰ء کے اواخر میں اس عمل سے گذرنا تھا۔ پارٹی کے اجلاس جون میں اور سرکاری اداروں میں سارا زور اقتصادی مسائل پر دیا جا رہا تھا۔ سیاسی مشاورتی کانفرنس کی قومی کمیٹی میں ماؤ نے جو افتتاحی اور اختتامی تقریریں کیں ان میں امورِ خارجہ پر ایک آدھ فقرہ ملتا ہے جس میں سوویت یونین کے ساتھ اتحاد و یکجہتی پر زور دیا گیا تھا۔ اختتامی تقریر ۲۳؍جون ۱۹۵۰ء کو، یعنی کوریا میں لڑائی شروع ہونے سے صرف دو دن پہلے کی گئی تھی۔ اس تقریر میں ماؤ نے یہ وضاحت کی کہ نئے جمہوری انقلاب کے عمل میں چینی عوام کو دو آزمائشوں سے گذرنا پڑے گا۔ جنگ کی آزمائش سے اور اصلاحاتِ اراضی کی۔ پھر اس نے کہا کہ "جنگ کی آزمائش تو اب قصۂ ماضی ہے۔" دوسری آزمائش سے گذرنا ابھی باقی ہے، اس کے بعد سوشلزم کے فروغ کے لئے راہیں کھل سکیں گی۔ گویا ماؤ نے کوریا کی جنگ چھڑنے سے دو دن پہلے اپنے ہم قوموں کو یہ یقین دلایا کہ جنگ کی آزمائش گذر چکی ہے۔ پھر جب کوریا میں جنگ چھڑ گئی تب بھی کئی ماہ تک جنگ کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کی سنجیدگی سے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اخباروں میں جنگ کی خبروں کو نسبتاً کم جگہ دی جاتی تھی اور امریکہ کے خلاف جو مضمون چھپتے تھے۔ وہ بھی پچھلے مضامین جیسے ہی تھے۔ نہ تو اُن کی تعداد میں کوئی اضافہ ہوا اور نہ ہی اُن کے لہجے کی تلخی زیادہ ہوئی۔ حالات

میں تبدیلی کا اندازہ اواخر اگست میں ہوا، اور اس کا شدید احساس اُس وقت ہوا جب چینی فوجیں واقعی لڑنے کے لئے کوریا پہنچ گئیں۔

ان سب باتوں کے پیشِ نظر یہ کہنا ناممکن ہے کہ ماؤزے تنگ ۲۵ جون سے پہلے تک دیدہ دانستہ اپنے ملک کو ایسی پالیسی پر چلا رہا تھا جس کے متعلق اسے معلوم تھا کہ وہ جنگ پر منتج ہوگی۔ سچ پوچھئے تو ایسا اشارہ بھی ملتا ہے کہ ماؤ کے ذہن میں امریکہ سے براہِ راست ٹکر ہونے کا امکان نہیں تھا۔ یہ اشارہ ماؤ کے اُس برہمی کے ردِ عمل میں موجود ہے جس کا اظہار اُس نے صدر ٹرومین کے تائیوان کو غیر جانبدار علاقہ قرار دینے کے حکم کے خلاف کیا تھا۔

کوریا میں مداخلت کے فیصلہ کی طرح یہ فیصلہ بھی ایسا تھا جس نے سابقہ امریکی پالیسی کو بالکل اُلٹ دیا۔ اس کے بہت دور رس مضمرات تھے۔ اب صورت یہ تھی کہ اگر چینی کمیونسٹ تائیوان کو فتح کرنے اور چیانگ کی حریف حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کرتے تو واشنگٹن ضرورت پڑنے پر براہ راست مداخلت کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس مسئلہ کو اب تک ماؤ اور چیانگ دونوں نے خالصتاً چین کا مسئلہ سمجھا تھا اب وہ چین اور امریکہ کی براہ راست ٹکر کے بغیر حل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ماؤ نے برہم ہو کر یہ اعلان کیا کہ امریکہ کے صدر نے خود ہی اپنے سابقہ اعلانات کو جو تائیوان میں مداخلت نہ کرنے کے بارے میں تھے ایک فریب ثابت کر دیا ہے، اور مداخلت کا اعلان کر کے اپنے سامراجی عزائم کو فاش کر دیا ہے۔ اپنے پرانے بیان کو دہراتے ہوئے کہ سامراج ظاہر میں طاقتور ہے، مگر اندر سے اسے گھن لگ چکا ہے، ماؤ نے چین اور دنیا کے عوام کو خبردار کیا کہ وہ سب امریکی سامراج کی طرف سے ہشیار رہیں اور وہ جو ہتھکنڈے بھی استعمال کرے، اسے شکست دیں۔

اس طرح ماؤ کے بیان سے اس حقیقت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ فی الحال اسے کوریا سے زیادہ تائیوان سے دلچسپی تھی۔ اشتراکیوں کے اختیار میں آ کر کوریا کا متحد ہو جانا اس کی دانست میں ایک اچھی بات تو تھی مگر یہ بات مشکوک تھی کہ وہ امریکہ کی توجہ مشرقِ بعید کی طرف مبذول کرنے کا خطرہ مول لے کر پیونگ یانگ کے بھائی بندوں کے مقاصد کو پروان چڑھانے پر تیار ہو گا۔ ایسے وقت میں یہ خطرہ مول لینا جب امریکہ چین کے قصے سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کرنے کی کوشش میں مصروف نظر

آتا تھا، قرینِ قیاس نہیں تھا۔ (ایک بات اور بھی تھی کہ کوریا کے کمیونسٹوں نے ابھی پچھلے ہی دنوں چینی ساتھیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا، جو بھائی چارے کے خلاف تھا۔ اس صورتِ حال میں بھی ماؤ کے لئے خطرہ مول لے کر بھائی چارے کے جذبے کا مظاہرہ کرنا ناممکن تھا۔)

کوریا کی جنگ کے مقاصد چین کی بجائے اس وقت کے روسی مفادات کے زیادہ مطابق تھے اور یہ مقاصد یہ تھے کہ امریکہ کی خامیوں کو بے نقاب کر کے جاپان میں امریکہ کے اثرات کو توڑا جائے اور طاقت کے عالمی توازن میں تبدیلی لائی جائے۔ ماؤ یقیناً امریکی سامراج سے لڑنے کا خواہاں تھا۔ لیکن وہ چاہتا تو اس وقت جنگ کو ملتوی کر سکتا تھا۔ تاکہ پہلے ملکی صورتِ حال کسی پائیدار صورت تک پہنچ جاتی اور چیانگ کائی شیک کے ساتھ حساب چکا لیا جاتا۔ حالیہ برسوں میں کوریا کی جنگ کے متعلق جو تاثرات اشاعت پذیر ہوئے ہیں، اُن سے اس جنگ کے متعلق چینیوں کے احساس کی غمازی ہوتی ہے، جو یہ تھا کہ چینی سوویت روس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے قربانی کر رہے ہیں۔

"سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے رہنما ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان براہِ راست تصادم کے خواہاں ہیں اور انھیں ایٹمی جنگ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ عزیز دوستو یہ بات نہیں ہے۔ اس ہیجان انگیز بہتان طرازی سے گریز کرو چینی کمیونسٹ پارٹی تو امریکہ اور روس کے براہِ راست تصادم کے سخت خلاف ہے اور یہ محض زبانی جمع خرچ نہیں ہے۔ اس نے تو اپنے عمل سے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ دونوں ممالک کا تصادم کسی صورت ٹل جائے۔ اس کی ایک مثال کوریا کی لڑائی ہے جہاں ہم امریکی سامراج کے خلاف کوریا کی صفوں کے شانہ بشانہ لڑے تھے۔ قربانیاں پیش کرنے کی زبردست ذمّہ داری ہم نے اپنے سر پر لی اور ہم سوشلسٹ کیمپ کے دفاع کے لئے صفِ اول میں سینہ سپر ہو گئے تاکہ سوویت یونین کو زیادہ نقصان نہ برداشت کرنا پڑے۔"

اس بات سے قطع نظر کہ آیا ماؤ نے جنوبی کوریا پر حملے کے منصوبے میں کم حصہ لیا تھا یا بالکل نہیں لیا تھا، یا یہ کہ اُس نے ایک غلط مفروضے کی بنیاد پر کہ یہ جنگ محض اور صرف کوریا کا معاملہ رہے گی، سٹالن کے فیصلے کو تہِ دل سے قبول کر لیا تھا، امریکہ کی زوردار فوجی کاروائی

کی وجہ سے ماسکو اور پیکنگ دونوں پالیسی متعین کرنے کی مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ اگست اور ستمبر میں دونوں کمیونسٹ طاقتیں کسی سمجھوتے کی بنیاد پر اس معاملے کا سفارتی حل تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ سلامتی کونسل میں روسی مندوب کی موجودگی کے خلاف جو مقاطعہ کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی، اسے ترک کر کے یہ کوشش شروع کی کہ چینی عوامی جمہوریہ کی موجودگی میں شمالی کوریا اور جنوبی کوریا کے درمیان صلح کی گفت و شنید کرائی جائے۔ لیکن اس وقت تک امریکہ کو مکمل فتح کا یقین ہو چکا تھا۔ اس نے تصفیہ کی ایک ہی شرط رکھی کہ اقوام متحدہ کی سرپرستی میں پورے کوریا کو متحد کر دیا جائے۔ چین کی تلخ اور واضح دھمکیوں کے باوجود کہ اگر اُس کی سرحدوں کے لئے کوئی خطرہ پیدا ہوا، تو وہ مداخلت کرے گا نہ تو امریکہ کی رجائیت پسندی میں کوئی فرق آیا، اور نہ ہی میک آرتھر کی فوجوں نے یولو کی طرف اپنی پیش قدمی روکی۔

لہٰذا یہ ہوا کہ ابھی چینی عوامی جمہوریہ کو قائم ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا کہ ماؤ امریکہ سے جنگ میں الجھ گیا۔ اس نئی ذمہ داری نے لامحالہ اقتصادی اور سیاسی مشکلات پیدا کیں۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ امریکہ کے بارے میں ماؤ کا اپنا رویہ بنیادی طور پر مخالفانہ ہونے کے باوجود غیر واضح تھا۔ مجموعی اعتبار سے بھی ابھی چین میں امریکہ دشمنی کے جذبے نے کوئی قطعی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ دونوں ملکوں میں لڑائی چھڑ جانے کے بعد بھی یہ حالت تھی کہ جو رسالے کمیونسٹ پارٹی کے عملے کے لیے نکلتے تھے اِن میں شائع ہونے والے مضامین میں بہت اہتمام اور تحمّل سے یہ بتایا جاتا تھا کہ امریکہ کو کن بنیادوں پر دوست کی بجائے دشمن سمجھا جائے۔

خود ماؤ نے ۲ دسمبر ۱۹۵۰ء کو تائین زین کے صنعتی اور تجارتی حلقوں کے نمائندوں کے نام ایک تار بھیجا اور ان کی اس بات پر تعریف کی کہ امریکہ کی مزاحمت اور کوریا کی امداد کی مہم میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس سے بالواسطہ طور پر یہ معنی نکلتے ہیں کہ ماؤ نے چین میں امریکہ دوستی کے جذبات کی موجودگی کا اعتراف کیا تھا۔ ماؤ نے اس تار میں یہ بھی لکھا تھا کہ "امریکی سامراجیوں نے چینی عوام کو مخاطب کر کر کے بہت گمراہ کن پروپیگنڈا کیا ہے۔ محبانِ وطن کو چاہیے کہ وہ ان گمراہ کن باتوں سے متاثر نہ ہوں۔"

ماؤ اور اس کے ساتھیوں کو یہ احساس تھا کہ جس لڑائی میں وہ کود پڑے ہیں اس کے بارے

میں کچھ لوگ شک اور یقین کے ملے جلے جذبات رکھتے ہیں - ویسے تو جنگ کے وقت میں ہر ملک کے اندر مخالفت کو سختی سے کچلنے کا اور ایک سخت گیر نظم وضبط قائم کرنے کا میلان پیدا ہو جاتا ہے لیکن ان شبہات نے اس قدرتی میلان میں اور زیادہ شدت پیدا کر دی - اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے اپنی طاقت کو مستحکم کرنے اور ہر طرح کی مخالفت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں جبر وتشدد میں یکدم اضافہ کر دیا۔

جبر وتشدد میں اضافے کا یہ سلسلہ یکے بعد دیگرے اجتماعی مہمات چلا کر درجہ بدرجہ عمل میں لایا گیا۔ پہلے انقلاب دشمنوں کے خلاف مہم شروع کی گئی - پھر اصلاح زمین کی تحریک چلی - پھر "تین مخالفتوں" کی تحریک شروع ہوئی، اور سب سے آخر میں "پانچ مخالفتوں" کی مہم چلائی گئی - پہلی مہم ایک نہایت سخت گیر قانون کے زور پر چلی جسے ماؤ نے ۲۱ فروری ۱۹۵۱ء کو نافذ کیا - اس قانون کے تحت انقلاب دشمنوں کو سزائیں دینے کے بارے میں ضابطے بنائے گئے تھے - ان ضابطوں میں جرم کی تعریف بہت وسیع معنوں میں کی گئی تھی اور جرم کی سزا موت یا لمبی قید مقرر کی گئی تھی - مارچ کے شروع ہوتے ہی بڑے بڑے شہروں میں عام جلسے منعقد ہونے لگے جن میں انقلاب کے مخالفوں کے جرائم گنا کر برسرِ عام اُن کی مذمت کی جاتی اور پھر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا - وزیر تحفظ عامہ کے ایک شائع شدہ مضمون کے مطابق چند مہینوں کے اندر اندر صرف پیکنگ میں تیس ہزار جلسے منعقد ہوئے، جن میں تیس لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے شرکت کی - وسطی اور جنوبی چین کے بڑے بڑے علاقوں میں کثیر آبادی کو اسی قسم کی "تربیت" کے عمل سے گذرنا پڑا - اخباروں میں ہر روز اُن انقلاب دشمن افراد کے ناموں کی لمبی لمبی فہرستیں شائع ہوتیں جنھیں پھانسی لگا دیا گیا ہوتا تھا۔

سزا یافتگان کی تعداد کے بارے میں اکتوبر ۱۹۵۱ء میں سرکاری طور پر یہ بتایا گیا کہ ۱۹۵۱ء کے پہلے چھ مہینوں میں صرف عوامی عدالتوں نے آٹھ لاکھ انقلاب دشمن افراد کے مقدموں کے فیصلے کئے - بعد میں چو این لائی نے یہ اعلان کیا کہ جتنے لوگوں کے خلاف مقدمے چلے تھے ان میں سے ۱۶٫۸ فیصد کو موت کی سزا دی گئی - اور یہ زیادہ تر ۱۹۵۲ء سے پہلے کی بات ہے - ان دو اطلاعات کو جوڑ کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۵۱ء کے شروع کے چھ مہینوں میں ایک لاکھ پینتیس ہزار کو موت کے گھاٹ اتارا گیا - اصل تعداد یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہو گی - بعض عناد رکھنے والوں نے

پھانسی پانے والوں کی تعداد ایک ڈیڑھ کروڑ تک گنوائی ہے۔ بہرحال غیر جانبدارانہ تخمینہ کے مطابق اس قضیے میں کل ملاکر دس لاکھ سے لے کر تیس لاکھ تک لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

اگر اس اندازے کے اوسط ہی کو مان لیا جائے تو مرنے والوں کی تعداد بیس لاکھ بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چین کی کل آبادی میں سے اعشاریہ ۳ فیصد لوگ اس جرم میں مارے گئے۔ (یوں سمجھیے کہ فرانس یا برطانیہ جتنی آبادی والے ملک میں ڈیڑھ لاکھ آدمی مارے گئے۔ امریکہ میں اس تناسب کو مدِنظر رکھا جائے تو تعداد چھ لاکھ تک پہنچتی ہے) لیکن اگر اس معاشرتی انقلاب کی وسعت کو اور اُس طویل اور بے رحم خانہ جنگی کو مدِنظر رکھا جائے، جس کے جلو میں یہ معاشرتی انقلاب بپا ہُوا اور جس میں طرفین کے اس سے کہیں زیادہ افراد مارے گئے تھے، تو یہ تعداد کوئی بہت زیادہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ جن انقلاب کے دشمنوں کو اس طریقے سے کچلا گیا اِن میں بہت سے ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی تحریک منظم کی ہوئی تھی یا کسی نہ کسی خفیہ سرگرمی میں شامل تھے۔ تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو محض ایک مخصوص طبقہ سے متعلق ہونے کے سبب مارے گئے۔ بہرحال یہ تصویر انقلاب کی اُس صورت سے بہت مختلف ہے جو تربیت یا ترغیب کے شریفانہ عمل سے ظہور میں آتی ہے اور جس کا تذکرہ پیکنگ کے حمایت کرنے والوں میں کئی حضرات بہت بھولپن سے کرتے رہتے ہیں (چینی خود یہ بات تو نہیں کہتے)۔ بہرحال ۱۹۵۱ء کے دوران ملک بھر میں مکمل خوف و دہشت کی فضا مُسلط رہی۔

اکتوبر ۱۹۵۱ء میں ماؤزے تنگ نے عوامی مشاورتی سیاسی کانفرنس کی قومی کمیٹی کے تیسرے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یہ بتایا کہ "پچھلے برس میں تین بڑی مہمیں شروع کی گئی تھیں۔ زرعی اصلاحات کی مہم اور انقلاب کے مخالفوں کو کچلنے کی مہم۔ یہ سب مہمیں کامیاب ہوئیں۔ اصلاح اراضی کی تکمیل، اُن علاقوں کو چھوڑ کر جن میں قومی اقلیتیں آباد ہیں، ۱۹۵۲ء کے اواخر تک ہو جائے گی۔ کوریا کی عوامی آزاد جمہوریہ پر امریکہ نے جو حملہ کیا تھا اسے پیچھے دھکیل دیا گیا ہے۔ اور جہاں تک بچے کھچے انقلاب کے مخالفین کا تعلق ہے، عنقریب سرزمینِ چین سے اُن کی مکمل طور پر بیخ کنی کر دی جائیگی۔"

مخالفین انقلاب کے خلاف جو مہم شروع کی گئی تھی وہ بعدازاں شروع ہونے والی مہمات سے بالکل مختلف تھی۔ اس لئے کہ اس مہم کا بنیادی مقصد آبادی کے ایک حصے کو نیست و نابود کرنا تھا۔

دراصل تو چند رجعت پسند عناصر ہی کا صفایا کیا گیا لیکن باقیوں کو مزدور کیمپوں میں رکھ کر اور ان سے سختی کا سلوک کر کے نئے سانچے میں ڈھالنا مقصود تھا۔ اس نئے چین میں جسے ماؤ تعمیر کرنا چاہتا ہے ان لوگوں نے کوئی اہم کردار ادا نہیں کرنا تھا۔ اس کے برخلاف تین مخالفتوں کی مہم کی زد میں آنے والے پارٹی کے عملے کو اور "پانچ مخالفتوں" کی زد میں آنے والے قومی بورژوازیوں کو نئے معاشرے میں بھرپور حصہ لینے کی اجازت تھی۔ ان دونوں گروہوں میں سے تھوڑے بہت ناخوشگوار عناصر کا ضرور صفایا کیا گیا لیکن مجموعی طور پر ان کے بارے میں یہ طے ہوا کہ ان کی تربیت جبر و تشدد کی بجائے ترغیب اور اشتیاق دلا کر کی جائے گی۔

طریق کار کا یہ فرق آزادی کے فوراً بعد شروع ہونے والی ایک اور مہم کا جائزہ لینے سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ یہ مہم جو اپنے نقطۂ عروج کو ۱۹۵۱ء میں پہنچی آزادی کے فوراً بعد شروع ہوئی تھی۔ یہ اصلاح فکر کی تحریک تھی جو دانشوروں کے حلقے میں شروع کی گئی تھی۔ اس میدان میں وسیع کوشش کی وکالت جنگ کوریا کے موقعہ پر سیاسی مشاورتی کانفرنس میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ماؤ نے کی تھی۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں ماؤ نے اس تحریک کی رفتار پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس کے حق میں استدلال کرتے ہوئے ماؤ نے وضاحت کی کہ تنقید اور خود تنقیدی کے ذریعہ اصلاح فکر کا طریقہ ان جمہوری طریقوں میں سے ایک ہے جو عوام کو تعلیم دینے اور قائل کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ اس سلوک سے بنیادی طور پر مختلف ہے جو دشمن طبقوں کے لئے روا رکھا جاتا ہے۔ انھیں مشقت کے ذریعہ نئے قالب میں ڈھال کر نئی قوم کا فرد بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تنقید اور خود تنقیدی کا طریق کار دہشت انگیزی کے طریق کار کے مقابلے میں جو مخالفین انقلاب کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ بے شک شدید نہیں ہے۔ لیکن اس طریق کار کو جمہوری بھی صرف ان معنوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کے تحت لوگوں کو قومی کاموں میں حصہ لینے کی اجازت ہے۔ ان معنوں میں یہ جمہوری نہیں ہے کہ جن لوگوں پر یہ طریقہ آزمایا جا رہا ہو انھیں اپنے مقدر پر مؤثر حد تک اختیار حاصل ہوتا ہے۔

فکری اصلاح کی تحریک ان کارکنوں کے لئے عملی طور پر خاصی فائدہ مند ثابت ہوئی جن کے بل بوتے پر انقلابی حکومت چین کی ہیئت بدلنے کا عزم رکھتی تھی۔ یہ تحریک اس لحاظ سے بھی اہم تھی کہ

اس سے عمومی طور پر ماؤ کے قیادت کے اسلوب کا پتہ چلتا ہے۔ جب سے پیکنگ حکومت قائم ہوئی تھی اس کے ہر عمل سے یہ مترشح ہو جاتا تھا کہ اس کے پیشِ نظر ایک نصب العین ہے اور اس نصب العین کے حصول کا ایک طریقہ ہے، لیکن اس تحریک کے ساتھ یہ نصب العین اور اس کے حصول کا طریقہ دونوں خوب نکھر کر سامنے آ گئے۔ یہ تحریک سنہ ۱۹۴۲-۴۴ء والی سدھار تحریک کی ایک قدرتی ارتقائی صورت تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ماؤ کے یہاں دو متصادم امور، یعنی افراد کے اپنے شعوری عمل اور بے داغ معاشرتی نظم وضبط کو ہم آہنگ کرنے کی کتنی زبردست خواہش کارفرما تھی۔ اس نظام سے غیر متعلق شخص تو یہی سمجھے گا کہ یہ دونوں امور ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔ ان کے درمیان سمجھوتے کی صورت تو پیدا ہو سکتی ہے لیکن ایک ہی وقت میں دونوں کی خاطر خواہ تکمیل نہیں ہو سکتی۔ لیکن ماؤ ان دونوں امور کی تکمیل اور باہمی ہم آہنگی سے کم کسی صورت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا بعض مبصروں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ دراصل اس ہم آہنگی کا متمنی نہیں تھا۔ بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ آدمی مشین یا چیونٹی کی طرح کام کرنے لگ جائے۔ لیکن یہ رائے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف ماؤ کے خیالات کو سمجھنے میں ضرورت سے زیادہ سہل پسندی کا مظاہرہ کیا گیا ہے بلکہ بیسویں صدی کے چینی دانشوروں کی ذہنی اور نظریاتی کشمکش کی گہرائی کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

یہ دانشور ماضی کو رد کر چکے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی روایت اور اقتدار کا احترام بھی رخصت ہو گیا تھا۔ لیکن یہ خالص انفرادیت پسندانہ احتجاج ان کے لئے اطمینان و تسکین کا موجب نہیں بن سکا۔ پرانے بادشاہی نظام کا تختہ الٹ چکا تھا، لیکن پارلیمانی جمہوریت کا موثر نعم البدل کی صورت میں ظہور نہیں ہو سکا تھا۔ نفسیاتی طور پر یہ دانشور کسی نہ کسی قسم کے یقین کے متلاشی تھے۔ سیاسی اعتبار سے وہ ثبات و استحکام کے خواہاں تھے۔ تاریخی اعتبار سے پرانے چین کے انہدام اور چاروں طرف سے مغرب کی پندار شکن یلغار کی بدولت ان کی ذات ایک چیلنج سے دوچار تھی۔ ان سب حقائق نے مل کر، بہت حد تک اُن کے ذات کی شکست وریخت اور از سرِ نو تعمیر کے تباہ کن تجربے کا ردِ عمل متعین کیا، اور یہی تجربہ فکری اصلاح کی تحریک کی، جیسے ہی یہ تحریک چین میں اپنائی گئی، اساس اور اُس کا موجب بنا۔

رابرٹ جے لفٹن نے نہایت احتیاط اور غور و فکر سے اس مسئلہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس نے

یہ نکتہ نکالا ہے کہ فکری اصلاح کی تحریک کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ باپ کی جگہ نظامِ حکومت نے لے لی تھی۔ روایتی چین میں آدابِ فرزندی مرکزی اخلاقی قدر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب اس کی جگہ ایک نئے احترام نے جنم لیا جس کا محور حکومت تھی۔ لفٹن کی دانست میں شخصیت کی یہ نئی تشکیل زبردست کشش کی حامل تھی۔ وہ دانشور جو سیاسی طور پر اس حکومت سے متفق نہ تھے وہ بھی اسے جاذب نظر پاتے تھے۔ اس لئے کہ پچھلے پچاس برسوں میں بدلتے ہوئے چین میں پدرانہ اقتدار کو شدید طور پر رَد کرنے کے باعث زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا۔ یہ نئی صورت اس خلا کو پُر کرنے کا فرض انجام دے رہی تھی۔

ڈاکٹر لفٹن نے اس ممکن تعلق کے بارے میں قیاس آرائی نہیں کی، جو ایک طرف فرزندانہ احترام کی باپ کی بجائے اشتراکی حکومت کی جانب منتقلی، اور دوسری طرف ماؤزے تنگ کی قادرِ مطلق، دانا بینا اور مستعد باپ کے طور پر پرستش کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہاں بھی مناسب یہی ہوگا کہ اس تعلق پر غور و فکر نہ کیا جائے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ماؤ کو ذاتی طور پر یہ احساس تھا کہ پدرانہ اقتدار کو اور اس روایت کو جس کا مرکز و محور باپ کی شخصیت تھی رد کر دینے سے ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ وہ وجدانی طور پر یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ چینی دانشور اس وقت کھوئے ہوئے یقین اور اختیار کی تلاش میں بیماری کی حد تک سرگرداں تھے۔ لیکن ماؤ کی سمجھ بوجھ میں اس کی بہت سی کوتاہیاں حائل تھیں وہ نئے سائنسی اور تکنیکی علم سے صحیح معنوں میں کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ یہ جاننے کا اہل نہ تھا کہ بعض اعتراض اٹھانے کے انداز نہ صرف اس 'لبرلزم' کا مکمل مظاہرہ تھے جس کا وہ دشمن تھا بلکہ یہ انداز نئی تہذیب کا جزو لاینفک بھی تھے۔ ماؤ کو اس بات کا مکمل یقین تھا کہ اس کی اپنی فکر درست اور راست ہے۔ اس لئے اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہر آدمی کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اُس کے اندازِ فکر کو اپنائے۔ نتیجہ کے طور پر بے ساختہ اظہار اور نظم و ضبط کے درمیان مفاہمت تلاش کرنے کی کوشش میں اُس نے موافقت اور تعمیل کے رویئے پر زیادہ سے زیادہ زور دینا شروع کر دیا۔

جس طرح ۱۹۴۲-۴۴ء کی سدھار تحریک سے پہلے اور اس کے ساتھ ساتھ ماؤ کے افکار کے مطالعہ کی تحریک چلائی گئی تھی، اسی طرح منطقی طور پر اصلاحِ فکر کی تحریک کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی سے وابستہ ایک خصوصی کمیٹی ماؤ کی منتخب تصانیف کی اشاعت

پر مامور ہوئی تھی۔ یہ کمیٹی ایک مدت تک ماؤ کی تصانیف سے معیاری اور مستند احکام تلاش کرنے کے کام میں لگی رہی۔ اس کمیٹی کا ترتیب دیا ہوا نسخہ بعد کے تمام تراجم اور نسخوں کی مستند بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ذکر اس سوانح کے دوران میں بار بار آچکا ہے کہ ہر مضمون اور مقالے کو ماؤ نے خود خوب سوچ سمجھ کر دوبارہ لکھا تھا تاکہ جوانی میں جو غلطیاں ہوئی ہوں ان کی بھی اصلاح ہو جائے اور اگر کوئی ایسی بات یا کوئی ایسا خیال راہ پا گیا ہو جو مروجہ عقائد سے ہم آہنگ نہ ہو تو اس کی بھی کاٹ چھانٹ ہو جائے۔ اس تحریجی اڈیشن کی پہلی جلد اکتوبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔ لیکن یکم جولائی ۱۹۵۱ء یعنی چینی کمیونسٹ پارٹی کی تیسویں سالگرہ پر چیدہ چیدہ تحریریں اخباروں میں چھپنا شروع ہوئیں اور یکے بعد دیگرے شائع ہوتی رہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ نامی گرامی مفکروں کے مضامین بھی چھپنے شروع ہوئے جنہوں نے ماؤ کے افکار کو خوب اچھالا۔

بہر حال یوں فروغ پانے والی اس فکری اصلاح کی تحریک کے اثرات و نتائج مختلف لوگوں کے حق میں مختلف نکلے۔ بعض لوگوں کے لئے یہ تحریک المناک نتائج لے کر آئی۔ بعض لوگوں کے لئے جذباتی و ذہنی سکون و اطمینان کا پیام لائی اور باقی لوگوں کے لئے (جو اکثریت میں تھے) اس کی حیثیت یہ تھی کہ انہوں نے اسے قبول تو کر لیا مگر اندر سے اس کے خلاف بغاوت بھی پیدا ہوئی۔ انسانی معنوں میں یہ تحریک بہت حد تک جبر و اضح اور بالعموم جبر کا رنگ لئے ہوئے تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ جن طلبا، پروفیسروں اور دانشوروں نے اس تحریک کا تجربہ کیا اِن پر اس قسم کا کوئی تشدد نہیں کیا گیا، جیسا مغرب کے رہنے والوں پر کیا گیا تھا، جن کی اصلاح جیل کی سلاخوں کے پیچھے کی گئی تھی۔ مگر اس کا دوسرا پہلو بھی ہے۔ نظام حکومت کو چلانے اور کامیاب بنانے کے نقطۂ نظر سے اس تحریک کے نتائج بلاشبہ بہت مثبت قسم کے برآمد ہوئے۔

۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ماؤ نے ایک تقریر میں اعلان کیا کہ "ہمارے ملک میں جمہوری تبدیلی اور ترقی پسندانہ صنعت کاری لانے کے لئے چند شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ان میں ایک شرط یہ ہے کہ فکری اصلاح کی جائے، خاص طور پر ہر قسم کے دانشوروں کی فکری اصلاح بہت ضروری ہے۔"

یہ درست ہے کہ اس بات کے پیشِ نظر کہ ان لوگوں کو بے حد و حساب کام سرانجام دینے تھے اور تجربہ کار کمیونسٹ عملے کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یہ ممکن نہ تھا ماؤ اور اس کے ساتھی تربیت یافتہ

افرادی قوت کو ضائع جانے دیتے ۔ ہاں اگر کسی اٹل سیاسی مخالفت کا سامنا ہوتا تو پھر الگ بات تھی۔ فکری اصلاح کی تحریک کی مدد سے انھوں نے مختلف النوع طبقات سے تعلق رکھنے والے طلبا، کومنتانگ کے سابق افسروں اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کو اچھی خاصی حد تک نئے قالب میں ڈھال لیا اور کم از کم تھوڑی مدت تک کے لئے اُن کو ضرور کار آمد بنا لیا۔ اس لئے ماؤ نے بجا طور پر یہ دعویٰ کیا کہ ملک کے اقتصادی اور معاشرتی قالب کی تبدیلی میں فکری اصلاح کی تحریک نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے ۔

"تین مخالفتوں" والی مہم جس میں ۱۹۵۱ء کے اواخر میں فکری اصلاح کی تحریک بھی مدغم ہو گئی تھی اور "پانچ مخالفتوں" والی مہم جو ۱۹۵۲ء کے موسم بہار میں شروع ہوئی تھی، ان دونوں مہمات میں قلب ماہیت پر کم اور معاشرتی افادیت پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ تاہم دونوں مہمات نے اُن طریقوں سے بھی کام لیا جو فکری اصلاح کی مہم میں اختیار کئے گئے تھے اور پنچایتی مذمت کے طریقے کو بھی برتا جو مخالفینِ انقلاب کے خلاف استعمال کیا گیا تھا، گو اس بار اس مذمت میں اتنی شدت نہیں تھی جتنی پہلے تھی۔ پہلی مہم جس کے اثرات پارٹی اور حکومت کے عملے پر ہوئے بدعنوانیوں، ضیاع اور نوکر شاہی کے خلاف شروع ہوئی تھی۔ اس مہم کے دوران میں پارٹی کے بہت سے ارکان ان تینوں میں کسی نہ کسی جرم کی وجہ سے نکالے گئے، اور جو باقی بچ رہے انھیں کہا گیا کہ وہ تندہی سے بورژوا اندازِ فکر سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ 'پانچ مخالفتوں والی مہم' پانچ سماجی زہروں کے خلاف تھی۔ یہ پانچ زہر، رشوت ٹیکس ادا کرنے میں لیت و لعل، جعل سازی، سرکاری مال کی چوری اور حکومت کے اقتصادی رازوں کے سرقہ کے تھے۔ اس مہم کا اثر اولاً قومی بورژوا طبقہ کے سوداگروں اور صنعت کاروں پر پڑا۔ یہ لوگ اب تک اپنے اداروں کو نیم خود مختارانہ حیثیت میں چلا رہے تھے۔ اس مہم کا رشتہ پچھلی مہم سے یوں ملتا تھا کہ تاجر طبقہ رشوتوں سے کام نکالنے میں سرکاری ملازمین کو بدعنوانی کی طرف راغب کر رہا تھا۔ چونکہ قومی بورژوا طبقہ کی ایک درمیانہ حیثیت تھی (وہ عوام سے علاقہ رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مخصوص مفادات سے بھی چپکے ہوتے تھے) اس لئے اس مہم کے طریقے اور مقاصد بھی درمیانہ حیثیت رکھتے تھے۔ زرعی اصلاحات کے برعکس اس مہم کا ایک مقصد معاشرتی طبقے کو ختم کرنا یا اُس طبقے کے افراد کو محنت مزدوری کرنے والوں کے مرتبے پر پہنچانا نہیں

تھا۔ بات یہ تھی کہ زمین کو جوتنے بونے کے سلسلہ میں کسانوں کو تو زمینداروں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن مختلف منصوبوں پر عملدر آمد کی خاطر کارخانوں کے مالکوں اور تاجروں کی مہارت کی ہنوز ضرورت تھی۔ لہٰذا اس مہم کا زیادہ تر مقصد یہ تھا کہ کارخانہ دار طبقہ کے اندازِ فکر کو بدلا جائے اور انھیں اس بات کے لئے تیار کیا جائے کہ آگے چل کر انھیں تنخواہ دار مینیجروں کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس طبقہ کے پاس جو تھوڑی بہت خود مختاری رہ گئی ہے اور جس کی جڑیں ان کے کاروباری منصوبوں میں تھیں، اسے بالکل ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اِن پر بڑے بڑے جُرمانے کئے گئے اور بعد ازاں انھیں قرضے دے کر دیوالیہ ہونے سے بچایا گیا۔ اس طرح وہ مالی اعتبار سے حکومت کے دستِ نگر ہو گئے۔ پھر ان لوگوں کے معاملہ میں پنچائتی مذمت اور پابندیاں عائد کرنے کا طریقہ اتنی سختی سے استعمال کیا گیا۔ جتنا 'تین مخالفتوں' والی مہم میں بھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اِن پر جو دباؤ ڈالا گیا وہ زیادہ تر نفسیاتی نوعیت کا تھا۔ نفسیاتی دباؤ ہی میں بہت سے اس خیال سے دہل گئے کہ ان کا سارا کاروبار چوپٹ ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے خودکشی کرلی۔ جنھوں نے زیادہ بڑے جرائم کئے تھے، اُن کے لئے جیل کا خوف کافی تھا۔ فکری اصلاح کی تحریک کے طریقے بھی آزمائے گئے اور تاجروں سے کہا گیا کہ اپنے نوکروں کے سامنے اپنے جرائم کا اعتراف کریں۔

ایک مرتبہ پھر ماؤ اِن مہمات کے سلسلہ میں پیش پیش تھا۔ ۱۹۵۲ء میں سالِ نو کے پیغام میں اس نے چینی عوام سے — امریکہ کی مزاحمت اور کوریا کی امداد، قومی دفاع، زرعی اصلاحات، مخالفین انقلاب کو کچلنے، اقتصادی تعمیر، اور فکری اصلاح کے سلسلہ میں کام کرنے کی اپیل کی اور لوگوں کی توجہ تین مخالفتوں کی مہم کے نئے محاذ کی طرف مبذول کرائی

"میں اپنے وطن کے سب لوگوں سے اور سیاسی کارکنوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ متحد ہو جائیں اور پرچم بلند کر کے اور نقارے بجاتے ہوئے بدعنوانی، ضیاع اور نوکر شاہی طینت کے خلاف بڑے پیمانے پر زور شور سے جنگ شروع کر دیں۔"

جب ماؤ نے تصویر کشی کر کے اور جد وجہد پر زور دیتے ہوئے یہ نہایت مخصوص اعلان کیا، اس وقت چینی معیشت نے منصوبہ بندی کے سلسلے میں سوویت یونین کی نہج اختیار کرنی شروع کر دی تھی۔ ۱۹۵۲ء میں باہمی امدادی دستے، ترتیب دیئے گئے۔ یہ امداد باہمی کی ابتدائی اور غیر منظم شکل تھی

جس کی روسیوں کے تجربات میں کوئی نظیر نہیں ملتی - لیکن یہ دستے ایک عبوری منزل کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس سے گزر کر سوویت طرز کی اجتماعی کاشت کی منزل میں پہنچنا تھا۔ ۱۹۵۲ء کے اواخر میں اعلان کیا گیا کہ پہلا پنج سالہ منصوبہ ۱۹۵۳ء میں شروع ہوگا۔ اور فروری ۱۹۵۳ء میں ماؤ نے اپنے ہم وطنوں سے اپیل کی کہ سوویت روس کے تجربات کا مطالعہ کریں اور ان سے سبق لیں۔ اس کے ایک ماہ بعد سٹالن کا انتقال ہوگیا۔ جتنے عرصے تک ماؤ بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک میں سرگرم رہا تھا کم و بیش اتنے ہی عرصے تک سٹالن اس تحریک کا سربراہ رہا تھا۔ اور ماؤ نے بہت خوش گفتاری سے اور پُرجوش الفاظ میں سٹالن کی شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ کم از کم اُس وقت دنیا نے یہی سمجھا کہ ماؤ سٹالن کا نہایت وفادار قسم کا شاگرد ہے۔ اور اشتراکی چین سوویت یونین کی نقل ہے لیکن واقعات سے جلد ہی یہ ظاہر ہونے والا تھا کہ حقیقتِ حال کہیں زیادہ پیچیدہ ہے اور یہ کہ چین کو ثروت اور طاقت کی منزل سے روشناس کرانے کے سلسلے میں جتنی اہمیت سوویت منصوبہ بندیوں کو حاصل ہے، کم از کم اتنی ہی اہمیت ماؤ کے جنگجویانہ مزاج کو بھی حاصل ہے۔

ایک چینی طریق کی تلاش

اگر کوئی شخص ۱۹۴۹ء کے بعد سے اور بالخصوص ۱۹۵۳ء کے وقت سے چین کی پالیسی کا ارتقاً بیان کرنا چاہے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ارتقاً حقائق کے عقلی تجزیے پہ انسانی ارادے کے تجریدی غلبے کی داستان ہے۔ مگر ایسا بیان ہر چند کہ بہت معنی خیز ہو پھر بھی یہ اس دور کے پُرپیچ مسائل کو سطحی اور سادے انداز میں بیان کرنے کی کوشش ہے۔ اگر متوازن رائے قائم کرنا ہو تو تین عوامل کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے وہ تین عوامل یہ ہیں۔ اوّل: عوام کی ذہنیت کو نئے قالب میں ڈھالنے کے کیا طریقے اختیار کئے گئے۔ دوسرے: قیادت کے اس بارے میں کیا خیالات تھے کہ وہ انسانی افعال اور اعمال پہ عائد شدہ قدرتی حد بندیوں کو ختم کرنے کی کس حد تک استعداد رکھتی ہے۔ تیسرے: اقتصادی اور معاشرتی پالیسی کے ٹھوس مقاصد اور طریقہ ہائے کار کیا تھے۔ صرف ان بنیادوں پہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چینی عوامی جمہوریہ کی سولہ سالہ زندگی میں فکری اصلاح کے طریقوں کو، جن کا ذکر سابقہ ابواب میں آچکا ہے اتنے بڑے پیمانے پہ اور اتنی شدت کے ساتھ عمل میں لایا گیا کہ ہم اسے ماؤ کے چین کی اصل خصوصیت قرار دے سکتے ہیں۔ ان طریقوں کی رُوح اور ان کے اثرات کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ چینی رہنماؤں کو افراد اور اشیأ پہ اپنی قدرت کا مبالغے کی حد تک یقین ہو گیا ہو۔ ماؤ کو تو شروع ہی سے اپنے اختیار اور ارادیت پہ بے پناہ اعتماد تھا۔ اور

اب یہ اعتماد جو ماؤ کے کردار کا ایک امتیازی وصف تھا کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا۔ مگر اپنی قوتِ ارادیت اور اختیار پر بے پناہ یقین، اور چین کی اقتصادی ترقی کی ضرورت کے درمیان تصادم کے باوجود حکومت نے دوراندیشی سے ایک درست اور معتدل راستہ اختیار کر لیا۔ ان ساری باتوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ ارتقا خطِ منحنی کی صورت میں ہوتا نظر آتا ہے۔ جس میں سارا زور پسماندہ ملک کی صنعتی ترقی کی راہ میں حائل مشکلات سے ہٹا کر وقتاً فوقتاً نئی نئی آزاد ہونے والی مملکتوں میں موجود غیر معمولی قوت پر دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر چینی قوم کی اُس قوت پر جس کی بدولت یہ قوم ہر مشکل پر قابو پانے کی اہل بتائی جا سکتی ہے۔

۱۹۵۵ء تک پیکنگ حکومت کی اقتصادی پالیسی مجموعی طور پر اچھی خاصی اعتدال پسندانہ رہی تھی۔ پانچ مخالفتوں والی تحریک ۱۹۵۲ء میں شروع ہوئی تھی۔ شہروں میں اسی زمانے سے کاروباری منصوبوں میں قومی بورژوا طبقہ کے تاجروں اور صنعت کاروں کا مؤثر اختیار رفتہ رفتہ ختم ہو رہا تھا۔ لیکن ابھی ان کے حقوقِ ملکیت کچھ حد تک یا مکمل طور پر برقرار تھے اور انھیں منافع میں سے حصّہ مل رہا تھا۔

تین سال کی تیاری کے بعد ۱۹۵۳ء کے آغاز میں پہلے پنج سالہ منصوبے کا آغاز کیا گیا۔ گو اس منصوبے کی تفصیلات کہیں ۱۹۵۵ء میں طے ہوئیں۔ اشتراکی معیشت کی طرف یہ پہلا قدم تھا جسے چینی عوامی جمہوریہ کے آئین میں جو ستمبر ۱۹۵۴ء کو منظور ہوا تھا، باضابطہ طور پر تسلیم کیا گیا۔ آئین کی تمہید میں اعلان کیا گیا کہ ایسے مطلوبہ حالات پیدا ہو چکے ہیں، جن میں اقتصادی تعمیر کی منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے اور بتدریج سوشلزم کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس قالب بدلنے کے عمل کی رفتار کو اعتدال کی حدود میں رکھا گیا تھا۔ نئے آئین میں یہ صراحت کی گئی تھی کہ یہ مملکت ایک عوامی جمہوری آمریت ہے اور اس آئین پر غور کرنے کے لئے قومی عوامی کانگرس کا جو پہلا اجلاس ہوا اس میں ماؤ نے یہ کہا کہ چین کو مکمل طور پر صنعت یافتہ ملک بنانے کی خاطر متعدد پنج سالہ منصوبوں کی ضرورت پیش آئے گی۔

شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ نئے سرکاری ڈھانچے کے قائم ہو جانے سے طاقت و اقتدار کی اصل صورت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ماؤ جس طرح ۱۹۴۹ء کے عارضی حکمنامے کے تحت چینی عوامی جمہوریہ کا چیئرمین بنایا گیا تھا اسی طرح نئے آئین کے تحت بھی یہی رہا۔ یہ صحیح ہے کہ نئی قومی عوامی

کانگرس کے پہلو بہ پہلو متحدہ محاذ کو اور اس صورت چینی عوامی سیاسی مشاورتی کانفرنس کو بھی جو متحدہ محاذ کی ظاہری شکل تھی برقرار رکھا گیا۔ لیکن کاروبار مملکت میں سارا اختیار چینی کمیونسٹ پارٹی ہی کے ہاتھ میں رہا۔

گو ماؤ نے سربراہ مملکت کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں بڑی تن دہی سے انجام دیں۔ مثلاً سب سفیروں سے اس نے بنفس نفیس اسناد قبول کیں اور ملاقات کی، تاہم اکثر و بیشتر اس نے یہ رسوم انوکھے پن کے ساتھ اور عجیب بے تکلفی سے ادا کیں۔ مثلاً ایک دراز قامت مغربی سفیر سے پہلی بار ملاقات ہی میں ماؤ نے اسے دیکھ کر بے ساختہ کہا "یا میرے اللہ اتنا لمبا آدمی!"

مجموعی طور پر دیکھئے تو یوں لگتا ہے کہ پہلے پنج سالہ منصوبے میں منصوبہ بندی کے طور طریقے اور یہ امتیازات کہ کس صنعت کو دوسری صنعتوں پر ترجیح دی جائے، روس کی مثال پر وضع کئے گئے تھے۔ بھاری صنعتوں پر تاہم سوویت کے ۱۹۲۹-۳۴ء والے پہلے منصوبے سے زیادہ زور دیا گیا تھا۔ لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ ۱۹۴۹ء سے پہلے کی چینی معیشت عدم توازن کی شکار تھی، وہ یوں کہ اُس میں پورا نیا شعبہ ان ہلکی صنعتوں پر مشتمل تھا جو بڑے بڑے ساحلی شہروں میں یا ان کے آس پاس قائم تھیں۔

دیہات میں ۱۹۵۲ء میں پنج سالہ منصوبے کا آغاز یوں ہوا کہ "باہمی تعاون کے دستوں" کی منزل سے گذر کر "نیم اشتمالیت کی منزل میں قدم رکھا گیا، اور کاشت کاروں کی باہمی امداد کی انجمنیں قائم کی گئیں۔ اس نئی صورت کو نیم اشتمالیت اس بنا پر قرار دیا گیا کہ امداد باہمی سے حاصل ہونے والی آمدنی انجمن کے اراکین کے درمیان محض محنت مزدوری کی بنیاد پر تقسیم نہیں ہوتی تھی۔ اس میں جزوی طور پر یہ پہلو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا کہ انجمن کی تشکیل کے وقت کس نے کتنی زمین اور کتنا سرمایہ چندے میں دیا تھا۔ یہ پروگرام شروع میں تو بہت ضبط اور احتیاط کے ساتھ چلایا گیا چنانچہ جولائی ۱۹۵۵ء تک یہ کیفیت تھی کہ چین کے صرف ۱۵ فی صدی کسان خاندان امداد باہمی کی ان انجمنوں سے وابستہ تھے۔ پھر اچانک ماؤ نے اپنی ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء والی تقریر میں یہ اپیل کی کہ اجتماعی معیشت کی ترویج کی رفتار تیز ہونی چاہیے نتیجہ اس اپیل کا (جو اکتوبر میں شائع ہوئی تھی) یہ ہوا کہ اجتماعی معیشت کا عمل اتنا تیز ہو گیا کہ ماؤ نے بہت رجائیت پسندانہ انداز میں جو پیشگوئیاں

کی تھیں، نتائج اُس سے بھی کہیں زیادہ برآمد ہوئے۔

اس زرعی معیشت کے عمل کی عجلت کے ساتھ ساتھ یہ ہوا کہ تقریباً تمام صنعتی اور تجارتی کاروبار کو جو نجی ملکیت میں تھا، قومیا لیا گیا۔ البتہ بورژوا طبقہ کے بیشتر اراکین کو تنخواہ دار منیجروں کی حیثیت سے کاروبار میں رہنے دیا گیا۔ نظریاتی اعتبار سے چہار طبقاتی آمریت میں اب تک بورژوا طبقہ کے لئے گنجائش تھی لیکن اس کے بعد یہ فارمولا تقریباً کالعدم ہو گیا۔

ان اقدامات کو مزید تقویت اُس مہم سے بھی حاصل ہوئی جو ہو فنگ نامی ایک ادیب کے خلاف شروع کی گئی تھی، اور جسے بورژوا طبقہ کے نظریات کا ترجمان قرار دیا گیا۔ ۵۶-۱۹۵۵ء کے موسم سرما میں صنعت کے میدان میں "آگے کی سمت جست" کا نعرہ لگایا گیا۔ یہ نعرہ واضح طور پر اُس مہم کی گونج تھا جسے دو برس بعد شروع کیا گیا اور جسے "ترقی کی خاطر عظیم جست" کا نام دیا گیا۔

لیکن اِن سب مہمات سے بڑھ چڑھ کر اجتماعی معیشت کی وہ رَو تھی جو دیہات میں آئی۔ یہ رو ۵۶-۱۹۵۵ء کے برسوں میں چین کی تاریخ میں اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے واسطے سے جو ٹھوس ذہنی تبدیلی پیدا ہوئی اور جس ارتقائی عمل نے ظہور کیا اس کتاب میں اُسے مؤثر طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام "چین کے دیہات میں سوشلزم کا ظہور" ہے اور یہ ۱۹۵۶ء کے آغاز میں شائع ہوئی تھی۔ اجتماعی معیشت کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں قومی اور علاقائی اخباروں میں جو خبریں اور رودادیں شائع ہوئی تھیں، یہ کتاب اُن سب پر مشتمل تھی۔ اس کتاب میں بڑی دلچسپی کا پہلو یہ ہے کہ نہ صرف ماؤ نے اس کا دیباچہ خود لکھا ہے۔ بلکہ اس کے نفس مضمون پر اُس نے متعدد جگہ حاشیے بھی لکھے ہیں۔

ماؤ کی ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء والی تقریر سے اجتماعی حیثیت کے حق میں جس مہم کا آغاز ہوا تھا اس کا یقیناً ایک معقول جواز موجود تھا۔ صنعتی ترقی کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری تھا کہ زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جائے اور ماؤ کو یقین تھا کہ امداد باہمی کی انجمنیں ایک ایسا ڈھانچہ فراہم کر سکتی ہیں جس کے ذریعے مشینوں اور دوسرے طریق ہائے فن کو رواج دے کر یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ماؤ کی نظر میں وہ ذہنی تبدیلیاں اور وہ فضا جو اجتماعی معیشت کے عمل کے جلو میں آئی تھیں، زیادہ اہمیت کی حامل تھیں۔

"چین میں ۱۹۵۵ء کا برس وہ تھا جب سوشلزم اور سرمایہ داری کے درمیان جد و جہد کا فیصلہ ہُوا ...... ۱۹۵۵ء کے ابتدائی چھ ماہ تاریک اور دھندلے تھے۔ لیکن اگلے چھ ماہ میں فضا یکسر بدل گئی۔ ہزاروں لاکھوں کسانوں کے گھر کے گھر حرکت میں آ گئے۔ مرکزی کمیٹی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے انہوں نے امدادِ باہمی کے طریقِ کار کو اختیار کیا۔ ان سطور کے تحریر ہونے کے وقت تک دیہات کے مختلف علاقوں میں چھ کروڑ کسان امداد باہمی کی تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ایک طوفانی موج سارے شیاطین و جنّات کو بہا کر لے گئی ہے ـــــ اس سال کے آخر تک سوشلزم کی فتح عملاً ثابت اور مسلّم ہو جائے گی۔ لیکن ابھی ہمیں اور بہت سی جنگوں میں حصہ لینا ہے۔ ہمیں جوش و خروش سے لڑتے رہنا چاہیئے"۔

یہ جنگجویانہ مزاج، اور یہ عالمِ تخیّل جس میں دیو اور سورما بھی بستے ہیں، ساتھ ساتھ انسان کے شعوری عمل میں ایک ناقابلِ شکست عقیدے کا بھی حامل ہے۔ ماؤ ۱۹۳۳ء کی پڑتال کی تحریک کے وقت سے یہی زور دے رہا تھا کہ چینی دیہات میں تبدیلی اور اس کا ایک نئے قالب میں ڈھلنا درحقیقت ایک اقتصادی عمل نہیں بلکہ ایک سیاسی اور نظریاتی عمل ہے۔

"اقتصادی منصوبوں کے لئے سیاسی عمل شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب اقتصادی اور معاشرتی نظام بنیادی طور پر تبدیل ہو رہا ہو یہ بات اور بھی زیادہ صحیح ہو جاتی ہے زرعی امداد باہمی کی تحریک شروع ہی سے حد درجہ نظریاتی اور سیاسی جد و جہد سے دوچار رہی ہے۔ اس قسم کی جد و جہد سے گزرے بغیر کوئی امداد باہمی کی تحریک پروان نہیں چڑھ سکتی۔ پرانے معاشرتی نظام کی جگہ بالکل نیا نظام تعمیر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جگہ کو بالکل پاک صاف کر لیا جائے۔ پرانے نظام کی عکاسی کرنے والے پرانے خیالات لوگوں کے دل و دماغ میں ایک لمبی مدّت تک بسے رہتے ہیں اور آسانی سے نئے خیالات کو راہ نہیں دیتے"۔

۱۹۳۳ء کی طرح اس وقت بھی ماؤ کی پالیسی کا ایک اور پہلو یہ تھا کہ کسانوں کے اس طبقہ کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی جائے جو زمانہ سابق میں خوشحال رہا تھا۔ یہ وہ طبقہ تھا جس نے کسی نہ کسی طور اپنے سابقہ معاشرتی وقار یا معاشی مفادات کو کسی نہ کسی حد تک محفوظ کر لیا تھا۔ "چین کے دیہات میں سوشلزم کا ظہور" نامی کتاب میں جو مقالات شامل ہیں اور ماؤ

نے ان پر جو تبصرے قلم بند کئے ہیں اِن میں مخالفین انقلاب اور بد فطرت لوگوں کی امداد باہمی کی انجمنوں میں مداخلت کی اور اُس منفی یا مجہول رویّہ کی بھی جو سابقہ اونچے متوسط طبقہ کے کسانوں کی معیشت کو اجتماعی قالب میں ڈھالنے کے بارے میں اختیار کیا جا رہا تھا، مذمت کی گئی ہے، ماؤ نے اس پر بھی بہت زور دیا کہ نیم اشتراکی امدادِ باہمی سے جلد از جلد مکمل طور پر اشتراکی امداد باہمی کی انجمنوں کی طرف قدم اٹھانا چاہیئے جن میں ہر رکن کا حصّہ اُسے اُس کی محنت کے مطابق دیا جائے۔ اس نے یہ کہا کہ اس عبوری عمل کی تکمیل کے لئے تین سال کی مدت اچھی خاصی مدّت ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ مرحلہ ۱۹۵۶ء کے نصفِ اوّل ہی میں طے ہوگیا اور ماؤ کے "چین کے دیہات میں سوشلزم کا ظہور" مرتب کرنے کے تین سال کے اندر اندر چینی کسان کمیونز بنانے کے مرحلہ میں داخل ہو گئے۔

بہت سی وجوہ کی بنا پر ۱۹۵۶ء کے نصف آخر میں ایک مرتبہ پھر ماؤ نے جلد بازی کو ترک کر کے ایک زیادہ محتاط روش اختیار کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جس عجلت کے ساتھ اجتماعی معیشت اختیار کی جا رہی تھی اس کے خلاف کسان مزاحمت کر رہے تھے۔ پھر فصل خراب ہوئی تھی۔ تیسرے یہ کہ "عظیم جست" کی مہم کی وجہ سے ملک کا صنعتی ڈھانچہ بدنظمی کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر یہ کہ خروشیف کی اس خفیہ تقریر کی وجہ سے بہت تشویش اور بے چینی پیدا ہوئی جو اس نے سوویت کمیونسٹ پارٹی کی بیسویں کانگرس میں کی تھی۔ آخری وجہ یہ تھی کہ ہنگری کی بغاوت کے اثرات بہت تشویشناک تھے۔ لیکن ماؤ کے رجائیت پسندانہ مزاج نے جلد ہی ایک اور راہ تلاش کر لی۔ اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ چین کے لوگوں نے مجموعی طور پر نئی حکومت کے بنیادی اصولوں کو قبول کر لیا ہے اس نے ۱۹۵۶ء کے وسط میں یہ نعرہ بلند کرایا کہ "سو رنگ کے پھولوں کو ساتھ ساتھ مہکنے دو"۔ فروری ۱۹۵۷ء میں ماؤ نے اس رجحان کو فروغ دینے کے لئے خود اس مہم میں قدم رکھا اور وہ مشہور تقریر کی جس کا عنوان ہے "عوام کے تضادات سے نبٹنے کا صحیح طریقہ کیا ہے"۔ ایک حد تک یہ پالیسی چینی حالات ہی کے نتیجہ میں وجود میں آئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ روس اور ہنگری کے حالات سے حاصل کئے ہوئے تجربے کو بھی دخل تھا۔ لہٰذا اس پالیسی کا تجزیہ کرنے سے پہلے ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ چین کے خارجہ تعلقات نے کیا رُخ اختیار کیا تھا۔ اور خاص طور

پر سٹالن کی موت کے بعد سے ماسکو کے ساتھ چین کے تعلقات کیسے رہے تھے۔

۵۵-۱۹۵۳ء کے برسوں میں پکنگ حکومت کی داخلہ پالیسی کی طرح خارجہ پالیسی بھی اعتدال کی روش پر گامزن تھی، چین کی پالیسی نے رفتہ رفتہ "پرامن بقائے باہمی" کا اصول اختیار کیا جو سوویت یونین سے الگ اپنے خاص نئے انداز میں وضع کیا تھا۔ پنڈت نہرو نے کوریا کی جنگ کو ختم کرنے کے سلسلے میں جو قدم اٹھائے تھے اس سے سٹالن اور ماؤ دونوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ عالمی امور میں ایسے ملک بہت مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں جو سوشلسٹ نہیں ہیں لیکن روس اور امریکہ کی سرد جنگ میں غیر جانبدار رہنے کے خواہش مند ہیں۔ ۱۹۵۱ء ہی میں بھارت اور چین کے درمیان ثقافتی وفود کا تبادلہ شروع ہو گیا تھا۔ اپریل ۱۹۵۴ء میں دونوں ملکوں میں ایک معاہدہ ہوا جو پرامن بقائے باہمی کے ان مشہور و معروف پانچ اصولوں پر مشتمل تھا جسے "پنچ شیلا" کہتے ہیں۔ ان اصولوں میں سے دو اصول وہ تھے جنھیں ماؤزے تنگ نے جون ۱۹۴۹ء کی تقریر میں اپنی نئی حکومت کی خارجہ پالیسی کی بنیاد قرار دیا تھا۔

چنانچہ چین میں ہمسایہ ممالک کے بورژوا رہنماؤں کا تختہ الٹنے کی کوشش کی بجائے ان سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کا رجحان فروغ پا رہا تھا۔ (حالانکہ ۱۹۴۹ء میں ماؤ خود نہرو کا تختہ الٹنے کی بات کر چکا تھا)۔ اور اس رجحان کا نقطۂ عروج ۱۹۵۵ء کی بنڈونگ کانفرنس تھی۔ ۱۹۵۴ء میں ہندچینی کے بارے میں جینوا میں جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں چو این لائی اپنی خوش خلقی، شائستگی اور مہارت کی بدولت بہت منجھا ہوا مدبر سمجھا جانے لگا تھا۔ اب بنڈونگ کانفرنس میں وہ اور نہرو غیر یورپی دنیا کے دو سرکردہ رہنماؤں کی حیثیت سے ابھرے۔ ایسے رہنما جو الگ الگ نظام فکر سے متعلق تھے مگر ایشیائی ہونے کی بنا پر متحد بھی تھے۔

سوویت رہنماؤں کی طرح ماؤزے تنگ اور اس کے رفقا مستقل طور پر ان دو حکمت عملیوں میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسری کو منتخب کرنے کی ضرورت محسوس کرتے رہے ہیں۔ کبھی مصلحت اندیشی کی پالیسی جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایشیا اور افریقہ کی بورژوا حکومتوں کی حمایت کی جائے بشرطیکہ وہ غیر جانبدار رہیں۔ اور کبھی دوسری انقلابی پالیسی جس کا تقاضا یہ ہے کہ انہی بورژوا حکومتوں کا تختہ الٹ دیا جائے۔ سوویت یونین نے تو ۵۶-۱۹۵۵ء میں واضح طور پر ایک پالیسی اختیار کر لی

تھی جس کی رو سے پسماندہ ممالک میں قومی بورژوا طبقہ کو ایک لمبی مدت تک کے لئے ترقی کا علمبردار قرار دے دیا گیا تھا۔ بنڈونگ کانفرنس والے زمانے میں چین بھی کچھ اسی قسم کی مراعات دینے پر مائل نظر آتا تھا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۵۷ء میں چو این لائی نے یہ تسلیم کیا کہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں عوام آزادی اور ترقی کی راہ پر قوم پرستوں کی قیادت میں گامزن ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی پالیسی ماؤ اور اس کے رفقاء کے تجربات سے پیدا ہونے والے رجحانات کی ضد تھی۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ جب ماؤ کی داخلہ پالیسی ۱۹۵۷ء کے نصف آخر میں نسبتاً زیادہ انقلابی مرحلہ میں داخل ہوئی تو اس جنگجویانہ رویئے کا اظہار خارجی امور میں بھی ہوا۔

۱۹۵۷-۵۸ء کے موسم سرما میں ماؤ کی خارجہ اور داخلہ پالیسیوں میں بائیں بازو کی سمت جھکاؤ پیدا ہو گیا تھا، جو اس سے قبل کی اور اُس وقت کی تمام پالیسیوں کے پیچ وخم سے اس لئے مختلف تھا کہ ان برسوں میں سوویت یونین اور پیکنگ کے تعلقات میں بھی ایک فیصلہ کن تبدیلی آئی تھی۔ یہ دور آج کی دنیا کی تاریخ میں زبردست حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے پہلے چین کی اقتصادی پالیسی اور دوسری پالیسیاں بنیادی طور پر وہی نظر آتی تھیں جو سوویت یونین کی تھیں اور یوگوسلاویہ کی مثال کے باوجود اکثر مبصرین اشتراکی بلاک کے اتحاد کو اٹل مانتے تھے۔ لیکن اس کے بعد چین نے یکے بعد دیگرے ایسی پالیسیاں اختیار کیں جو روس کی پالیسیوں سے مختلف رنگ اور مختلف مافیہ کی حامل تھیں۔ چین کی پالیسی رفتہ رفتہ اس طرح ارتقا کر رہی تھی کہ بہت جلدی اشتراکیت کی دو صورتیں نمودار ہونے والی تھیں۔ ایک اشتراکیت جس کا مرکز یورپ میں تھا اور دوسری جس کا مرکز ایشیا میں تھا اور ان دونوں صورتوں میں کھلم کھلا ٹکراؤ ہونے والا تھا۔

ہر چند کہ کشیدگی کے اسباب سالہا سال سے موجود تھے اس کے باوجود سٹالن کی موت کے وقت ماسکو اور پیکنگ کے درمیان تعلقات بظاہر نہایت قریبی اور خوشگوار تھے۔ فروری ۱۹۵۳ء کے اوائل میں جب عوامی سیاسی مشاورتی کانفرنس کی قومی کمیٹی کا چوتھا جلسہ ہوا تو ماؤ نے اپنی تقریر کے آخری جملوں میں روس کے تجربے کو سمجھنے کی کوشش کرنے پر بہت زور دیا۔ سٹالن کے مرنے کے ایک ماہ بعد اس نے ایک مضمون "عظیم ترین دوستی" کے عنوان سے لکھا۔ اس مضمون میں ماؤ نے اپنے مرحوم دوست کو "عہد حاضر کا سب سے بڑا مرد فطین" قرار دیا۔ اب اس بات کو نظر میں رکھیے

کہ سٹالن چینی انقلاب کے معاملے میں کس کس طرح کامیاب ہؤا تھا، اور یہ کہ چینی نمائندے اس کی فاش غلطیاں کس طرح گناتے رہے تھے۔ پھر اس خراجِ تحسین پر غور کیجئے۔ اس صورت میں یہ خراجِ تحسین یا تو سوچی سمجھی طنز نظر آتا ہے یا پھر نئی روسی قیادت کی تنظیم کے پیش نظر دیا گیا ہے۔ اس بات میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ سٹالن کی کوتاہیوں سے قطع نظر ماؤ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک جس سیاسی فضا میں زندہ تھا اس میں سٹالن مرکزی شخصیت کا مرتبہ رکھتا تھا۔ اور اُس کی موت نے ماؤ کو واقعی صدمہ ہؤا ہوگا۔ اور اس خراجِ تحسین میں اس بات کا بھی دخل ہوگا لیکن اس قسم کے بیانات کی کیسے توجیہہ کی جاسکتی ہے:

"ہر شخص کو معلوم ہے کہ کامریڈ سٹالن چینی عوام کو بہت عزیز رکھتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ چینی انقلاب بے اندازہ قوت کا حامل ہے۔ (چینی انقلاب پر اسے کتنا اعتبار تھا یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں ۱۹۴۹ء کے اوائل تک وہ قوم پرستوں سے باہمی مفاہمت کی بات چیت کرتا رہا تھا) چینی انقلاب کے معاملات و مسائل میں اس نے اپنی حکمت و دانش سے ہمیں بہت مشورے دیئے۔ اور چینی کمیونسٹ پارٹی اور چینی عوام نے لینن اور سٹالن کے نظریات کی پیروی کی بدولت اور روسی عوام اور دوسری انقلابی طاقتوں کی مدد کی بدولت ہی چند سال قبل تاریخی کامیابی حاصل کی ہے۔"

یکم اپریل کو مالوتوف نے چو این لائی کے بیمار اور زخمی قیدیوں کے تبادلے کے اقدام کو منظور کر لیا۔ اور یہی وہ اقدام تھا جس نے بالآخر کوریا کی جنگ کے خاتمے کے لئے زمین ہموار کی۔ ستمبر ۱۹۵۳ء میں سوویت رہنماؤں نے چین کے ساتھ اقتصادی امداد کا ایک نیا معاہدہ کیا جس کے مطابق روس نے چین میں ۹۱ نئے کارخانے لگانا منظور کر لیا۔ یہ ۹۱ کارخانے ان ۵۰ کارخانوں کے علاوہ تھے جن کے بارے میں ۱۹۵۰ء میں معاہدہ ہو چکا تھا۔ اس پر ماؤزے تنگ نے تار کے ذریعے سوویت حکومت اور عوام کے خلوص اور بے غرضی سے ہمہ جہت اور طویل المیعاد امداد دینے کا شکریہ ادا کیا۔ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۴ء میں خروشیف پیکنگ آیا اور چینیوں کی دلجوئی کے مزید اقدامات کئے۔ مثلاً اقتصادی امداد میں اضافہ کر دیا، اگلی مئی تک پورٹ آرتھر اور دائرن چین کو واپس دینے کا وعدہ کیا اور ۱۹۵۰ء میں جو تجارتی شراکت کی کمپنیاں قائم کی گئی تھیں ان میں سے روس کے حصّہ سے دستکش ہونے کا اعلان کیا۔

اس طرح نئے سوویت رہنماؤں نے بہت ٹھوس طریقے پر چین سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی، اور اس بات کا اظہار کیا کہ چین کے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا جائے۔ پھر کاؤ کانگ کے زوال کا غیر واضح واقعہ بھی شاید اس بات کا اظہار تھا کہ ماؤ اب سوویت یونین کا اتنا مطیع نہیں رہا جتنا پہلے تھا۔ جیساکہ ابتدا میں بیان کیا جا چکا ہے کاؤ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے شمال مغربی چین میں سوویت تحریک شروع کی تھی۔ جب کومنتانگ سے فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی اس وقت ماؤ نے اسے لین پیاؤ کی فوج کے ساتھ منچوریہ روانہ کر دیا۔ ۱۹۵۴ء کے آئین کے نفاذ سے قبل چین چھ علاقوں میں تقسیم تھا، جن میں سے ایک علاقہ شمال مشرقی چین کہلاتا تھا، جہاں کاؤ، نہ صرف پارٹی کا لیڈر بن گیا بلکہ کاروبارِ مملکت کا بھی سربراہ ہو گیا۔ ۱۹۵۲ء کے اواخر میں اسے نوزائیدہ منصوبہ بندی کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ لیکن ۱۹۵۴ء کے آغاز میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور آخر یہ کہا گیا کہ فروری ۱۹۵۴ء میں جب اس پر جماعت دشمن سرگرمیوں کے الزامات لگائے گئے تو اس نے خودکشی کر لی تھی۔ جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ کاؤ کا سوویت والوں سے یقیناً بہت گہرا تعلق تھا۔ اسی لئے اُسے سٹالن کے وقت میں راستے سے ہٹانا ناممکن تھا۔ نئی سوویت حکومت نے اُس کی موت کے بارے میں جو اعتراضات کئے، وہ اتنے شدید نہ تھے جتنے سٹالن کے زمانے میں کئے جا سکتے تھے۔

ماسکو اور پیکنگ کے ان نئے نئے تعلقات میں بگاڑ کی ابتدا یقیناً خروشیف کی اس خفیہ تقریر سے ہوئی جو اس نے بیسویں پارٹی کانگرس میں کی تھی جس میں اُس نے سٹالن کے جرائم کی مذمت کی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چینیوں نے خروشیف کی اس حرکت پر شدید اعتراض کیا تھا جیساکہ حال ہی میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے۔ اس کے برخلاف چینی اخباروں نے اس وقت سٹالن دشمن تحریک کے بعض پہلوؤں سے اتفاق ظاہر کیا۔ بہرحال پارٹی کے بیسویں جلسہ سے روسی پالیسی میں تبدیلیوں کا آغاز ہو گیا۔ اِن تبدیلیوں سے بالآخر جو نتائج برآمد ہوئے وہ ماؤ کے لئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس وقت واضح طور پر ان نتائج کی پیش بینی نہیں کر سکا تھا۔ اس کے علاوہ سٹالن کے اثرات کو مٹانے کی مہم جس طریقہ سے شروع کی گئی تھی اس پر چینی رہنماؤں کو لازمی طور پر غصہ بھی آنا تھا اور وہ چوکنے بھی ہوئے۔ ان کی ناپسندیدگی کے جو اسباب و وجوہ تھے وہ انھوں نے اپنے بیان کے مطابق اُسی وقت سوویت ساتھیوں کو بتا دیئے تھے۔ وہ یہ تھے۔

کہ اس مہم میں "سٹالن کا مکمل تجزیہ نہیں کیا گیا اور اپنے آپ پر کوئی تنقید نہیں کی گئی"۔ اور یہ کہ "کمیونسٹ برادری سے ازقبل اس بارے میں کوئی مشورہ نہیں لیا گیا"۔ ظاہر ہے کہ ان تین شکایتوں میں سے آخری شکایت لازمی طور پر پیدا ہوئی تھی اور یہ کہ یہ دوسری شکایت کے مقابلے میں کم اہمیت کی حامل بھی نہیں تھی۔ بات یہ ہے کہ ماؤ تو طے شدہ طور پر یہ سمجھتا تھا کہ سٹالن کے مرنے کے بعد عالمی اشتراکی تحریک میں جو چند اکابر رہ گئے ہیں ان میں ایک وہ خود ہے۔ بلکہ شاید وہ سٹالن کے بعد اپنے آپ ہی کو سرکردہ شخصیت جانتا تھا۔ مگر خروشیف نے ایسی پالیسی اختیار کی تھی جو اس بنیاد ہی کی نفی کرتی تھی۔ جس پر سٹالن اور ماؤ دونوں ایستادہ تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ سب کچھ ماؤ کے مشورے کے بغیر کیا گیا تھا۔ لہذا۔ ماؤ اس ہتک کو معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔

اپنے آپ پر تنقید نہ کرنے کا گلہ بھی آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ماؤ کے دل میں اسی وقت سے ضرور ان لوگوں کے خلاف نفرت کا جذبہ جنم لے چکا ہو گا جو کل تک تو سٹالن کے پٹھو اور آلہ کار تھے لیکن اب اپنے مرحوم آقا کے خلاف گرج برس رہے تھے شروع میں جو باتیں ماؤ نے نہایت شائستہ الفاظ میں کہی تھیں، بعد میں اس نے انہی تاثرات کو ایک تلخ اور تحقیر آمیز لہجے میں بیان کیا "خروشیف، جو کل تک خود سٹالن کے عہد میں پارٹی کی قیادت میں شریک تھا، آج کس حیثیت میں سینہ پیٹتا ہے، میزوں پر مکے مارتا ہے اور سٹالن کو گلا پھاڑ پھاڑ کر گالیاں دیتا ہے — کیا ایک قاتل، ڈاکو، اور رفیق کی حیثیت میں یا ایک احمق اور بے وقوف کی حیثیت میں؟"

رہا یہ اعتراض کہ سٹالن کا مکمل تجزیہ نہیں کیا گیا تو اس میں دو باتیں جمع ہیں۔ اس کا ایک مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ خروشیف اور اس کے ساتھیوں کو سٹالن کا یک طرفہ تجزیہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ ماؤ نے اپریل ۱۹۵۶ء میں خروشیف کی تقریر کے دو ماہ بعد ہی مکویان سے یہ کہہ دیا تھا کہ "سٹالن کی خوبیاں اس کی خرابیوں پر بھاری ہیں"۔ پتہ نہیں اس نے یہ بات اس وقت اتنے قطعی انداز میں کہی تھی یا نہیں۔ بہر حال یہ بات اس نقطۂ نظر سے مطابقت رکھتی ہے، جس کا اظہار ۵ اپریل ۱۹۵۶ء کے اداریے "پرولتاری آمریت کے تاریخی تجربے کے بارے میں" کیا گیا تھا، جس اداریے کو شاید ماؤ نے خود لکھا تھا یا شاید کسی دوسرے شخص نے ماؤ سے متاثر ہو کر لکھا ہو۔ "بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سٹالن کی ہر بات غلط تھی یہ اس کے متعلق نہایت غلط تصور ہے۔ سٹالن

مارکس اور لینن کی تعلیمات کا بہت بڑا مفسر تھا۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ اس نے بہت سی سنگین غلطیاں بھی کیں، اور اسے مطلق احساس نہ ہوا کہ وہ غلطیوں کا مرتکب ہُوا ہے، تاہم ہمیں سٹالن کو تاریخی نقطۂ نظر سے پرکھنا چاہئیے۔ اس کا جائزہ اور مکمل تجزیہ کرنا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ کہاں اس کی بات ٹھیک تھی اور کہاں وہ غلطی کا مرتکب ہُوا اور اس سے مفید سبق حاصل کرنے چاہئیں۔"

لیکن ماؤ جس بھرپور تجزیئے کا تقاضا کر رہا تھا وہ محض ایک متوازن تجزیہ نہیں تھا۔ وہ ایسا تجزیہ تھا جس میں سٹالن کی حکومت کے منفی پہلوؤں کو ان کے تاریخی حوالے سے متعلق کر کے دیکھنے کی ضرورت تھی یعنی اس تجزیئے کا تقاضا یہ تھا کہ سٹالن کی غلطیوں کو محض ایک فرد کے جرائم سمجھ کر رد نہ کیا جائے۔ چنانچہ پیپلز ڈیلی کے اپریل ۱۹۵۶ء والے اداریے سے جو اقتباس ابھی نقل کیا گیا اس کے آگے یہ لکھا گیا ہے:

"اس کے صحیح اور غلط اعمال دونوں بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کا حاصل اور اپنے عہد کے اثرات کے حامل ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی عمر سو برس سے کچھ ہی زیادہ ہے اور انقلاب اکتوبر کی کامیابی کے وقت سے گنا جائے تو اسے شروع ہوئے ابھی صرف انتالیس ۳۹ سال ہوئے ہیں۔ انقلابی کام کے بہت سے میدانوں میں ہمارا تجزیہ ابھی ناکافی ہے۔ بیشک ہم نے بہت کچھ حاصل کیا ہے ـــ لیکن ابھی ہم میں بہت سی خامیاں موجود ہیں اور ہم بہت سی کوتاہیوں کے بھی مرتکب ہوئے ہیں۔"

چین اور روس کے درمیان اس مناظرہ بازی میں ماسکو والوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ شخصیت پرستی کے خلاف مہم پر ماؤ کے معترض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ماؤ کی اپنی شخصیت پرستی کی مہم پر زد پڑتی ہے۔ اس بات پر شبہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ چین میں ماؤ کی شخصیت اور اس کے افکار کی پرستش کا رجحان موجود ہے ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح ۱۹۴۲ء کی سدھار تحریک سے پرستش کے اس رجحان کی نشوونما شروع ہوئی اور ابھی ہم اس بات پر بھی غور کریں گے کہ حالیہ برسوں میں اس رجحان نے کیا صورتیں اختیار کی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ماؤ کی ذات کی پرستش کے رجحان کے اپنے کچھ خصائص ہیں لیکن اس سے پیدا ہونے والی صورتیں کچھ حد تک اس رنگ سے مشابہت رکھتی ہیں جو سوویت یونین میں سٹالن کے عہد کے آخری برسوں میں پیدا ہُوا تھا اور اسی پس منظر میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے

کہ سٹالن پرستی پر اعتراضات سے ماؤ کو تھوڑی سی پریشانی ضرور ہوئی ہوگی۔ لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ خروشیف کی شہ پر شروع ہونے والی سٹالن دشمن مہم کے خلاف ماؤ کے اعتراضات کی تہ میں ایک گہرے تاریخی شعور کا دخل تھا۔ ماؤ نے اُن دنوں یہ بھی لکھا تھا کہ "سٹالن کے اقدامات بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کا حاصل اور عہد کے اثرات کے حامل ہیں"۔ اس صورت میں یہ کہنا کہ سٹالن بیس سال تک جو کچھ کرتا رہا وہ اصل میں جرائم اور لغزشوں کا ایک سلسلہ تھا، گویا پوری عالمی اشتراکی تحریک کی مذمت کرنے کے مترادف تھا، اور بالواسطہ طور پر اس میں چینی کمیونسٹوں کی مذمت بھی مضمر تھی اس لئے کہ یہ لوگ بھی اسی تحریک کی مدد سے (خواہ یہ مدد بے دلی سے کی گئی ہو) برسر اقتدار آئے تھے۔ خروشیف کی یہ کوشش کہ سٹالن کی ذات کو اس نظام سے جس پر وہ پوری ایک نسل تک چھایا رہا، مکمل طور پر علیحدہ کر دیا جائے۔ ماؤ کی نظر میں منطقی اعتبار سے مہمل تھی اور سیاسی اعتبار سے بہت سے خطروں کی حامل اور ویسے یہ بات کچھ غلط بھی نہیں تھی۔

پس ماؤ شروع ہی سے اس مہم کے خلاف تھا۔ وہ اصولی طور پر سٹالن پر تنقید کے خلاف نہیں تھا۔ اسے اُس اسلوب پر اعتراض تھا جو ان لوگوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ دوسری طرف چین والے ۱۹۶۳ء سے یہ دعوے کر رہے ہیں کہ انہوں نے بیسویں کانگرس میں کی جانے والی خروشیف کی اس تقریر کی مخالفت کی تھی جس میں اُس نے دو نظریاتی جدتیں پیش کی تھیں کہ سوشلزم کی منزل تک پہنچنے کے پُرامن راستے اختیار کئے جائیں یعنی پارلیمانی اکثریت کو مسخر کر کے اس مقصد کو حاصل کیا جائے اور دوسرے یہ کہ سامراجی ممالک کے ساتھ بقائے باہمی کی حد تک ہی نہیں بلکہ باہمی تعاون کی حد تک اشتراک کے امکان پر غور کیا جائے، حالانکہ اُس زمانے کے کسی واقعہ سے یہ شہادت نہیں ملتی کہ چین میں اس وقت ان دو تصورات کی مخالفت کی گئی تھی۔ طے یہ ہوا تھا کہ ۱۹۵۷ء میں ماسکو میں کمیونسٹ پارٹی اور مزدور پارٹیوں کے جلسے میں ان سوالات پر غور کیا جائے گا۔ کمیونسٹ اور مزدور پارٹیوں کا یہ جلسہ خود چین روس تعلقات میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ اکتوبر اور نومبر ۱۹۵۶ء میں پولینڈ اور ہنگری میں جو واقعات رونما ہوئے اس سے ماسکو کے اس جلسہ کی بحث کا رنگ ہی بدل گیا۔

چین والے اب یہ کہتے ہیں کہ ان دو ممالک پولینڈ اور ہنگری کے بارے میں انہوں نے جو رویے

اختیار کئے تھے آپس میں بالکل متضاد تھے۔ پولینڈ میں انہوں نے روسی لیڈروں کی اُس جارحانہ وطن پرستی کی مخالفت کی تھی جس کی بنا پر وہ بڑی طاقت ہونے کی حیثیت سے پولینڈ والوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کے برعکس ہنگری کے سلسلے میں ان کا مشورہ یہ تھا کہ وہاں فوری طور پر مداخلت کر کے مخالفینِ انقلاب کی بغاوت کو کچل دینا چاہیے۔ ان میں سے پہلا دعویٰ تو شاید درست ہی ہے لیکن دوسرا دعویٰ کچھ زیادہ ہی سہل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس زمانے کی تحریریں پڑھئے مثلاً وہ اداریہ پڑھئے جو ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء کو چھپا تھا اور جس کا عنوان "پرولتاری آمریت کے تاریخی تجربے کے بارے میں چند مزید باتیں"۔ تھا اس میں متعدد بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سوشلسٹ ممالک کے باہمی تعلقات میں برابری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور بڑی طاقت ہونے کی صورت میں شاونیت سے گریز کرنا چاہیئے۔ دوسری طرف ہنگری کے قصّے کی بابت یہ ہے کہ اس وقت ماؤ نے اسے محض مخالفینِ انقلاب کی بغاوت نہیں سمجھا تھا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ مخالفینِ انقلاب نے عوام کی بے اطمینانی سے فائدہ اٹھایا ہے، اور عوام میں سے ایک گروہ کو بھڑکا کر عوامی حکومت کے خلاف بغاوت کرائی ہے۔

مخالفینِ انقلاب کی اس مہم میں کامیابی کے جو دو اسباب دسمبر ۱۹۵۶ء والے اداریے میں بیان کئے گئے ہیں، اُن سے نہ صرف ماؤ کی، حدود کے اندر رہ کر جذبات کی نکاسی کرنے کی پالیسی کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس پالیسی کے نتائج کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس اداریے میں یہ بھی تحریر تھا کہ ایک طرف تو قیادت کی لغزشوں کے سبب" ہنگری کے مزدور طبقہ کے جمہوری حقوق اور انقلابی ولولہ کو نقصان پہنچا، اور دوسری طرف مخالفینِ انقلاب پر جو ضرب پڑنی چاہیئے تھی وہ نہیں پڑی۔ اور پھر یہ کہ ہنگری میں ابھی پوری سنجیدگی سے پرولتاری آمریت قائم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی تھی"۔ ماؤ نے ۲۷ فروری ۱۹۵۷ء کو جو تقریر کی تھی اس میں اس نے ہنگری کے واقعہ سے چین کے لئے کچھ سبق اخذ کئے تھے۔

"عوام کی صفوں کے لئے دونوں صورتیں ناگزیر ہیں۔ انہیں آزاد بھی ہونا چاہیئے اور ان پر نظم و ضبط عائد کرنا بھی ضروری ہے۔ جمہوریت کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے۔ اور مرکزیت سے بھی مفر نہیں ہے ۰۰۰۰ اس جمہوری مرکزیت کے تحت عوام کو بہت حد تک جمہوریت اور آزادی میسر آجاتی ہے لیکن

اسی کے ساتھ وہ اشتراکی نظم وضبط کی حدود میں بھی رہتے ہیں۔ اور اس ساری صورت حال کو عوام خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

۱۹۵۷ء کے موسم بہار میں جب "سو پھولوں" کی مہم اپنے عروج پر تھی، ماؤ جس پالیسی کی پیروی کر رہا تھا، اُس کی بنیاد اس یقین پر تھی کہ چین کے عوام اس بات سے آگاہ ہیں کہ انھیں جو آزادی میسر ہے اس کی حدود کیا ہیں۔ اس وقت باہر کے ملکوں میں اس مہم کے ساتھ لوگوں کی بہت سی توقعات وابستہ تھیں اور اسے آزاد خیالی کی پالیسی قرار دیا جا رہا تھا۔ مگر اس میں آزاد خیالی کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ اس لئے کہ متنوع خیالات کی حوصلہ افزائی اس بنا پر نہیں کی جا رہی تھی کہ وہ اپنے طور پر کوئی قابلِ قبول حقیقت تھے۔ دراصل ماؤ کا خیال یہ تھا کہ چونکہ صرف مارکسیت ہی فکر ونظر کی سچی اور کھری صورت ہے اور بالآخر اسے ہی باقی صورتوں پر غالب آنا ہے، اس لئے مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے والوں کو اگر مخصوص حدود میں رہتے ہوئے آپس میں بحث مباحثے کی اجازت دے دی جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اس سے آخر میں فائدہ مارکسیت ہی کو پہنچے گا۔ جو دانشور، ادیب اور کارکن اشتراکی نہیں ہیں ان کی تربیت ہو جائے گی اور وہ سوشلسٹ دانشوروں کے حلقے میں شامل ہو جائیں گے۔ مستقبل قریب میں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مارکسیوں پر غیر مارکسی حضرات کی تنقید، تھوڑی بہت غلط ہونے کے باوجود مارکسی حضرات کو اپنے موقف کے بارے میں نئے سرے سے سوچ بچار کرنے پر مجبور کر دے گی۔ ماؤ کہتا تھا کہ "ہمارے خیالات نے اگر محدود اور محفوظ فضا میں پرورش پائی ہو، اور باہر کی دنیا کی ٹھوس حقیقتوں سے کوئی توانائی حاصل نہ کی ہو، تو سچے ہونے کے باوجود وہ غلط خیالات کے مقابلے میں قائم نہیں رہ سکتے۔"

لیکن ماؤ کی امیدیں بر نہیں آسکیں۔ ناقدوں نے صرف خرابیوں اور برائیوں کو نشانہ تنقید بنانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پورے نظام کے بنیادی اصولوں کے بارے میں سوالات اٹھانے شروع کر دیئے۔ انہوں نے ایک اعتراض یہ کیا کہ سارے اختیارات کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھ میں کیوں ہیں۔ لہذا ماؤ نے اب اپنے ضابطے کے دوسرے نصف یعنی آزادی کی بجائے نظم وضبط پر زیادہ زور دینا شروع کر دیا تاکہ کہیں چین میں بھی ہنگری کی طرح بغاوت نہ اُٹھ کھڑی ہو۔ حکومت کے بااختیار لوگوں کی خرابیوں کا استیصال کر کے بے اطمینانی کی بنیاد کی بیخ کنی کرنے کی بجائے اس نے اب اس بات پر زور دیا کہ پرولتاری

آمریت کو مضبوط بنایا جائے چنانچہ سدہار تحریک جو ۱۹۵۷ء کے آغاز سے جاری تھی اور پارٹی اور حکومت کے اندر نوکرشاہی رجحانات کے خلاف برسرِعمل تھی اب نئی صورتِ حال کے پیشِ نظر رجعت پسند عناصر کے خلاف شدید مہم کی صورت اختیار کر گئی۔ ان لوگوں کو دیہاتوں میں بھیجا گیا تاکہ وہاں وہ دیہات کے کاموں میں شرکت کریں اور ان کی اصلاح ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ چین ایسا ملک ہے جہاں دانشوروں کا ایک امتیازی وصف ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ وہ جسمانی مشقت سے متنفر رہے ہیں۔ ایسے ملک میں پیداواری کاموں کا تھوڑا بہت ٹھوس تجربہ بے شک ایک مفید تربیتی اقدام ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ اس مہم میں انتہا پسندی سے کام لیا گیا۔ اکثر اوقات ان لوگوں کے سپرد سخت محنت مشقت کے کام تھوپے گئے جس کی عادت نہ ہونے کے سبب ان کی صحت تباہ ہو گئی، یا پھر یوں ہوا کہ ان کو ایسے کاموں پر لگایا گیا جو بہت ذلت آمیز تھے (مثلاً ایک شخص جو کبھی یونیورسٹی میں پروفیسر رہا ہو، اسے اسی یونیورسٹی میں پاخانوں کی صفائی پر لگا دیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر ایسے ماحول سے ان لوگوں کی تربیت کرنے کی بجائے اُن کے جذبے کو کچل دیا گیا۔

معاشرتی سطح پر ان سخت اقدامات کے ساتھ ساتھ ملک کی معاشی پالیسی اور بیرونی ممالک سے تعلقات کے سلسلے میں بھی روز بروز زیادہ انقلابی رویہ اختیار کیا گیا۔ اور اسی پس منظر میں نومبر ۱۹۵۷ء میں کمیونسٹوں اور مزدور پارٹیوں کا اجلاس ماسکو میں منعقد ہوا۔

چینی وفد کا سربراہ خود ماؤزے تنگ تھا۔ چین سے باہر اس کا یہ دوسرا سفر تھا اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ کسی ایسے اجلاس میں شریک ہوا ہو جس میں عالمی اشتراکی تحریک کی بہت سی سرکردہ شخصیتیں شریک تھیں۔ (۱۹۴۹-۵۰ء کے موسم سرما میں ماسکو کے دورے کے دوران اُس نے سٹالن کی سترہویں برسی کی تقریب میں تقریر کی تھی، مگر اُن دنوں اس کا زیادہ وقت نجی مذاکرات ہی میں صرف ہوا تھا) چین والے اب یہ دعوے کرتے ہیں کہ ۱۹۵۷ء کے جلسہ میں انہوں نے روس کے پُرامن ذرائع سے سوشلزم کی طرف ارتقا کے مؤقف سے سخت اختلاف کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ بعض صورتوں میں ممکن ہے کہ پارلیمانی اکثریت کو جیت کر اقتدار حاصل ہو جائے۔ لیکن اس قسم کے امکان پر بہت زیادہ زور نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ اس میں پرولتاری طبقہ کے انقلابی عزم کے کمزور پڑ جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن نظر یوں آتا ہے کہ چینی وفد کے ارکان بہت سے دوسرے معاملات

کے ساتھ ساتھ اس بارے میں بھی اجلاس کے طے شدہ فیصلوں سے بنیادی طور پر مطمئن ہو گئے تھے۔

سب سے زیادہ پُرلطف بحث وہ تھی جس میں بین الاقوامی تعلقات اور جنگ و امن کے سوال پر گفتگو ہوئی۔ اس بحث میں بھی ماؤ نے اپنے نرالے انداز میں خود شمولیت کی۔ وہیں اس نے طاقت کے بین الاقوامی توازن کے بارے میں یہ معروف نعرہ وضع کیا تھا کہ "مشرق کی ہوا مغرب کی ہوا پر غالب ہے" اس وقت اس نعرے میں مشرق سے مُراد سیاسی مشرق تھا، یعنی وہ سوشلسٹ کیمپ جس کا سربراہ رُوس تھا۔ اور جس نے انہی دنوں سپوتنک چھوڑ کر پُراثر طور پر اپنی طاقت کا لوہا منوایا تھا۔ مشرق کی اس اصطلاح میں جغرافیائی اور نسلی مفاہیم کو بہت بعد میں سمویا گیا تھا۔

اٹیمی جنگ کے متعلق ماؤ کی تقریر نے سب سے زیادہ ہنگامہ برپا کیا تھا۔ ماؤ نے بیشک اس بات پر بہت زور دیا کہ صرف جنگی جنون رکھنے والے لوگ ایسی حرکت کر سکتے ہیں کہ ہر جگہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم گراتے پھریں، سوشلسٹ ممالک کسی جارحیت کے مرتکب نہیں ہو سکتے لیکن اس نے اس مسئلے پر ایک اور زاویے سے غور کرنے پر بھی زور دیا کہ بدترین صورتِ حال میں ہمارا رویہ کیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ

"میں نے ایک غیر ملکی مدبر سے اس مسئلہ پر بحث کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ اگر اٹیمی جنگ ہوئی تو صفحۂ ہستی سے بنی نوع انسان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ میں نے یہ کہا اگر یہ قہر سچ مچ ٹوٹ ہی پڑے اور آدھی انسانی نسل تباہ ہو جائے تو آدھی نسل پھر بھی باقی رہے گی۔ ہاں سامراج بالکل نیست و نابود ہو جائے گا اور پھر پوری دنیا سوشلسٹ ہو جائے گی۔ تھوڑے ہی برسوں میں انسانوں کی تعداد پھر ستائیس کروڑ بلکہ زیادہ ہو جائے گی۔ ہم چینیوں نے ابھی اپنی تعمیر کا کام مکمل نہیں کیا ہے اور ہم امن چاہتے ہیں۔ لیکن اگر سامراج نے ہمیں جنگ پر مجبور کیا تو ہمارے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ اپنے آپ کو اس مرحلہ کے لئے ذہنی طور پر تیار کریں اور تعمیر کا کام انجام دینے سے پہلے ان سے ایسی جنگ لڑیں کہ ہم میں سے ایک فریق کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔ اگر آپ روز جنگ کے نام سے خوف کھاتے رہیں اور جنگ بالآخر آپ کے سر تھوپ دی جائے تو آپ کیا کریں گے؟"

چین کے حالیہ بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس واقعے سے ایک ماہ پہلے اکتوبر ۱۹۵۷ء میں روس اور چین میں یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ روس چین کو نمونے کا ایک اٹیم بم مہیا کرے گا اور اسے تیار

کرنے کے بارے میں تکنیکی اطلاعات بھی فراہم کرے گا۔ لیکن نومبر کے اجلاس میں ماؤ کی تقریر سن کر خروشچیف اور اس کے رفقا جو اپنے بموں کی بے پناہ طاقت سے آشنا تھے اور اس باعث بہت مطمئن تھے، اس بات سے ضرور پریشان ہوئے ہوں گے کہ اگر ایسے ہتھیار چین کے ہاتھوں میں پہنچ گئے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ لہٰذا چین اور روس کے تعلقات میں پھوٹ نہ صرف اس وجہ سے پڑی کہ روس نے عاقبت اندیشانہ اور ذمہ دارانہ طرزِ فکر کو اپنانے کے مسئلے پر غور کرنا شروع کر دیا بلکہ اس میں کچھ چین کی داخلی پالیسی کی نشوونما اور اس کے اثرات نے بھی فیصلہ کُن کردار ادا کیا۔

۱۹۵۸ء کے موسم بہار میں ایک نئی اور انقلابی پالیسی، "ترقی کی سمت جست" اور "انقلاب پیہم" کے نعروں کے ساتھ واضح صورت میں ظہور میں آئی۔ ان نعروں کا اعلان اپریل میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی آٹھویں کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں کیا گیا۔ ماؤزے تنگ نے اس عزم بالجزم کا اظہار کیا کہ چینی قوم کو ایک نئے قالب میں ڈھالا جائے گا۔ اور نمایاں انداز میں یہ یقین ظاہر کیا کہ ایسا کر گزرنا ممکن ہے۔

"چین کے ساٹھ کروڑ عوام میں اور بہت سے خصائص کے علاوہ دو قابلِ ذکر خصائص یہ ہیں کہ وہ غریب ہیں، اور اُن کے ذہن خالی ہیں۔ بظاہر یہ صورتیں افسوس ناک ہیں۔ لیکن دراصل بہت فائدہ مند ہیں۔ غریب لوگ عموماً اپنے حالات میں تبدیلی لانے، خود کوئی کام کرنے اور انقلاب برپا کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور کاغذ کے کورے ٹکڑے پر چونکہ کوئی داغ دھبہ نہیں ہوتا، اس لئے اس پر نئے سے نئے اور خوبصورت سے خوبصورت نقش اُبھارے جا سکتے ہیں۔"

ان باتوں کی بنا پر ماؤ نے یہ نتیجہ مرتب کیا کہ چین کو ترقی کرنے اور بڑے بڑے سرمایہ دار ملکوں کے صنعتی اور زرعی پیداوار کے معیار تک پہنچنے میں اتنا عرصہ نہیں لگے گا جتنا پہلے خیال کیا جاتا تھا۔ مئی ۱۹۵۸ء میں پارٹی کانگرس میں جس شخص نے "ترقی کی سمت جست" اور "انقلاب پیہم" کے نعروں کی وکالت کی وہ لیو شاؤ چی تھا۔ لیکن اس نے یہ وکالت ماؤ کے نام پر کی۔ جب ۱۹۵۸ء کی گرمیوں میں تجربے کے طور پر عوامی کمیون قائم کئے گئے تو ماؤ نے بنفس نفیس اِن کے فروغ میں حصّہ لیا۔ ستمبر میں وہ پورے ملک کے دورے سے واپس آیا اور اُس نے یہ اعلان کیا کہ زراعت کے میدان میں اگر ہم ۱۹۵۸ء میں مکمل ہونے والی مہم سے بھی لمبی زقند بھرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ملک

بھر میں عوامی کمیونز کے نظام کو پھیلایا جائے۔ ساتھ ہی اس نے ملک کے ہر علاقے میں تھوڑی تھوڑی مقدار میں گھریلو فولاد تیار کرنے کے پروگرام کی بھی حمایت کی۔ اس پروگرام سے ماؤ کی افتادِ طبع اور اقتصادی مسائل کے بارے میں اندازِ نظر کا صاف پتہ چلتا ہے۔

"اس دورے میں مَیں نے یہ دیکھا کہ ہمارے عوام میں بے پناہ قوّت اور توانائی ہے اور اس بنیاد پر کوئی بھی کام انجام دینا ناممکن نہیں۔ پہلے ہمیں لوہے اور فولاد کی پیداوار کے سلسلے میں اپنے منصوبوں کو مکمل کرنا چاہیئے۔ ان شعبوں میں عوام کو پہلے ہی سے منظم کیا جا چکا ہے۔ تاہم مجموعی طور پر ملک میں چند ایسے مقامات ہیں، چند ایسی جہات ہیں جہاں عوام کو منظم کرنے کا کام ابھی تک صحیح معنوں میں بجا نہیں لایا جا سکا ـــــ تھوڑے بہت ایسے ساتھی اب بھی موجود ہیں جو صنعت کے شعبہ میں کسی بڑے پیمانے پر عوامی تحریک چلانے پر رضامند نہیں ہیں۔ صنعتی محاذ پر عوامی تحریک چلانے کو وہ خلافِ ضابطہ کہتے ہیں۔ اور اسے دیہاتی طریقِ کار اور چھاپہ ماروں کی روش کہہ کر بدنام کرتے ہیں۔ یہ بات واضح طور پر غلط ہے۔"

ماؤ کے مزاج میں عسکری رومانویت کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ شاید یہ اسی رومانویت کا سب سے دلچسپ مظاہرہ ہے۔ ماؤ نہ صرف جنگ کو انسانی ہمت اور ارادے کا سب سے زبردست معرکہ اور سب سے بڑی آزمائش سمجھتا ہے بلکہ اس کے مزاج اور تخیل میں عسکری رنگ کچھ اس طرح رچ بس گیا ہے کہ وہ اقتصادی بلکہ سائنسی اور فلسفیانہ مسائل کو بھی انھیں معنوں میں پیش کرتا ہے۔

ماؤ کے اس مزاج کا احساس خود چینیوں کو بھی ہے۔ وہ اُسے جنگی رومان پسند تو نہیں کہتے مگر ۱۹۵۸ء سے انہوں نے اسے انقلابی رومان پسند کہنا ضرور شروع کر دیا ہے۔ "ترقی کی سمت جست" کی مہم سے پہلے تک رومانویت کو چین میں بھی وہی کچھ سمجھا جاتا تھا جو آج سوویت یونین میں سمجھا جاتا ہے، یعنی یہ کہ وہ بنیادی طور پر فکر کی ایسی رَو ہے جو رجعت پسندانہ ہے لیکن انقلابی رومان پسندی کچھ اور شے ہے۔ اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ یہ سب باتوں سے بڑھ کر در اصل ایک مخصوص طرزِ فکر ہے۔ یہ طرزِ فکر گویا "زندگی میں نئی اشیاء کو دیکھنے کی کوشش سے عبارت ہے، اور اس کوشش سے کہ نئی اشیا کو سوچا سمجھا جائے اور ان کے پروان چڑھنے میں مدد دی جائے۔" اس طرزِ فکر کی دو سب سے بڑی مثالیں ماؤ اور لینن قرار دی جاتی ہیں۔ ان دونوں کا عقیدہ ہمیشہ

یہ رہا کہ آدمی خارجی حالات کو بیشک نظر میں رکھے لیکن انہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت نہ دے اور بے عملی کا بہانہ نہ بنائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ماؤ اِن معنوں میں ضرور رومان پرست ہے۔ یہ اس کی اسی افتاد طبع کا کمال ہے کہ ۱۹۵۸ء کے ختم ہوتے ہوتے عوامی کمیونز کا سلسلہ سارے ملک میں پھیل چکا تھا۔ اقتصادی سطح پر کمیونز کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مختلف ذرائع سے ملکی ترقی کی رفتار تیز کی جا سکے۔ • ایسے انتظامی ڈھانچے کا بندوبست کیا جائے جس کے تحت انسانی محنت مزدوری کی تنظیم ہو اور مشینوں کی کمی کی تلافی ہو سکے۔ یہ بندوبست کیا جائے کہ زمین کے زیادہ سے زیادہ بڑے رقبے میں کاشت ہو تاکہ ٹریکٹروں اور دوسری مشینوں کی ترویج کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔ سیاسی اعتبار سے ان کا مقصد یہ تھا کہ سرکاری، انتظامی، اقتصادی اور فوجی تنظیموں کو ملا جلا کر ایک وحدت میں پرو دیا جائے اور خاندان قسم کے حریف اداروں کو کمزور کرکے فرد کی زندگی پر مملکت کے اختیار کو مضبوط بنایا جائے۔ نظریاتی اعتبار سے بھی ان کا ایک مقصد تھا۔ سوویت روس کے برتری کے مظاہرہ کے خلاف چین کی بڑھتی ہوئی رنجش کے پیشِ نظر کمیونز کے قیام کے یہ معنی تھے کہ روس کو یہ جتایا جا سکتا کہ چین نے ایسے معاشرتی سانچے دریافت کر لئے ہیں اور اُن کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے جو روس کے معاشرتی سانچوں سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہیں حالانکہ چین کے انقلاب کی عمر روسی انقلاب سے کہیں کم ہے۔

یہ سب مقاصد رومانویت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اِن معنوں میں کہ یہ انسان کی قوتِ ارادی کی مدح و ثنا سے عبارت تھے۔ حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے پر ماؤ کو یہ پتہ تو چل گیا ہوگا کہ کمیونز کا جو ابتدائی خاکہ تیار کیا گیا تھا، وہ ایسا تھا کہ اس کے واسطے سے نہ تو پیداوار بڑھانے کا اقتصادی مقصد پورا ہو سکتا تھا اور نہ معاشرتی حالات پر اختیار حاصل کرنے کے مقصد کی تکمیل ہو سکتی تھی۔ اس لئے کہ اُس وقت ملک میں ماہر انتظامی افسروں اور اعداد و شمار حاصل کرنے کے مؤثر وسائل دونوں چیزوں کی کمی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی پالیسی پر زور دیتا اور اسے آگے بڑھاتا رہا۔ اسے گمان یہ تھا کہ انقلابی ولولہ اور نظریاتی پاکیزگی، تکنیکی صلاحیتوں اور مادی وسائل کی کمی کو پورا کر سکتی ہے۔ جہاں تک کمیونز کے نظریاتی پہلو کا تعلق ہے، اس کی تہ میں ایک مثالی دنیا کا نمایاں مگر

معصومانہ حد تک سادہ تصور کام کر رہا تھا۔ اس تصوّر کو ہونان کے کسانوں نے ۱۹۵۸ء کے موسم گرما میں یوں منظوم کیا تھا:۔

عوامی کمیونز کو بسانا بھی گویا جنّت میں داخلہ ہے۔
کروڑہا سال کے پھلوں سے ہے شیریں یاں، ایک رات کا پھل۔
کمیونز کے آبدار خنجر سے ملکیت کی جڑیں کٹیں گی۔
یہیں سے تاریخ کا نیا دَور اپنا آغاز کر رہا ہے۔

انسان کی قوتِ ارادی میں ماؤ کا اعتقاد لینن کے اُس اعتقاد کا منطقی نتیجہ تھا جس کے مطابق نسبتاً پسماندہ ممالک میں کمیونزم کو حالات سے مطابقت رکھنے والے سانچوں میں ڈھل جانا چاہیئے۔ لیکن لینن کے اس عقیدے کا کہ انسان کی قوتِ ارادی حقیقت کو بدل کر ایک نئے قالب میں ڈھال سکتی ہے۔ صرف سیاست کے میدان میں اظہار ہوا تھا۔ فطرت کی دنیا میں اس عقیدے کو بروئے کار لانے کا کام چینیوں کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا اور انہوں نے "ترقی کی سمت جست" کی مہم چلا کر یہ کام سرانجام دیا۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں ماؤ کے افکار کے مطابق شائع ہونے والی ایک کتاب میں یہ اعلان کیا گیا کہ:

"ایسی بہت سی زندہ مثالیں موجود ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ فکر بنجر ہو سکتی ہے مگر زمین کبھی بنجر نہیں ہوتی کاشت کے کئی ایسے طریقے ضرور ہیں جنہیں حقیر یا ناکافی طریقے کہا جا سکتا ہے۔ زمین کبھی حقیر یا ناکافی نہیں ہوتی۔ اگر لوگ عمل کی خاطر اپنی داخلی صلاحیتوں کو بھرپور طور پر بروئے کار لائیں تو قدرتی حالات کو بھی بدلا جا سکتا ہے۔"

یوں تو سٹالن نے بھی صحراؤں کو چمن زاروں میں تبدیل کرنے کے بہت سے پُرعزم خواب دیکھے تھے، لیکن اس نے صحراؤں کی موجودگی سے کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ ویسے بھی سوویت یونین کا وہ دور کافی عرصہ ہوا گذر چکا تھا۔ اب قوتِ ارادی کی جگہ تعقل نے لے لی تھی اور سوویت معیشت کی تعمیر اسی تعقل

ہی کی بنیاد پر مورہی تھی۔ لیکن ادھر ماؤ کا تصور یہ تھا کہ داخلی مشکلات کو پھلانگ کر صنعتی طور پر انتہائی ترقی یافتہ ممالک کا ہمسر بنا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ روس والے ماؤ کے اس تصور سے خاصے برہم ہوئے ہوں گے اور چینیوں کے اس دعوے سے بھی کہ وہ (یعنی چینی) عوامی کمیونوں کے طفیل فوراً اشتراکیت کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

چین کی داخلی پالیسی کے شعبہ میں اختلافات کے ان نئے عنوانات کے ساتھ ساتھ ۱۹۵۸ء کے موسم گرما میں خارجہ پالیسی کے ایک ٹھوس سوال پر بھی ماؤ اور خروشیف میں براہِ راست اختلاف ہو گیا۔ ۲۸ جولائی کو خروشیف نے یہ تجویز پیش کی کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، سوویت یونین اور بھارت کی ایک چوٹی کی کانفرنس بلائی جائے جس میں مشرقِ وسطیٰ کے بحران کا حل تلاش کیا جائے۔ مغربی طاقتوں کے حکمرانوں سے براہِ راست معاملات طے کرنے کے سلسلے میں خروشیف کا یہ پہلا واضح اقدام تھا جو بعد ازاں اس کی پالیسی کا امتیازی وصف کہلایا لیکن ہوا یوں کہ تین دن بعد وہ بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے اچانک خفیہ طور پر پیکنگ جا پہنچا، جہاں اس نے چوٹی کی کانفرنس کی تجویز واپس لے لی۔ واضح طور پر یوں لگتا تھا جیسے خروشیف نے ماؤ کے دباؤ میں آکر یہ فوری قلابازی کھائی ہے۔ ماؤ امریکی سامراجیوں سے جنہوں نے ابھی تک تائیوان میں ایک متبادل چینی حکومت قائم کر رکھی تھی، اس قسم کی سودے بازی کے سخت خلاف تھا۔ اپنے نقطۂ نظر کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے ماؤ نے ایک قدم یہ اٹھایا کہ اگست ۱۹۵۸ء کے اواخر میں ساحلی جزیروں پر گولہ باری شروع کر دی۔

اس طرح سے ۱۹۵۷ء کے موسم خزاں سے لے کر ۱۹۵۸ء کے موسم خزاں تک کے عرصے میں اختلاف و افتراق کے جتنے بھی عنوان نکلے اپنے اپنے طور پر بھی اہم تھے مگر اسی کے ساتھ یہ سب مل جل کر ایک بنیادی بُعد کی بھی علامت تھے۔ بات یہ ہے کہ سوویت اور چینی رہنماؤں کے ذہن اتنے الگ اور مختلف تجربات سے گزر کر بنے تھے کہ رضا و رغبت کے باوجود ان کے لئے ایک ہی ذہنی فضا میں سوچنا اور ملنا سخت مشکل تھا۔

ماؤ کی خارجہ اور داخلہ، دونوں پالیسیوں کے ہر پہلو میں ۱۹۵۷ء کے بعد سے انتہا پسندی اور قوتِ ارادی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے گویا یہ دونوں خصائص ماؤ نے اپنے پرانے تجربات کے سرچشموں کی طرف مراجعت کر کے اور اُن سے متاثر ہو کر اپنائے ہیں۔ اس نے اعلان کیا کہ جنگوں کا

فیصلہ ایٹمی ہتھیاروں سے نہیں ہوتا بلکہ لڑنے والوں کی ہمت اور اُن کے استقلال سے ہوتا ہے۔ خواہ نصف انسانی خلقت کی زندگی بازی پر لگی ہوئی ہو، یہ ہمت و استقلال قائم رہنا چاہیے۔ یہ اعلان کر کے گویا اس نے وہ سبق دہرائے اور ان کی توثیق کی جو اس نے چیانگ کائی شیک کے خلاف جنگ میں سیکھے تھے۔ جب کہ ماؤ کی رضا کار فوج نے صرف رائفلوں اور اناج کے بل بوتے پر طیاروں اور ٹینکوں سے لیس دشمن کی فوج کے منہ پھیر دیئے تھے۔ ۱۹۵۷ء کی کانفرنس میں پُر امن تبدیلی کا مسئلہ زیر بحث آیا تو چینیوں نے صاف صاف اعلان کیا کہ وہ یہ ماننے سے قطعی طور پر انکار کرتے ہیں کہ ترقی یافتہ ملکوں میں انقلاب کا مسئلہ اب ویسا نہیں ہے، جیسا مارکس اور لینن کے زمانے میں تھا۔ انھوں نے یورپ کے کمیونسٹوں مثلاً تو گلیاتی کی نئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی مذمّت کی چینیوں کے اس طرزِ عمل کا مطلب یہی بنتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو چینی تجربے کی حدود میں سمیٹ لیا تھا اور باقی دنیا کو اسی تجربے کے شیشے میں سے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

ماؤ کے یہ رجحانات عین اس وقت ظاہر ہوئے جب سوویٹ یونین نے اپنے اقتصادی اور معاشرتی ارتقا اور خروشیف کی نئی فکر کی بدولت عصرِ حاضر کے مسائل سے زیادہ آگاہی حاصل کرنا شروع کر دی تھی اور سرمایہ دار ممالک کو خالص نظریاتی عینک سے دیکھنے کی عادت سے چھٹکارا حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان باتوں کا نتیجہ لازماً یہی نکلا کہ خروشیف کے روس کو ماؤ نے بورژوا اور ترمیم پسند سمجھا اور ماؤ کے چین کو خروشیف نے کٹر متعصب اور دقیانوسی جانا۔

اگرچہ خروشیف نے اپنے پیشروؤں کے مقابلہ میں یورپ اور امریکہ سے زیادہ شناسا ہونے کا ثبوت دیا۔ لیکن دوسری طرف چینی نفسیات کو وہ بالکل نہیں سمجھا۔ یہاں وہ سٹالن سے بھی زیادہ کم فہم نکلا۔ یہ صحیح ہے کہ چینیوں نے اس کے لئے شکایت کے مواقع پیدا کر دیئے تھے۔ انھوں نے عوامی کمیون قائم کرنے کے معاملہ میں بہت عجلت دکھائی تھی اور یہ کوشش کی تھی کہ اقتصادی اور معاشرتی زندگی کی ایک بہت بڑے پیمانے پر تنظیم کی جائے۔ جس سے سخت افراتفری پیدا ہوئی اور یہ پورا منصوبہ زبردست اقتصادی ناکامی سے دوچار ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود چین والے اپنی پالیسی پر ڈٹے رہے اور یہ دعویٰ کرتے رہے کہ انھوں نے اشتراکیت کی منزل تک پہنچنے کے لئے قریب کا راستہ دریافت کر لیا ہے۔ اُن کا یہ اصرار روس کی سخت مخالفت کے باوجود قائم رہا۔ اس سے خروشیف نے بلکہ

سوویت روس کی اکثریت نے یہ نتیجہ مرتب کیا کہ سوویت یونین نے جو قیمتی وسائل و ذرائع چین والوں کو مہیّا کیئے ہیں وہ ضائع جا رہے ہیں اور یہ کہ انھیں خود روس میں کہیں زیادہ مفید طریقے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

ان باتوں کے پیشِ نظر خروشیف کی برہمی سمجھ میں آتی ہے لیکن خروشیف سے اپنے رَدِّعمل میں دو بڑی فاش غلطیاں سرزد ہوئیں۔ ایک بات اس نے یہ کی کہ دانستہ طور پر کمیونوں کی تضحیک شروع کر دی۔ پہلے تو اس نے نجی بات چیت میں کمیونوں کا مذاق اڑایا۔ مثلاً دسمبر ۱۹۵۸ء میں سینیٹر ہمفری سے (جو آج کل امریکہ کا نائب صدر ہے) گفتگو کرتے ہوئے اس نے اس قسم کی باتیں کیں۔ پھر اس نے کھلم کھلا اور برسرِ عام کمیونوں کو مذاق کا ہدف بنا لیا۔ دوسری حرکت اس نے یہ کی کہ اقتصادی دباؤ ڈال کر چینیوں کو جھکانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ یورپ والوں کی رعونت کے خلاف ماؤ کے اندر ایک عرصے سے جو آگ سلگ رہی تھی وہ پھر بھڑک اُٹھی۔ سیاسی وجوہ کی بنا پر تو اسے پہلے ہی یہ یقین ہو چلا تھا کہ خروشیف کا روس سرمایہ دار ممالک سے کچھ ایسا مختلف نہیں ہے اب اس واقعہ نے ماؤ کے اس فطری یقین کی توثیق کر دی۔

کمیونوں کی تضحیک اور چین کی اقتصادی مشکلات سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش، یہ دونوں باتیں ماؤ کو اس وجہ سے اور بھی ناگوار گزریں کہ ماؤ نے ایک ہی جست میں چین کی ساری پسماندگی کو دُور کرنے کی خاطر قسم کھائی تھی اور اس کام کی خاطر اُس نے اپنی پوری ساکھ داؤ پر لگا دی تھی۔ یہ کوئی اتفاقیہ امر نہیں تھا کہ دسمبر ۱۹۵۸ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے چھٹے اجلاس میں ماؤ نے اس فیصلہ کا اعلان کیا تھا کہ وہ اگلی چار سالہ مدّت کے لئے چینی جمہوریہ کے چیئرمین کا انتخاب نہیں لڑے گا۔ اس لئے کہ اسی اجلاس میں پہلی مرتبہ کسی قدر تامّل کے ساتھ یہ تسلیم کیا گیا کہ ایک ہی جست میں راتوں رات اشتراکیت کی منزل تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ ممکن ہے پارٹی کے اندر یہ بے اطمینانی پھیلی ہو کہ کمیون اندھا دھند قائم کیئے گئے تھے اور اس بنا پر ماؤ پر دباؤ ڈالا گیا ہو کہ وہ مستعفی ہو جائے یا ممکن ہے یہ فیصلہ اس نے اپنے طور پر کیا ہو۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اب ماؤ کے یہاں ملکی انتظام و انصرام اور خاص کر اُن پالیسیوں کے نفاذ کے سلسلے میں جو اس کی طبیعت کے مطابق نہیں تھیں، کوئی جوش و خروش نہیں پایا جاتا تھا۔

بہرحال ماؤ پارٹی کا چیئرمین بھی بنا رہا - اور اُس کا چینی انقلاب کے زُعماء اور پُر اسرار قائد ہونے کا مخصوص شرف بھی برقرار رہا۔ لیکن اب صورت قدرے مختلف تھی۔ ۱۹۵۹-۶۰ء کے برسوں میں پیکنگ والوں کی اقتصادی پالیسی آہستہ آہستہ ڈگر بدل رہی تھی - اب جیسے جیسے اس میں عاقبت اندیشی اور مصلحت بینی کا رنگ پیدا ہوتا جا رہا تھا، ماؤ اس سے کنارہ کش ہوتا جا رہا تھا اور امورِ خارجہ کی طرف زیادہ توجہ دینے لگا تھا۔ فطرت اور ٹیکنولوجی کو وہ اپنی مرضی کے مطابق مطیع نہ کر سکا تھا اور وہ سخت حریف ثابت ہوئے تھے - لہٰذا اس نے چین کے دشمنوں کو مطیع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی نظر میں دو نوں قسم کے دشمن تھے - امریکی سامراج جو اُس کا کھلا دشمن تھا اور "جدید ترمیم پسندی" جو چھپ کر وار کرنے والا تھا -

۱۹۵۹ء کی گرمیوں میں وہ اپنے گاؤں شاؤ شان میں جا کر رہا۔ ۱۹۲۷ء کے بعد سے جب اس نے کسان تحریک کے بارے میں اپنی مشہور تحقیقات کی تھی یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اپنے گاؤں گیا تھا۔ یہاں بیٹھ کر اس نے بیتے زمانے کو یاد کیا اور اس یاد سے اُسے زمانہ حال کے بارے میں اعتماد حاصل ہوا:-

یہ میرا ماضی، یہ میرا ماضی کہ اس کی یادوں کی تابناکی تو جُوں کی تُوں ہے -
گذرتے لمحوں کا تیز دھارا رواں دواں ہے -
میں گذرتے وقتوں کو کوستا ہوں -
ابھی ابھی تیس ۳۰ سال پہلے میں اپنے آبائی گاؤں میں تھا۔
یہاں کے مجبور و بے نوا لوگ اپنے نیزوں پہ سُرخ پرچم لئے ہوئے تھے -
سیاہ مجبور ہاتھ ظالم زمینداروں کے کوڑے کر کٹ اٹھا رہے تھے -
عظیم قربانیوں کے بعد آج ہم کو یہ قوتیں ملی ہیں -
کہ چاند سورج کو ہم نے یہ حکم دے دیا ہے -
کہ وہ ہمارے حضور آئیں،
نئے دنوں کا پیام لائیں -
میں چاول اور ریشم کے حسین لہلہاتے خوشوں کو دیکھ کر خوش ہوں -

شام کے دھندلے دھندلے سائے میں چار جانب سے لوٹتے سور ماؤں کو دیکھتا ہوں۔"

چینیوں کے بعد کے بیانات یہ کہتے ہیں کہ اسی جون کے مہینے میں جب ماؤ ابھی ہونان میں تھا سوویٹ روس نے ۱۹۵۷ء والا وہ معاہدہ جو اس نے نئی فوجی ٹیکنولوجی کے سلسلے میں کیا تھا یکطرفہ طور پر ختم کر دیا۔ یہ بھی انھیں ابتدائی اقدامات میں سے تھا جو خروشیف نے کھلم کھلا اس مقصد سے کئے تھے کہ چین پر اقتصادی اور سیاسی دباؤ ڈال کر پالیسیوں کو بدلوایا جائے۔ مگر جو شخص چاند اور سورج کو حکم دینے کی قوت رکھتا تھا اس سے بھلا یہ کیسے توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ ایسی چالوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔ ماؤ نے اپنے یہ احساسات ایک دوسری نظم میں بیان کئے ہیں۔ یہ نظم اس نے جولائی ۱۹۵۹ء کے آغاز میں اس وقت لکھی تھی جب وہ صوبہ کیانگسی کے پہاڑی مقام لوشان جا رہا تھا۔ وہاں جولائی ۱۹۲۷ء میں نانکنگ بغاوت کے موقعہ پر کومنتانگ کے بائیں بازو والوں نے اس غرض سے کانفرنس بلائی تھی کہ اشتراکیت کو کچلنے کے طریقے سوچے جائیں۔ اور اب عنقریب وہاں چینی کمیونسٹ پارٹی کی آٹھویں کانفرنس ہونے والی تھی۔ وہ نظم یوں ہے:

یہ موج در موج چڑھتا دریا
اور اس کے پہلو میں یہ اکیلی بلند چوٹی جو اونچی اٹھتی چلی گئی ہے
یہ لہلہاتے حسین مناظر کہ ان میں ہر سمت گھوم کر میں اب انتہا تک پہنچ گیا ہوں
طمانیت اور سکون کے احساس سے سمندر کی سمت مڑ کر،
میں اپنی دنیا کو اک نظر بھر کے دیکھتا ہوں۔
ہوا کی تیزی نے تیز بارش کو اس طرح تیز تر کیا ہے۔
کہ سارا دریا حدِ افق تک برستے پانی کی اوٹ میں ہے
یہ ابر نو خیز ندیوں کو عبور کرتے ہیں، آگے بڑھتے ہیں،
"پیلے سارس کی چوٹی" پہ گھر کے آ رہے ہیں
ابھرتی، بل کھاتی، طرف ساحل کو بڑھتی موجیں،
سفید دھند ان سے اُٹھ رہی ہے۔
نہ جانے یہ حکمران تاؤ کدھر گیا ہے؟
جو فصل شفتالو کی ہو کیا اس میں کاشت کاری بھی ہو سکے گی

اس نظم کی کلید آخری سے پہلے مصرعے میں ہے۔ حاکم تاؤ سے مراد عظیم شاعر تاؤ یانگ منگ ہے جس کی وفات ۴۲۷ء میں ہوئی تھی۔ جو زندگی میں بس ایک بار میجسٹریٹ بنا تھا اور وہ بھی صرف اسّی دنوں کے لئے۔ اس کی حاکمیت کا زمانہ یکبارگی اس بنا پر ختم ہوگیا تھا کہ اُس نے ایک بڑے افسر کا اُس کے شایانِ شان طریقہ پر استقبال کرنے اور اپنی متابعت کا اظہار کرنے کی نسبت اپنی نوکری سے ہاتھ دھو لینا زیادہ مناسب خیال کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہ بات کہی کہ "پانچ مٹھی چاول کے لئے ایک اجڈ کے سامنے جھکنا میرے لئے ممکن نہیں ہے"۔ یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ اس نظم میں ماؤ نے اپنے آپ کو تاؤ کے روپ میں اور خروشیف کو اُس اجڈ کے روپ میں محسوس کیا ہے۔

آخری مصرعہ میں تاؤ کی ایک مشہور نظم کے عنوان کی طرف اشارہ ہے۔ یہ نظم ایک مثالی دنیا کا مرقع ہے۔ ماؤ یہاں واضح طور پر یہ سوچتا نظر آتا ہے کہ کمیونز اور "ترقی کی سمت جست" کی تحریک والا چین جنت ارضی ہے جو تاؤ کی خیالی جنت سے برتر ہے۔ ایک ماہ بعد ہی جب لوشاں میں مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہوا تو ماؤ کے اس تصور پر سخت ضرب پڑی۔ ۲۶ اگست کے سرکاری اعلامیہ میں یہ تسلیم کیا گیا کہ "ترقی کی سمت جست" کی مہم کے دوران پہلے سال کی اقتصادی ترقی سے متعلق جو اعداد و شمار پہلے شائع کئے گئے تھے ان میں ۴۰ سے ۵۰ فی صدی تک مبالغہ کیا گیا تھا۔ خاص طور پر اناج کی پیداوار ۳۷ کروڑ ٹن کی بجائے ۲۵ کروڑ ٹن ہوئی تھی۔ (اصل اعداد و شمار اس سے بھی کم تھے) اس کے بعد کے سال میں یعنی ۱۹۵۹ء میں فصل اور زیادہ خراب ہوئی۔ اس کی وجہ کچھ تو قدرتی حالات کی خرابی تھی۔ لیکن اس میں کچھ معاشی بدانتظامی اور اجتماعی معیشت کی مہم میں انتہا پسندی اور نظم و ضبط کے خلاف کسانوں کی مزاحمت کو بھی دخل تھا۔ فصل کم ہونے کے سبب اگلے جاڑوں کا زمانہ بہت قلت اور تکلیف کا گزرا۔ اس بحران کا مقابلہ یوں کیا گیا کہ کمیونوں کو انتظامی یونٹوں کی حیثیت دے دی گئی اور اختیارات کی تقسیم زیادہ کر دی گئی۔ اقتصادی سرگرمی کا اختیار پہلے پیداواری بریگیڈ کے سپرد کیا گیا جو امداد باہمی کی سابقہ انجمنوں سے مماثل تھی۔ پھر اس کے بعد یہ اختیار پیداواری ٹیم کے سپرد کیا گیا، جو مجموعی طور پر اُن مشترکہ امدادی ٹیموں سے مشابہ تھی جو ۵۱-۱۹۵۰ء میں قائم کی گئی تھیں۔ اقتصادی منصوبہ بندی میں صنعتوں پر جو بہت زیادہ زور دیا گیا تھا اس کی اصلاح کی گئی۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ تھوڑے عرصے تک زراعت ہی کو قومی معیشت کی بنیاد کی حیثیت

حاصل رہے گی۔

ماؤ نے ان مسائل سے توجہ ہٹائی اور روز بروز امور خارجہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا چلا گیا۔ محض اس وجہ سے نہیں کہ داخلی معاملات نے اسے افسردہ کر دیا تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ چین کے بارے میں غیر ملکی طاقتوں بالخصوص روس کے رویے کے سبب زیادہ بدمزگی اور ناگواری پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اس قسم کے واقعات میں سے پہلا واقعہ اگست ۱۹۵۹ء میں لوشان والے اجلاس میں رونما ہوا۔ یہ اجلاس "ترقی کی سمت جست" کی تحریک سے مکمل پسپائی کا نقطۂ آغاز تھا۔ اس موقعہ پر پنگ تے ہوائی نے، جو چنگ کنگ شان کے زمانے سے ماؤ کا ساتھی تھا اور اب وزیرِ دفاع کے عہدہ پر فائز تھا، پچھلے ڈیڑھ سال کی پالیسیوں کے خلاف بہت زہر اُگلا، اس بنا پر اُسے معتوب کر کے وزارت سے الگ کر دیا گیا۔ بعض بیانات یہ کہتے ہیں کہ پنگ نے اپنے یہ خیالات ایک خط میں لکھ کر روس کی کمیونسٹ پارٹی کو بھی بھیج دیئے تھے۔ یہ خط ۱۹۵۹ء کے موسم بہار میں جب پنگ ایک فوجی خیر سگالی وفد کے ہمراہ معاہدۂ وارسا کے ممالک کا دورہ کر رہا تھا پارٹی کے حوالے کیا گیا تھا۔ ماؤ نے اس واقعے کو چین کے اندرونی معاملات میں روس کی مداخلت کی بین مثال تصور کیا۔

اس کے بعد دو حادثات اور رونما ہوئے، ۹ ستمبر ۱۹۵۹ء کو تاس نے ہند چینی سرحدی جھڑپ کے سلسلے میں جو اگست میں ہوئی تھی ایک بیان شائع کیا۔ اس میں ان واقعات پر اظہارِ افسوس کیا گیا تھا اور دونوں حکومتوں کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ 'غلط فہمی' دور کرنے کی کوشش کریں۔ چینیوں نے بجا طور پر اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ سوویت یونین نے ایک اشتراکی مملکت کو اور ایک بورژوا مملکت کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا ہے اور اس طرح پرولتاری یکجہتی کو صدمہ پہنچایا ہے۔ اور پھر چینیوں کو اس بات پر اور بھی غصہ آیا کہ اس بیان کا مسودہ انھیں بالکل آخری وقت پر یعنی ۹ ستمبر کی صبح کو دکھایا گیا تھا اور اگرچہ پیکنگ نے باضابطہ طور پر یہ درخواست کی کہ یہ بیان جاری نہ کیا جائے لیکن سوویت والوں نے اس درخواست کی پرواہ کئے بغیر اسی شام کو یہ بیان شائع کرا دیا۔ اب چینی اور روسی دونوں یہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں کہ ان کے مابین کھلم کھلا تصادم اسی بیان کی اشاعت کے وقت سے شروع ہوا تھا۔

۳۰ ستمبر کو خروشیف امریکہ کا دورہ کرنے اور کیمپ ڈیوڈ میں آئزن ہاور سے بات چیت

کرنے کے بعد پیکنگ پہنچا۔ ایک تو امریکہ کا دورہ ہی ماؤ کی نظر میں مستحسن نہ تھا، اوپر سے خروشیف نے چین میں چند ایسی باتیں کیں جن سے اُس کے میزبان اور بھی برہم ہوئے۔ اس کے پہنچنے پر شام کو ماؤزے تنگ نے اس کے اعزاز میں جو دعوت دی، اس میں اس نے اُن لوگوں پر بہت حملے کیے "جو طاقت کے ذریعے سرمایہ دار نظام کے استحکام کو آزمانا چاہتے تھے۔" بعد کے ایک چینی بیان کے مطابق "تمام دنیا نے اس بیان کا مطلب یہ نکالا کہ یہ چین کی تائیوان اور ہند چینی سرحد کے سلسلے میں جنگجویانہ روش کی طرف اشارہ ہے۔"

چینی رہنماؤں سے بات چیت میں خروشیف نے ماؤ اور اس کے رفیقوں سے یہاں تک کہا کہ کہ انقلاب اکتوبر کے بعد لینن نے عارضی طور پر یہ رعایت برتی تھی کہ سائبیریا میں مشرقِ بعید کی جمہوریہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ماؤ کو بھی اسی طرح عارضی طور پر تائیوان کے علیحدہ وجود کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ ویسے ان دونوں صورتوں میں کوئی مماثلت نہیں تھی اس لئے یہ مثال ایسی برمحل نہیں تھی۔ مشرقِ بعید کی جمہوریہ تو ایک فاصل ریاست (بفر سٹیٹ) تھی جو سوویت کی حامی تھی۔ وہ کسی شدید دشمن حکومت کی پناہ گاہ نہیں تھی، جس نے پورے علاقے پر از سرِ نو قبضہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں واقعی کوئی مماثلت ہوتی تب بھی ماؤ کہاں ماننے والا تھا۔ یہ عقل کا نہیں جذبات کا معاملہ تھا جس کے مطابق روسی سرزمین کا قربان کر دینا، چینی سرزمین کے قربان کر دینے سے بہت مختلف تھا۔ خروشیف بالواسطہ طور پر جس تصوّر کی حمایت کر رہا تھا کہ عارضی طور پر چین ایک کی بجائے دو ہو جائیں ماؤ کے لئے سخت ناقابلِ برداشت تھا۔

اس کے بعد سے، جیسا کہ سب کو علم ہے، چین اور روس کے تعلقات بگڑتے ہی چلے گئے۔ طرفین نے اپنی اپنی صفائی میں شواہد کا انبار لگایا ہُوا ہے۔ لیکن اِن سب کا تذکرہ اور تنازعہ کی تفصیلات کا بیان اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ اس سوانح کے اختتامی صفحات میں میں اس تنازعہ کا ذکر ماؤ کے واسطے سے کروں گا۔ اور اس بات سے بحث کروں گا کہ ماؤ نے کس طرح چین کے رویئے پر اپنی مہرثبت کی اور اس تنازعہ سے حاصل ہونے والے اسباق کیونکر اس کے موجودہ سیاسی رویّے کی تشکیل کا باعث بنے۔

۱۶ر اپریل ۱۹۶۰ء کو چینی کمیونسٹ پارٹی کے نظریاتی رسالے "ہُنگ چی" میں "لیننزم پائندہ باد"

کے عنوان سے ایک اداریہ شائع ہوا۔ بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس اداریہ کے کچھ حصے اور دوسری ایسی تحریریں جو کسی نام کے بغیر بعد میں پیکنگ سے شائع ہوئیں ماؤ نے خود لکھیں تھیں یا پھر کسی اور شخص نے ماؤ کے اشارے پر تحریر کی تھیں اور ماؤ نے بعد ازاں اپنے مخصوص رنگ میں کچھ اضافے کئے تھے۔

اس اداریئے کی اشاعت کا ظاہری سبب تو یہی تھا کہ اس وقت لینن کا نوے واں یوم پیدائش منایا جا رہا تھا لیکن بعد میں چینیوں نے یہ بتایا کہ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ سامراجیوں سے مفاہمت کے بڑھتے ہوئے رجحان کو جس کا اظہار پیرس میں منعقد ہونے والی چوٹی کی کانفرنس میں بھی گو قبل از وقت ہوا تھا، روکا جائے۔

اس اداریئے میں ماؤ کی ان تحریروں کے حوالے دیئے گئے تھے جو اس نے جاپان کے خلاف مزاحمتی جنگ کے دوران میں لکھی تھیں۔ یہ حوالے اس موقف کی حمایت میں دیئے گئے تھے کہ "اگر عوام بیدار ہوں تو وہ رجعت پسندوں کی ہتھیاروں میں برتری کا کوئی نہ کوئی توڑ تلاش کر سکتے ہیں۔" ۱۹۵۷ء کی ماسکو کانفرنس میں بھی ماؤ نے ایٹمی جنگ کے نتائج کے باب میں اسی قسم کے خیالات پیش کئے تھے۔

"اگر سامراجیوں نے مختلف ممالک کے عوام پر ایٹمی جنگ ٹھونپی اور انھیں قربانیاں دینے پر مجبور کیا تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا کہ روسی انقلاب اور چینی انقلاب کے تجربے سے یہ بات ظاہر ہے یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ سامراج کے ملبے پر فاتح عوام بہت تیزی سے ایک ایسی تہذیب کی عمارت کھڑی کریں گے جو سرمایہ دار نظام سے ہزار درجہ بہتر ہوگی اور عوام کے سامنے ایک حسین و جمیل مستقبل ہوگا۔"

ایک مرتبہ پھر ماؤ اپنے تجربے کو کسوٹی بنا کر ہر قسم کے مسئلہ کو پرکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مندرجہ بالا مضمون میں زیادہ تر اس تصور کی مذمت کی گئی تھی کہ اقتصادی اور ٹیکنولوجیکل تبدیلیوں کے باعث مارکس اور لینن کے سیاسی تجزیے بیکار ہو گئے ہیں۔

ویسے تو اب تک کے سارے نظریاتی مضامین کی طرح اس مضمون میں بھی چینیوں نے احتیاط برتی تھی کہ صرف ترمیم پسندوں پر حملہ کیا تھا یا پھر یوگوسلاویہ والوں پر اعتراض کئے تھے۔ لیکن روس کے پورے موقف کی جس باقاعدگی سے اور برسرِ عام تردید کی جا رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے خروشیف نے طے کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ عالمی اشتراکی تحریک میں چین کے اختلاف کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے جون ۱۹۶۰ء میں رومانیہ کی کمیونسٹ پارٹی کا اجلاس ہوا تو وہاں اس نے امن اور جنگ کے

موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ چینی حکمران پاگل ہیں کہ ایٹمی جنگ شروع کرنے کے درپے ہیں اور بھارت وغیرہ سے تعلقات میں وہ بالکل قوم پرست بن کر رہ گئے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ اب ایٹمی ہتھیاروں کا زمانہ ہے۔ اور اس زمانے میں فوجی رضا کاروں کی فوج کی حیثیت محض انسانی گوشت کی ہوتی ہے۔ ماؤ نے اس بات میں اپنی تحقیر کا پہلو ضرور محسوس کیا ہوگا۔ اور پھر خروشیف نے اپنی بات کو دہرایا جس سے چین کے قومی وقار کو ٹھیس لگی ہوگی کہ بین الاقوامی حالات میں آگے چل کر جو بھی صورت رونما ہوگی اس کا انحصار روس اور امریکہ کے تعلقات پر ہوگا۔

بخارسٹ میں چینی کمیونسٹ جماعتیں جمع ہوئیں تھیں ان سب نے سوائے البانیہ کے خروشیف کی ہاں میں ہاں ملائی اور چین کو بُرا بھلا کہا۔ زبانی اور جماعتی سطح پر اس حملہ کے بعد بات براہِ راست اقتصادی دباؤ ڈالنے تک پہنچی۔ جولائی ۱۹۶۰ء میں روس نے دفعتاً یک طرفہ طور پر ایک ماہ کے اندر اندر چین سے سارے روسی ماہرین کو واپس بلانے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح بقول چینیوں کے اس نے سینکڑوں معاہدوں اور اقرار ناموں کو چاک چاک کر ڈالا۔

ان حالات میں چین نے دوسرے اجلاس ماسکو منعقدہ نومبر ۱۹۶۰ء میں جو تدابیر اختیار کیں، وہ اُن تدابیر سے مختلف تھیں جو اس نے ۱۹۵۷ء میں اختیار کی تھیں۔ اُس وقت تو خود ماؤ نے اس بات پر زور دیا تھا کہ اشتراکی کیمپ کی قیادت سوویت یونین کو کرنی چاہیئے۔ لیکن اب اس کے نمائندے اس بات پر مُصر تھے کہ سب کمیونسٹ پارٹیاں برابر ہیں اور اپنے طور پر اپنی اپنی پالیسیاں طے کرنے کا حق رکھتی ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ مارکسیت اور لینن ازم کے عمومی اصولوں کا پاس کریں اور جن بیانات پر سب پارٹیاں اتفاق کر چکی ہوں ان کا لحاظ رکھیں۔ انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ سوویت یونین کو اشتراکی کیمپ کا سربراہ تسلیم کیا جائے مگر یہ سربراہی محض رسمی اور علامتی ہونی چاہیئے۔ بہت سے مبصروں کا خیال ہے کہ اس تجویز کا مدعا یہ تھا کہ چین کے طاقتور بننے اور خود کیمپ کی قیادت سنبھالنے کا اہل ہونے تک کیمپ کی وحدت برقرار رہنی چاہیئے۔

ان تنظیمی مسائل کے ساتھ ساتھ چینی نمائندے اس ساری بحث میں ان نکات پر بھی زور دیتے رہے جن کا تعلق قومی وقار سے تھا۔ وہ یہ جتاتے رہے کہ جو قومیں نوآبادیاتی یا نیم نوآبادیاتی نظام کے تحت رہ چکی ہیں وہ بہت حساس ہیں۔ یورپ کے کمیونسٹ اگر اشارے کنائے میں بھی اپنی برتری کا اظہار

کرتے ہیں تو اس سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے چنانچہ کانفرنس کے اختتام پر جاری ہونے والے بیان کے طے شدہ متن سے انہوں نے یہ عبارت خارج کرا دی کہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک میں کارفرما جمہوری طاقتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے تجربے اور اپنے علم سے ان ممالک کو استفادہ حاصل کرنے کی اجازت دیں جو ماضی میں محکوم رہ چکے ہیں۔ روسی امداد کے دفعتاً بند ہو جانے کے پیشِ نظر ماؤ اور اس کے رفقا کا موقف اب یہ ہو چلا تھا کہ ہر ملک کو اوّلاً اپنے عوام کی ہمّت و کوشش پہ بھروسہ کر کے اپنی معیشت کو فروغ دینا چاہیئے۔ اور اب وہ اس بات پر قطعاً آمادہ نہیں تھے کہ جنھیں وہ دغاباز اور ترمیم پسند کہہ رہے ہیں انھیں کامریڈوں کی امداد کی ضرورت کو تسلیم کریں۔

۶۱-۱۹۶۰ء کے جاڑے چین پر سخت گذرے۔ راشننگ کا بندوبست حد درجہ اچھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھوک پوری آبادی میں تھوڑی تھوڑی کر کے بٹ گئی۔ لیکن قحط کی روک تھام کے لئے یہ ضروری ہوا کہ بہت سا اناج خریدا جائے۔ چنانچہ فروری ۱۹۶۱ء میں کینیڈا اور آسٹریلیا سے کثیر مقدار میں اناج خریدا گیا۔ ان تلخ اور سنگین حالات میں ماؤ نے چین کے ماضی میں سے مستقبل کے بارے میں اعتماد کا جواز حاصل کیا ؎

"یہ کوہِ چیو آئی، اس پہ منڈلاتے ابر پارے
شہنشہ یاؤ کی بیٹیاں شہپر ہوا پہ،
زمردیں، نیلمیں پہاڑوں سے کیسے نیچے اتر رہی ہیں۔
ذرا یہ چتکبرے بانس دیکھو
کہ ان کی شاخوں پہ کتنے آنسو بکھر گئے ہیں
ڈھلان کے رنگ رنگ ملبوس، جن پہ خوش رنگ بادلوں کی قبا پڑی ہے،
یہ تنگ جھیلیں کہ جن میں موجیں اُبل رہی ہیں،
اچھل کے گویا یہ برف چھُوئے گی آسماں کو،
یہ لانگ کے لوگ جن کے گیتوں سے گیتی ملتی ہے،
سارا منظر کچھ اس طرح مجھ میں رچ گیا ہے

کہ اب میں ان وسعتوں کو خوابوں کی وسعتوں میں سمیٹ لوں گا
مجھے یہ لگتا ہے ارض ہیکس چار جانب کے صبح کے نور میں اٹی ہے۔"

داستانی شہنشاہ یاؤ کی دو بیٹیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے جانشین شہنشاہ شون کی بیویاں تھیں شون جب جنوب کی طرف سفر کر رہا تھا تو ہنان میں کوہ چیو آئی کے نواح میں دریائے سیانگ کے کنارے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی دونوں بیویاں اس دریا کے کنارے پر آئیں اور انہوں نے یہاں بیٹھ کر گریہ زاری کی۔ وہ اتنا روئیں کہ ان کے آنسوؤں سے بانسوں کی پتیاں ہمیشہ کے لئے بدرنگ ہو گئیں اور اس طرح بانس کی وہ قسم پیدا ہوئی جسے دھبّے دار بانس کہتے ہیں۔ نظم میں جس طویل جزیرہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ چانگشا کے قریب دریائے سیانگ میں واقع ہے۔ یہاں کے باشندوں کے گیتی شکن گیتوں کا ذکر کر کے ماؤ دراصل اپنی نوجوانی کے زمانے کے انقلابی تجربے کو یاد کر رہا ہے۔ ارض ہیکس ہونان ہی کا ادبی نام ہے جو تانگ کی ایک نظم سے ماخوذ ہے اور ماؤ کا یہ خواب دیکھنا کہ اس کے سارے صوبے میں صبح کا نور پھیلا ہوا ہے، چینی تشریحات کے مطابق یہ معنی لئے ہوئے ہے کہ ماؤ کو امید ہے کہ ایک نہ ایک دن پورے چین میں اشتراکیت کا دور دورہ ہوگا۔ جس طرح ماضی میں غم واندوہ کی گھٹا سے دھبّے دار بانس کے حسن نے جنم لیا تھا، اسی طرح آجکل حالات کی سختی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ حالات ضرور بدلیں گے اور بہتر ہوں گے تشریحات میں تو یہی بتایا گیا ہے کہ یہ مادی جدلیات کے قانون کا بیان ہے۔ لیکن نظم سے ظاہر ہے کہ یہاں ماؤ، مارکس اور لینن کے فلسفوں کے واسطے سے نہیں بلکہ یاؤ اور شون کے وقت سے لے کر آج تک کی چینی تاریخ کے واسطے سے سوچ رہا تھا۔

اکتوبر ۱۹۶۱ء میں سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی بائیسویں کانگرس کے بعد سے بھی۔ جس میں خروشیف نے سٹالن پر بہت حملے کئے اور چو این لائی نے اپنا ردعمل بہت طمطراق سے سٹالن کے مزار پر پھول چڑھا کر ظاہر کیا تھا، روس اور چین کے تعلقات خراب ہی ہوتے رہے۔ ۱۹۶۲ء کے موسم خزاں میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے اس عمل کو ایک نئی انتہا سے دوچار کیا۔ ان میں سے ایک تو چین اور بھارت کی جنگ کا واقعہ تھا، اور دوسرا کیوبا سے متعلق روس اور امریکہ کا بحران تھا۔ اگست ۱۹۶۲ء میں جب یہ اعلان کیا گیا کہ روس بھارت کو مگ جہاز

فراہم کرے گا تو پکنگ والوں کو سخت طیش آیا۔ پھر جب اکتوبر میں چین نے شاید ایک طرف نہرو کو ذلیل کرنے اور دوسری طرف روس کو مشکل میں ڈالنے کے لئے بھارت پر حملہ کر دیا تو اس واقع پر ماسکو کے سرکاری حکام غصے سے اتنے بے قابو ہو گئے کہ مغربی یورپ اور امریکہ والوں سے بات چیت میں بھی برملا چینی قوم پرستی پر اپنے غصے کا اظہار کرنے لگے۔ کیوبا کے بحران میں چینیوں کے نقطۂ نظر سے اصل مجرم خروشیف تھا، اس لئے کہ پہلے تو اس نے سورما بننے کا عزم باندھا اور پھر ہتھیار ڈال دیئے۔ ماؤ کے نقطۂ نظر سے اس واقعے سے یہ بات اور بھی واضح ہو گئی کہ روس اپنی موجودہ قیادت کے ہوتے ہوئے اشتراکی کیمپ کی سربراہی کرنے کا اہل نہیں ہے۔ اب تک تو ماؤ کو یہ گمان تھا کہ خروشیف بھٹکا ہوا ساتھی ہے اور کسی نہ کسی وقت راہ پر آجائے گا لیکن اب شاید اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ یہ شخص مرتد ہے اور اس کی نجات کی اب کوئی صورت نہیں ہے۔ ویسے ماؤ بعد ازاں بھی خروشیف سے، اُس کے زوال کے وقت تک وقتاً فوقتاً اپیلیں کرتا رہا کہ وہ اپنے طرزِ عمل کی خرابی کو سمجھے اور اپنے کئے پر پشیمان ہو لیکن یہ صاف واضح تھا کہ ان اپیلوں کی شنوائی کی مطلق توقع نہیں تھی۔

اس کے بعد سے سوویت رہنماؤں سے بھی اتنی ہی مخاصمت برتی گئی جتنی امریکی سامراجیوں سے برتی جا رہی تھی، بلکہ سوویت کو زیادہ نفرت کا ہدف بنایا گیا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں سے چین کی دشمنی تھی۔ مگر ماؤ اس سے گھبرانے کی بجائے اور زیادہ ترنگ میں آگیا۔ جیسے کہ اُس نظم سے ظاہر ہے جو اُس نے اپنی انسٹھویں سالگرہ پر لکھی تھی۔

لدے ہوئے برف سے ہیں سرمائی ابر پارے
ہوا کی موجوں پہ برف کے گالے تیرتے ہیں
شگوفے مُرجھا گئے ہیں اور پھول ان دنوں میں بہت ہی کم ہیں
بلندیوں میں یہ منجمد لہریں کتنی بیکل ہیں، مضطرب ہیں
زمین پہ نرم گرم ہوائیں بہت ہی آہستہ چل رہی ہیں
بہادروں کا جگر تو دیکھو کہ شیر کا پیچھا کر رہے ہیں
جو شیر کا پیچھا کر رہے ہوں بھلا وہ کب ریچھ سے ڈریں گے

فضاؤں میں برف اُڑ رہی ہے شگوفے آو چے کے مگن ہیں
جو سرد موسم ہوا تو خود اپنی موت یہ مکھیاں مریں گی

سالگرہ پر لکھے ہوئے ان اشعار میں ماؤ خود اپنے متعلق سوچتا نظر آتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ ماؤ خود ہی وہ سورما ہے جس کا اُس نے ذکر کیا ہے۔ یا کم از کم ان سورماؤں میں سے ایک وہ خود ہے۔ شیر سے مُراد سامراج کا کاغذی شیر ہے اور ریچھ روسی ریچھ ہے۔ پس ماؤ کو خروشیف کا اتنا خوف بھی نہیں تھا جتنا کاغذی شیر کا تھا۔

"پراودا" جو پہلے البانیہ والوں، بائیں بازؤں والوں اور وہم پرستوں کی طرف اشارہ کر کے بات کیا کرتا تھا، اب ۷ر جنوری ۱۹۶۳ء کو پہلی مرتبہ اس نے چینی پالیسی پر کھلم کھلا حملہ کیا۔ اس کے دو دن بعد ماؤ نے اپنی ان نظموں میں سے جو اب تک شائع ہو چکی ہیں آخری نظم لکھی۔ یہ نظم اس زبردست فخر کو جو اسے اپنے ملک پر تھا اور اس زبردست اعتماد کو جو اسے اپنی ذات پر تھا، ظاہر کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو دن پہلے "پراودا" کی تلخ باتوں سے جوش میں آکر ماؤ نے یہ نظم لکھی ہو۔ بہرحال یہ اشعار بین الاقوامی صورتِ حال کے براہِ راست رَدِ عمل کا اظہار ہیں۔ اس نظم پر چین میں جو تبصرے کئے گئے ہیں ان میں سے ایک تبصرے میں کہا گیا کہ "۱۹۶۳ء وہ برس ہے جب دُنیا کی تمام رجعت پسند طاقتیں جو مل کر چین کے خلاف زہر اگل رہی تھیں، اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ مگر یہ وہ برس بھی تھا جس میں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام میں انقلاب کی رو نقطۂ عروج کو چھو رہی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب مارکس اور لینن کے نظریات کے خلاف طوفان برپا تھا۔ مگر یہی وہ وقت بھی تھا جب حق کے دلیر سپاہیوں نے بلا تکان اپنے جوہر دکھائے تھے۔" اس صورتِ حال کو ماؤ نے انقلابی اور روایتی تشبیہات کی مدد سے انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔ اور یہ بیان اس کے پورے فکر و عمل کا ترجمان ہے ؎

ہمارے چھوٹے سے کرۂ ارض پر مکھیں مکھیوں کو دیکھو،
بہت سی دیوار و در سے ٹکرا کے بھنبھناتی ہیں،
کچھ نہایت بلند آواز میں شکایات کر رہی ہیں،
تو کچھ فقط نالہ و بکا میں ہیں، اور مناجات کر رہی ہیں۔

درخت پر چڑھ کے کتنی شیخی بگھارتی ہیں،
سمجھتی ہیں اک عظیم ملک ان کی ملکیت ہے۔
درخت کو واقعی ہلانا تو کارے وارد ہے،
ہاں مگر وہ بزعم خود اس کی مدعی ہیں۔
ابھی ابھی مغربی ہوائیں چلی ہیں اور چانگان میں کتنے زرد پتے بکھر گئے ہیں۔

ہواؤں میں سنسناتے تیروں کی آہٹیں ہیں۔
اب ایک کے بعد ایک کتنے ہی اہم کام اپنے سامنے ہیں۔
زمیں کو اور آسماں کو گردش ہے
وقت کا یہ دباؤ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔
برس ہوں گر دس ہزار تو یہ طویل مدت ہے،
اب یہ دن ہاتھ سے نہ جائے۔
سمندروں کو ہے جوش اور سارے ابر و دریا گرج رہے ہیں۔
لرزتے ہیں سارے براعظم، ہوائیں چنگھاڑتی ہیں اور بجلیاں کڑکتی ہیں۔

اب ہمیں ان تمام کیڑوں کو ختم کرنا ہے۔
تاکہ دشمن کا اِک نشاں بھی نہ رہنے پائے۔

اس نظم کی سرکاری تشریحات کے مطابق دنیا بہت کمتر ہے، اس لئے کہ وہ پرولتاری انقلابی کی نظروں میں بہت حقیر ہے جو اسے اپنے عمل سے منقلب کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ دیوار ولی سے مراد مارکس اور لینن کے نظریات ہیں جن سے سامراج یا ترمیم پسندی یا دونوں ہی کی مکھیاں بے سود سر مارتی ہیں۔ بعد کے دو مصرعوں میں جن چیونٹیوں کا ذکر ہے وہ روسی چیونٹیاں ہیں۔ خود چینیوں نے اس تعبیر کی توثیق کی ہے۔ اپریل ۱۹۶۴ء میں "جن من جی پاؤ" میں ایک اداریہ لکھا گیا جس میں ماؤ کے خیالات پر کئے گئے روسی حملوں کی مذمت کی گئی اور لکھا گیا ہے "سوویت یونین کی کمیونسٹ

پارٹی کے رہنما کامریڈ ماؤزے تنگ اور اس کے خیالات کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی حیثیت ان چیونٹیوں کی سی ہے جو اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھتی ہوں اور اس زعم میں عظیم درخت کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

چان گان، چین کے پرانے صدر مقام سے یہاں غالباً مراد خود چین ہے۔ چینی تشریحات کی رُو سے پتیاں رجعت پسند طاقتوں کے لئے استعارہ ہیں جو انقلاب کی ہوائے تند سے مرجھا کر رہ گئی ہیں۔ لیکن ماؤ شاید روس اور دوسرے ترمیم پسندوں کے پروپیگنڈے کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔ تیز تیروں سے مراد مارکس اور لینن کے اصولوں کی سچائی ہے۔ جس کے واسطے سے چین اپنے دشمنوں کو جواب دیتا ہے اس نظم کے آخری اشعار کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ دنیا کے انقلابی عوام اپنی نجات کے لئے کسی بیرونی طاقت کے منتظر نہیں ہیں وہ خود کو آزاد کرانے کا عزم رکھتے ہیں۔

آخری اشعار میں اظہار پانے والا خیال ان تمام اعلانات کے مرکزی موضوع کا عکس پیش کرتا ہے جو پچھلے تین برسوں میں پیکنگ کی طرف سے بین الاقوامی صورتِ حال کے بارے میں کئے گئے ہیں یعنی یہ کہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام آج کی دنیا کی نمائندہ انقلابی قوتیں ہیں۔ عالمی انقلاب کے اس تصور کی طرف ماؤ اور دوسرے چینی نمائندوں نے خصوصاً سنہ ۱۹۶۰ء سے اشارہ کرنا شروع کیا تھا پھر ۱۴ جون سنہ ۱۹۶۳ء کو پہلی مرتبہ چین کے خط میں اس کی وضاحت کی گئی۔ جب ایٹمی دھماکوں کی ممانعت کا معاہدہ ہوا تو ماؤ نے سوویت رہنماؤں کے ساتھ بھائی چارے کی ظاہرداری بھی ترک کر دی اور انقلاب کا متذکرہ بالا تصور زیادہ شدید اور واضح ہو گیا۔

ماؤ کا خیال ہے کہ یورپ کے پرولتاریوں نے روس اور مشرقی یورپ میں جہاں انھیں اقتدار حاصل ہے، اور ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں بھی جہاں ابھی اُن کی حیثیت مقتدر نہیں ہے، خروشیف اور تولگیاتی قسم کے جعلی پیغمبروں کے آگے سر جھکا دیئے ہیں اور اس طرح انہوں نے اپنے ملکوں میں بھی اور عالمی سطح پر بھی انقلاب سے دغا کی ہے۔ صرف ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام سچے انقلابی ثابت ہوئے ہیں اور بالآخر انھیں کی جدوجہد سے ان کی اپنی اور انحطاط پذیر یورپ کی نجات ہوگی۔ ماؤ نے اپنی ذات میں ان طاقتوں کی جو عالمی تاریخ کے سٹیج پر متحرک اور ترقی کی راہ پر گامزن ہیں تجسیم کو محسوس کیا۔ لہٰذا اُس نے قدرتی طور پر خود کو عالمی انقلاب کا رہنما جانا۔

اختتامیہ

ماؤزے تنگ نے ۱۹۶۲ء کے اواخر میں اور ۱۹۶۳ء کے آغاز میں پالیسی کا جو رُخ متعین کیا وہی اب تک چینی پالیسی کی تہ میں کارفرما ہے۔ اس وقت جون ۱۹۶۶ء میں جب یہ کتاب چھاپے خانے میں بھیجی جا رہی ہے، بطور ایک فرد کے، ماؤ کے کردار کے بارے میں بہت بے یقینی پائی جاتی ہے۔ لیکن جب ہم یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ماؤ نے چین پر اور پوری دنیا پر کیا اثر ڈالا ہے تو اُس کے انفرادی کردار کے بارے میں سوال کسی قدر غیر اہم بن کر رہ جاتا ہے۔ پیکنگ میں نمودار ہونے والے تازہ ترین رجحانات کی دو توجیہات ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ رجحانات ایک عمر رسیدہ اور قریب المرگ شخص کی آخری کوششوں کا نتیجہ ہوں کہ وہ اپنی موت کے بعد ظاہر ہونے والے حالات کا رُخ متعین کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یا ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے جانشینوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی کی پہلی منزل ہو۔ مگر بہر حال جن حدود میں یہ سارے واقعات رونما ہوئے ہیں وہ خود ماؤ نے مقرر کی ہیں۔ اب اگر وہ اپنی موت یا بے عملی کے سبب چین کے منظر سے ہٹ بھی جائے تو چین کے حالات پر اس کا نشان دو صورتوں میں باقی رہے گا ایک تو یوں کہ چین کے موجودہ رہنما برسوں تک ماؤ کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ دوسرے یوں کہ جن مسائل سے انھیں عہدہ برا ہونا ہے وہ ماؤ ہی کی پالیسیوں کی پیداوار ہیں۔

اس پس منظر میں دیکھئے تو یوں نظر آئے گا کہ تاریخ میں ماؤ کا مقام اس بات سے متعین نہیں ہوگا کہ موجودہ زمانے میں اس کی سرگرمیاں کیا تھیں۔ دیکھا یہ جائے گا کہ اس نے کیا سیاسی اور نظریاتی ورثہ چھوڑا ہے اور مستقبل میں یہ ورثہ کیا کیا اثرات مرتب کر سکتا ہے۔ اس جائزے کے مطابق تاریخ میں اس کا مقام طے کیا جائے گا۔ مگر اسی کے ساتھ سوانح حیات میں یہ کوشش بھی ہونی چاہیے کہ اس نادر اور پیچیدہ شخص کی زندگی میں موجود انسانی ناٹک کو بھی سمیٹ کر پیش کیا جائے۔

پچھلے چند برسوں میں چین کی پالیسی نے جس طور پر نشو و نما پائی ہے اس پر غور کیا جائے تو بڑی حد تک جو ایک فکر غالب نظر آئے گی، وہ یہ ہے کہ چین کے اندر اور باہر سب پر ماؤ کے افکار اور اعمال کی جاری ساری معنی خیزی کیسے واضح کی جائے۔

ماؤ نے چین میں جو تجربہ کیا تھا اسے عالمی منظر میں منتقل کرنے کا رجحان سب سے پہلے اکتوبر ۱۹۶۳ء کے ایک اداریہ "نئی نوآبادیت کے وکیل" میں ظاہر ہوا۔ ماؤ نے ۱۹۲۷ء میں ہونان کی کسان تحریک کے بارے میں جو رپورٹ لکھی تھی اس رپورٹ سے بہت سی ملتی جلتی باتیں اس اداریے میں بھی موجود تھیں۔ اس لئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس اداریے کے لکھے جانے میں ماؤ کا بھی ہاتھ تھا۔ ۱۹۲۷ء میں ماؤ نے اعلان کیا تھا کہ رجعت پسندوں کی دانست میں ہونان میں حالات بہت ابتر تھے مگر انقلابیوں کے نقطۂ نگاہ سے حالات بہت اچھے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں اس نے کہا کہ ایک سچے انقلابی کو پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ قومی آزادی کی خاطر ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کی جنگوں کے بارے میں اس کے رویّے کو دیکھا جائے۔ اس نے لکھا کہ "اس زبردست انقلابی طوفان کو دیکھ کر سامراجی لرز رہے ہیں مگر دنیا کے انقلابی اس پر خوشی مناتے ہیں۔" سامراجی اور نوآبادیاتی طاقتیں کہتی ہیں "حالات ابتر ہیں"۔ مگر انقلابی کہتے ہیں "حالات بہت اچھے ہیں"۔ ۱۹۲۷ء میں کسانوں کے انقلاب کو بھی ماؤ نے طوفان اور سیلاب سے تشبیہہ دی تھی۔ "ایسا تند و تیز سیلاب، ایسا طوفان، ایسی بے پناہ قوت کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی اسے نہیں دبا سکے گی۔"

اس اداریہ میں، جس پر ماؤ کی گہری چھاپ ہے یہ بھی لکھا ہے:۔

"ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں برپا ہونے والے قومی آزادی کے انقلاب آج کی سب سے

اہم طاقتیں ہیں جو سامراج پر براہ راست ضربیں لگا رہی ہیں۔ دنیا کے سارے تضادات ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔

عالمی تضادات اور عالمی سیاسی جدوجہد کا کوئی معین مرکز نہیں ہوتا، بلکہ بین الاقوامی جدوجہد اور انقلابی صورت حال میں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ یہ مرکز اپنا مقام بدلتا رہتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب مغربی یورپ اور شمالی امریکہ میں پرولتاری طبقہ اور بورژوا طبقہ کے درمیان آویزش بڑھ جائے گی اور تضاد ابھرے گا، تو وہ تاریخی دن آن پہنچے گا جب سامراج کے گھروں، اُن کے اپنے ٹھکانوں کے اندر جنگ برپا ہو گی۔ جب وہ دن آئے گا تو اس وقت یقینی طور پر مغربی یورپ اور شمالی امریکہ عالمی سیاسی جدوجہد اور عالمی تضادات کا مرکز بن جائیں گے۔"

سرپرستانہ انداز میں یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ یورپ شاید پھر ایک مرتبہ اہم انقلابی کردار ادا کرے گا۔ ماؤ کو اس بات پر یقین نہیں تھا کہ سوویت یونین کے لوگ یا یورپ اور امریکہ کے پرولتاری بھی ایشیا اور افریقہ کے کم خوش قسمت لوگوں کی حمایت کی خاطر اپنا اطمینان اور سکون قربان کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ اس کے برعکس بات کہہ دیتا ہے اور مارکس کے طبقاتی تجزیے پر لفظی یقین کا اظہار بھی کرتا ہے لیکن یہ ماننا مشکل ہے کہ وہ خلوص سے یہ بات کہتا ہے۔

ماؤ کی نظر میں اس کی اپنی فکر اور اس کا تجربہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے انقلابیوں کے لئے دو اعتبارات سے معنی رکھتا ہے۔ چین جس انقلابی جنگ کے ذریعے تسخیر ہوا تھا اُس کا دارومدار دیہاتی آبادی پر تھا۔ یہ بات قومی آزادی کی ان تحریکوں کے لئے بھی مثال بن سکتی ہے جو مختلف ملکوں میں فروغ پا رہی ہیں اور پھر یہ بات سامراج کے خلاف جنگ میں انقلابی حکمتِ عملی کی مثال بھی فراہم کر سکتی ہے۔ اس نکتہ کو لن پیاؤ نے اپنے ۱۹۶۵ء والے مقالے "عوامی جنگ کی فتح زندہ باد" میں بہت وضاحت سے اور قطعی طور پر بیان کیا ہے۔ دوسری طرف لن پیاؤ نے یہ بھی جتایا ہے کہ ماؤ نے تیس ۳۰ سال پہلے عوامی جنگ کا جو تصور وضع کیا تھا وہ آج کل ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے مظلوم عوام کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے چند دن پہلے ماؤ کے ۱۹۳۸ء والے اس مقالے کے مکمل متن کی دوبارہ اشاعت کے ساتھ — جس میں جاپان کے خلاف چھاپہ مار جنگ کی حکمتِ عملی سے بحث کی گئی تھی۔ جو ادارتی نوٹ شائع ہوا تھا اس میں بھی وہی بات جتائی گئی

جو لِن پیاؤ نے کہی تھی۔ لیکن لِن پیاؤ نے اس کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کی کہ چین کے اس تجربے کو عالمی سطح پر منتقل کیا جائے۔ اس نے ہمیں یاد دلایا کہ انقلاب کا آغاز روس کے برعکس چین کے اندر دیہاتوں سے ہوا تھا۔ اور یہ انقلاب آخر شہروں میں جا کر فتحیاب ہوا۔ اسی طرح آج کل مجموعی طور پر عالمی انقلاب کے مقصد کا انحصار ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ جو دنیا کے پسماندہ اور دیہاتی علاقے ہیں، کے عوام کی جدوجہد پر ہے۔

چینی رہنماؤں کی یہ عادت ہے کہ اپنے تجربے کی عینک سے پوری دنیا کو دیکھتے ہیں۔ لِن پیاؤ کے ہاں یہ عادت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہم ایک ایسی صدی سے گزر چکے ہیں جس میں ہر یورپی نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اور اُن تصورات کے حوالوں سے جو مختلف تہذیبی اور تاریخی حالات کے ذریعے صورت پذیر ہوئے ہیں، ایشیا والوں کو، صحیح یا غلط طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بعض یورپ والوں نے یہ کوشش کی کہ ایشیا میں پارلیمانی جمہوریت کا پودا لگایا جائے۔ بعض نے پرولتاری آمریت ان کے سر منڈھنے کی کوشش کی۔ مگر ان دونوں سیاسی صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ایشیائی حالات سے ہم آہنگ نہیں تھی۔ آج کل یوں نظر آتا ہے جیسے ہم ایسی صدی سے گزر کر جس میں یورپ نے ایشیا کو غلط سمجھا تھا اُس دوسری صدی میں داخل ہو رہے ہیں جس میں ایشیا یورپ کو غلط سمجھ رہا ہے۔
چین کے اُس تجربے کے حوالے سے جسے ماؤ نے بارہا مخصوص اور منفرد تجربہ گردانا ہے، اب ماؤ یہ اعلان کرتا ہے کہ انقلاب لانے کے لئے مسلح جدوجہد ناگزیر ہے اور وہ یورپ اور امریکہ کے کامریڈوں کو جو دوسرے طریقوں سے انقلاب لانا چاہتے ہیں حقارت کی نظر سے رد کر دیتا ہے۔ جس طرح سے امریکہ نے اکثر یہ چاہا ہے کہ دوسری سرزمینوں اور براعظموں کے لوگ امریکہ کے رستے پر چل کر آزادی حاصل کریں، اسی طرح ماؤ اس بات پر مصر نظر آتا ہے کہ دنیا کی قومیں چین کے رستے پر چل کر انقلابی بنیں۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ امریکہ کی کوشش کی طرح یہ کوشش بھی ناکام ہو کر رہے گی۔

اگر ماؤ پوری دنیا کو چین کے واسطے سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ ہر دوسرے فرد کی طرح وہ بھی زندگی کو اپنے تجربے کی عینک سے دیکھتا ہے۔ اس کے رویے کی تہ میں چین کی تہذیب کے اس کردار کو بھی دخل ہے، جو اس کے رفقا کے مطابق اُسے دنیا میں ادا کرنا ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ چینی اپنے ملک کو دنیا میں مرکزی حیثیت کا حامل سمجھتے ہیں اور اب

جب یہ کتاب ختم ہو رہی ہے یہ تصور اپنی جگہ قائم ہے۔ہم نے جوانی کے دنوں میں ماؤزے تنگ کی یہ جھلک دیکھی تھی کہ وہ یورپ والوں کے ہاتھوں چین کی ذلت پر نوحہ کناں تھا اور اپنے دیس والوں کو اکٹھا کر رہا تھا تاکہ وہ مضبوط بن کر غیر ملکیوں کا مقابلہ کر سکیں۔اور اب جب کتاب کا اختتام قریب ہے تو نقشہ یہ ہے کہ ماؤ روس کے چین دشمن وطیرے کی مذمت کر رہا ہے۔اور اعلان کر رہا ہے کہ سامراجیوں کے ایٹم بموں کے باوجود مسلح عوام کی کامیابی ناگزیر ہے۔یہ صحیح ہے کہ اب چین کی اور ماؤ کی کیفیت آج سے نصف صدی پہلے کی صورت حال سے بہت مختلف ہے۔اب چین دنیا کو جس راستے پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے وہ کنفوشس کا راستہ نہیں بلکہ ماؤزے تنگ کا راستہ ہے۔مگر اس کے باوجود ماؤ کی اوائل عمری کے چین کی سیاسی اور ذہنی فضا اور آج کے چین کی فضا میں ایک گہری مشابہت نظر آتی ہے۔یوں کہ چین والے تب بھی اور اب بھی یہی سمجھتے رہے ہے کہ ان کا طریق مخصوص طور پر چینی بھی ہے اور آفاقیت کا حامل بھی۔

انفرادیت اور آفاقیت کے اس دوہرے نمائشی دعوے کی حقیقت اُس وقت خاص طور پر نمایاں ہوتی ہے جب ماؤزے تنگ کے افکار کے سلسلے میں دعوے کئے جاتے ہیں۔اس سوانح میں ہم دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ چینی انقلاب کے نظریئے اور عمل نے پچھلے چالیس برس میں ماؤ کے اثر کے تحت نشوونما پانے میں کس طرح مختلف اعتبارات سے لینن کے مروجہ افکار سے انحراف کیا ہے۔اس کے باوجود جو مفکرین پیکنگ میں موجود ہیں، یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ چالیس برس کے انقلابی فکر و عمل کی یہ تاریخ مروجہ اور مسلمہ انقلابی فکر و عمل کی تاریخ ہے۔چنانچہ منتخب تصانیف کے پرانے اڈیشن کو، جو اُس زمانے کی تحریر ہے جب ماؤ باقی تمام چینی لیڈروں سے بڑھ چڑھ کر اس خیال کا حامی تھا کہ چیانگ کائی شیک ہی قومی انقلاب کا اصل رہنما ہے، دوبارہ تحریر کیا گیا ہے حتیٰ کہ اب یہ تحریر چین میں کمیونسٹوں کی قیادت پر ماؤ کے انتہا پسندانہ اصرار کا اظہار بن گئی ہے۔اس دلیرانہ تحریف اور جعل سازی کی ایک سیدھی سادی وجہ ہے۔اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ماؤ کسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور اس کے افکار میں زمانۂ آغاز سے اب تک صحت اور یک رنگی چلی آرہی ہے۔لیکن ماضی کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی اس کوشش سے اس وسیع تر مقصد کی تکمیل بھی ہوتی ہے کہ چینی انقلابیوں کے فکر و عمل کی انقلابی مسلمات سے ہم آہنگی کا اور یوں اس کی آفاقی اہمیت کا ثبوت

بھی فراہم کیا جائے۔

اس رجحان کا خاص طور پر لن پیاؤ کے اس مضمون میں اظہار ہؤا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس میں ہمعصر عالمی انقلاب کی تصویر یوں پیش کی گئی ہے کہ گویا دنیا کے دیہی علاقوں (ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ) نے دنیا کے شہروں (شمالی امریکہ اور مغربی یورپ) کو نرغے میں لے رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لن پیاؤ بار بار یہ بھی جتاتا ہے کہ جیسے انقلاب اکتوبر میں زور دیا گیا تھا، ماؤزے تنگ کا طریق اب بھی یہی کہتا ہے کہ قیادت پرولتاریوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ بے شک یہ خیال لینن کے مُسلّمہ نظریات کے عین مطابق ہے کہ زرعی ممالک میں حالانکہ کسانوں کا طبقہ ہی اصل انقلابی طاقت ہوتا ہے تاہم اس کی زمام قیادت مزدوروں کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب انقلابی عمل کے فیصلہ کن مراحل پرولتاری طبقہ کی آماجگاہوں یعنی شہری علاقوں سے دُور انجام پا رہے ہوں تو مزدوروں کی قیادت کے معنی ٹھوس صورت میں کیا ہوں گے۔ لہٰذا یہ صاف ظاہر ہے کہ لن پیاؤ نے اس مُسلّمہ کلیئے کو محض یہ ثابت کرنے کی خاطر استعمال کیا ہے کہ چینی انقلاب صحیح معنوں میں اشتراکی انقلاب ہے اور اس لئے چین دنیا بھر کے سچے انقلابیوں کا مرکز و محور ہے۔

چینی مورخوں نے جس طرح اپنے ملک کو ماضی کے مختلف درجات اور زمروں میں رکھا ہے اس سے بھی یہ ثابت کرنے کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ چین اپنی جگہ منفرد بھی ہے اور آفاقی حیثیت کا حامل بھی۔ مارکس کے "ایشیائی طریق پیداوار" کے نظریئے، جس میں ایشیائی تہذیب کی کمتری کے پہلو کی نشاندہی مضمر تھی، اور سٹالن کے نظریئے جس کے مطابق روائتی چین محض "جاگیردارانہ" تھا اور یوں ارتقاء کی منازل میں اُن ممالک جیسا تھا جن میں ایسا ہی نظام رائج تھا — ان دونوں نظریات کو رد کرتے ہوئے پیکنگ کے مؤرخ اب یہ دعوے کرتے ہیں کہ چین کی سلطنت میں محض ایشیائی جاگیردارانہ نظام مروج تھا جو بہت اعتبارات سے یورپی جاگیردارانہ نظام سے علیحدہ امتیازی رنگ کا حامل تھا۔ پس عہدِ ماضی کا چین آفاقی تاریخ کا حصہ بھی تھا اور امتیازی اور برتر حیثیت کا حامل بھی، اسی طرح جیسے آج کل چین مارکس اور لینن کے فلسفہ کی آفاقی صداقت سے، جو اس فلسفے کے چینی رنگ روپ میں بھی موجود ہے، مثالی طور پر وفادار بھی ہے اور ساتھ ساتھ عالمی ترقی میں بھی پیش پیش ہے۔ ماؤ کا فکر و عمل "مکمل طور پر مارکسی" ہے لیکن ساتھ ساتھ "مکمل طور پر چینی بھی ہے۔ یوں سمجھیئے کہ اس کا فکر و عمل" چین کی قومی دانش و حکمت

کا بہترین اظہار ہے۔ اس فکر و عمل کا وصف محض اتنا نہیں ہے کہ وہ ایک ساتھ مارکسی اور چینی ہے بلکہ وہ اس وجہ سے زیادہ مارکسی ہے کیونکہ بنیادی طور پر چینی خاصیت لئے ہوئے ہے۔ آفاقیت کے اسی دُہرے دعوے کے بل پر چین اپنے نظریاتی اعلانات میں خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتا ہے اور نتیجتاً پرجوش بھی ہے۔

چین کے انقلابی تجربے اور اُس مثال کے ساتھ جو چین نے باقی ملکوں کے لئے قائم کی ہے جس چیز نے ایشیا اور افریقہ میں چین کی ساکھ بنائی ہے وہ یہ ہے کہ ماؤ نے ملک کو جدید سانچے میں ڈھالنے اور مضبوط و مستحکم بنانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ۱۹۵۸ء سے چین کی اقتصادی ترقی کا اسلوب یہ بن چکا ہے کہ قیمتی مشینوں کی بجائے وہاں آدمیوں کی طاقت اکٹھا کرنے پر زور دیا جاتا ہے اور بڑے پیمانے کی صنعتوں کے ساتھ ساتھ روایتی دستکاریوں کو جوڑنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ یہ ایسا اسلوب ہے جسے دوسرے غیر یورپی ممالک آسانی سے موزوں اور مناسب تصور کر سکتے ہیں۔ پھر بغیر کسی غیر ملکی امداد کے ایٹم بم تیار کر لینا اور اس قسم کے دوسرے قابلِ فخر اور حقیقی کام سرانجام دینا ایسے کارنامے ہیں جن کا دوسرے ممالک پر اثر سمجھ میں آتا ہے۔ دوسری طرف صورت یہ ہے کہ چینی معیشت کی صورتِ حال کا درست اور مکمل اندازہ لگانا سخت مشکل کام ہے۔ اس لئے کہ اس بارے میں قطعی حقائق کا سرے سے فقدان ہے۔ ۱۹۶۰ء کے بعد سے پیکنگ سے بھی کسی قسم کے قطعی اعداد و شمار شائع نہیں ہوئے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں موجود ماہرین جو فراہم ہونے والے شواہد کو جوڑ کر نتائج مرتب کرتے ہیں، اس بارے میں اُن لوگوں سے بھی زیادہ بے چینی کا شکار ہیں جنھوں نے اب سے پندرہ برس قبل سوویت معیشت پر کام کیا تھا، اور جنھیں خود روس کے بارے میں غیر واضح اعداد و شمار میسر تھے۔ اس بارے میں چند موٹی موٹی عمومی باتیں بہر حال کہی جا سکتی ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ چینی معیشت کی واحد بڑی کمزوری اُس کا زرعی سیکٹر ہے۔ سوویت روس والوں نے اب سے تیس برس پہلے اپنے ملک کے کسانوں سے جس طرح نپٹا تھا اس کے مقابلے میں ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے کہیں زیادہ ہوشیاری اور کامیابی سے کسانوں کے معاملات طے کئے ہیں۔ چینی کسانوں نے اجتماعی کاشت کے منصوبے کے خلاف مزاحمت تو ضرور کی لیکن اس کے باوجود یہ منصوبہ خاصی خوش اسلوبی سے پروان چڑھا اور چین میں سوویت روس کے مقابلہ میں کم مصائب برداشت کرنے پڑے اور کم جانوں کی قربانیاں دی گئیں۔ چین کے رہنماؤں نے اس میدان میں بہت دور اندیشی

کا ثبوت دیا تھا، مگر بعد ازاں انہوں نے بھی جھم جوئی کی ٹھانی اور بغیر سوچے سمجھے کمیون قائم کرکے دیہاتی طبقے میں بہت افراتفری پھیلا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چینی معیشت اور آبادی تباہی کے قریب پہنچ گئی۔ ۱۹۵۷ء میں اناج کی پیداوار اٹھارہ کروڑ ستر لاکھ میٹرک ٹن کے قریب تھی، اور یہ اعداد و شمار ۱۹۳۷ء سے پہلے کے زمانے کی اوسط پیداوار کے نزدیک تھے۔ ۱۹۵۸ء کی فصل شاید چین میں سب سے اچھی فصل تھی، اس لئے کہ اس فصل پر موسم گرما میں تنظیم و نسق کی کایا پلٹ کے پورے اثرات نہیں پڑے تھے لیکن اچھی فصل ہونے کے باوجود فصل اتنی نہیں ہوئی جتنا شروع میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ شروع میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ فصل کی مقدار سینتیس کروڑ پچاس لاکھ ٹن ہوگی۔ اس خیال پر بعد ازاں اگست ۱۹۵۹ء میں نظرثانی کی گئی اور یہ اندازہ لگایا گیا کہ فصل کی مقدار پچیس کروڑ ٹن ہوگی۔ لیکن اصل پیداوار ان دونوں اندازوں سے کم نکلی اور اس کی مقدار تقریباً بیس یا اکیس کروڑ ٹن تھی۔ آگے چل کر فصل کی پیداوار میں مزید کمی واقع ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں پیداوار کی مقدار گرتے گرتے پندرہ کروڑ ٹن پر آگئی۔ لیکن ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۴ء میں حالت کسی قدر سنبھل گئی اور بیس کروڑ ٹن کی مقدار میں پیداوار ہوئی۔ آبادی میں اضافے کے پیش نظر اس مقدار میں پیداوار ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ فی کس خوراک جنگ سے پہلے کے چین کی فی کس خوراک سے بھی قدرے کم تھی۔ جن برسوں میں حالات بدترین ہوگئے تھے ان میں فی کس کیلوریز کی مقدار ڈیڑھ ہزار یومیہ سے بھی نیچے پہنچ گئی تھی۔ لیکن لوگ فاقوں مرنے سے صرف اس لئے بچ گئے تھے کہ راشننگ کا نظام بہت اچھا تھا۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ زرعی معاملہ میں چینیوں کے سوویت روس کے طریقہ سے یکے بعد دیگرے ہر دو صورتوں میں انحراف کے باوجود نتیجہ چین میں بھی وہی برآمد ہوا جو سوویت روس میں ہوا تھا۔ یعنی پیداوار کم و بیش اسی سطح پر آکر اٹک گئی جس پر انقلاب سے پہلے معمول کے مطابق ہوا کرتی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۲ء کے بعد کے برسوں میں زراعت کی بحالی کے لئے جو اقدامات کئے گئے ان کی بدولت چینی پالیسی سوویت روس کی زرعی پالیسی کے بہت قریب آگئی تھی۔ اقدامات یہ تھے کہ نجی زرعی قطعوں کو جنھیں کمیونوں کے پہلے مرحلے میں یکسر ختم کر دیا گیا تھا دوبارہ قائم کیا گیا اور پیداوار کو ایک مرکز کے تحت لانے کے سلسلے کو ختم کر دیا گیا۔ یہ اقدام سوویت روس کے اس طریقہ کے مماثل ہے جسے 'کول خوز' کہا جاتا ہے۔

البتہ صنعت کے میدان میں جو کام انجام دیئے گئے ان کی اہمیت مختلف تھی۔ "ترقی کی سمت جست" کی مہم کے زمانے میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ سب اطراف میں سارے وسائل استعمال کر کے یکدم پیداوار میں اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن اس کے لئے مرکزی سطح پر جس منصوبہ بندی کی ضرورت تھی کہ مختلف مساعی اور سرگرمیاں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں وہ کافی حد تک نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان ساری مساعی میں بہت مشکلات پیش آئیں، اور بدنظمی کا دور دورہ ہوا، پھر یہ بھی ہوا کہ ۱۹۶۲-۶۰ء کے غذائی بحران کے باعث صنعت سے توجہ ہٹا کر زراعت پر زور دینے کی ضرورت پیش آئی۔ ان دو اسباب کی بنا پر صنعتی پیداوار کو سخت دھچکا پہنچا۔ بعض مصنفین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ وہی صورتِ حال ہے جو سرمایہ دار ملکوں میں سرد بازاری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ صنعتی پیداوار کی سطح ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء کے آغاز میں اونچی اٹھتی چلی جا رہی تھی، لیکن اب اچانک ۱۹۵۷ء کی پیداوار کی سطح سے بھی نیچے چلی گئی ہے۔ ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء میں زیادہ متوازن معیشت کی تشکیل کے لئے اقدامات کیے گئے ان اقدامات کے تحت زراعت کو معیشت کی بنیاد قرار دیا گیا اور بھاری صنعتوں کو محرک عوامل میں شمار کیا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں ان اقدامات کے نتائج برآمد ہوئے اور صنعتی پیداوار میں پھر اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن موجودہ پیداوار میں اضافے کی رفتار پہلے پنج سالہ منصوبے کے زمانے کی رفتار سے بھی کم تھی اور اگر "ترقی کی سمت جست" کی خاطر دوسرے پنج سالہ منصوبے سے دستکش نہ ہوا جاتا تو پیداوار مزید کم ہو جاتی۔

چین نے بعض ٹھوس کام بھی سرانجام دیئے۔ مثلاً فولاد کی پیداوار بھارت کے مقابلے میں چین میں دُگنی تگنی ہو چکی ہے، حالانکہ دونوں ملکوں نے انتہائی پست حالت سے آغاز کیا تھا۔ پھر چین نے ایٹم بم بنانے کی استطاعت حاصل کی اور صرف ایٹم بم ہی نہیں اس کے ساتھ اور بہت سا دوسرا سامان مثلاً ٹرک، ڈیزل انجن، بھاری مشینیں اور سائنسی کل پرزے تیار کرنے کا سلسلہ بھی پیدا کیا اور یہ وہ سامان ہے جو ایشیا اور افریقہ کے زیادہ تر ممالک باہر سے درآمد کرتے ہیں۔

چین کی معیشت کے بارے میں جو معلومات دستیاب ہیں، اتنی غیر واضح اور ناکافی ہیں کہ کوئی مبصر بھی اُن کی کامیابیوں یا ناکامیوں، ان کے نتائج یا اُن نتائج کو حاصل کرنے کی خاطر جو قیمت ادا کرنی پڑی ہے، ان سب حقائق میں سے جسے چاہے اپنی مرضی کے مطابق ترجیح دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایشیا اور افریقہ کی ہر حکومت کا اپنا نقطۂ نظر ہے جس کا انحصار کچھ تو اُن حکومتوں کے اپنے اپنے سیاسی رجحانات پر ہے اور

کچھ اس بات پر ہے کہ چین کی تہذیبی تبادلہ اور ٹیکنیکل اور اقتصادی امداد کے ذریعے تعلقات استوار کرنے کی پالیسیوں سے انھیں کیا فیض پہنچ سکتا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو چین کا اثر و رسوخ کافی ہونے کے باوجود ڈیڑھ سال پہلے کے اثر و رسوخ کے مقابلے میں کم ہو گیا ہے۔ روس کے چین کے ساتھ اور ایشیا اور افریقہ کے دوسرے ممالک کے ساتھ غیر دانشمندانہ رویّے اور دوسرے ممالک کی نسبت محکوم قوموں کے قائد اور وکیل کی حیثیت سے چین کی فطری برتری کے پیشِ نظر یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ چین کا اثر و رسوخ اور بڑھ جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک سبب یہ ہے کہ اقتصادی امداد فراہم کرنے کی جتنی صلاحیت روس میں ہے اتنی چین میں نہیں ہے۔ حالانکہ اس سبب کی اپنی وقعت ہے تاہم اسے استحقاق سے زیادہ وقعت نہیں دی جا سکتی۔ عملیات اور قرضے بڑی قدر و قیمت رکھتے ہیں لیکن چین کو یہ برتری بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے تجربے کی بنا پر ترقی پذیر ممالک کو اقتصادی اور معاشرتی مسائل سے نپٹنے کے لئے تکنیکی امداد فراہم کر سکتا ہے۔ اگر پیکنگ نے اس صورتِ حال سے فائدہ نہیں اٹھایا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دنیا کے سامنے چین کا جو تصور قائم ہو رہا تھا وہ اقتصادی مشکلات کے باعث ماند پڑ چکا ہے۔ شاید اس سے بھی اہم وجہ وہ نفسیاتی اور تہذیبی اختلافات ہیں جو ایشیا اور یورپ کے درمیان بھی موجود ہیں اور افریشیائی دنیا کے اندر بھی۔ چینی ماہرین کے کٹڑ اور سنجیدہ رویّے نے انھیں عوام سے، جن کے درمیان وہ کام کرتے ہیں، اُسی طرح بیگانہ اور ناقابلِ فہم بنا دیا ہے جس طرح روسیوں کی بشنگی اور ایجازنے اور امریکنوں کے اسراف اور اتلاف نے انھیں دنیا کے لئے ناقابلِ فہم بنا رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماؤ کی دائمی سامراج دشمنی کے رویے کے باعث، بلکہ اُس کی اُن لوگوں سے مستقل عداوت کے باعث بھی جنھیں وہ سامراجیوں کی اولاد سمجھتا ہے ایشیا اور افریقہ کے بہت سے رہنماؤں کو تشویش ہے۔ ۱۹۶۵ء کے اواخر میں چینیوں نے خود بہت سے شکوک کی بنیاد ڈالی، یوں کہ ایک طرف انہوں نے پاک بھارت جنگ میں بھارت سے نہایت مخاصمانہ سلوک روا رکھا، اور دوسری طرف لوگوں نے انھیں انڈونیشیا کے ناکام انقلاب میں واضح طور پر شریک پایا۔

چین کی انڈونیشیا میں مداخلت ایسی غلطی ہے، جو ناقابلِ فہم ہے۔ تاہم پاکستان اور بھارت کی جنگ میں چین نے جو پالیسی اختیار کی وہ ماؤ کے مقاصد کے پیشِ نظر بالکل درست تھی۔ ایک طرف تو یہاں اس کا مدعا یہ تھا (جو ۱۹۶۲ء میں بھی تھا) کہ بھارت میں سیاسی انتشار پیدا کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ یہ ملک

بہر طور سامراجیوں کا دستِ نگر ہے۔ اور اس طرح بھارتی طرز کی غیر جانبداری کا پول کھولا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۵ء کے دوران میں چین کی مداخلت کا ایک اور سبب بھی تھا۔ چین اس جھگڑے کو طول دینے کا اس لئے خواہش مند تھا کہ اس سے بین الاقوامی نظم کو کمزور کرنے کے بڑے مقصد کو تقویت پہنچتی تھی۔ ماؤ کی نظر میں موجودہ بین الاقوامی نظم بنیادی طور پر رجعت پسندانہ ہے، اس لئے کہ یہ امریکہ اور روس کے اُن دفاعی اقدامات پر مبنی ہے جو انہوں نے حالات کو جوں کا توں قائم رکھنے کے لئے کئے ہیں۔

ماؤ کی یہ روش، اُس کے چھاپہ مار جنگ کے تجربے اور چین اور امریکہ کے درمیان آویزش کے پیشِ نظر قطعی درست تھی۔ لیکن جیسے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، اس روش کی بنیاد پر ایشیائی اور افریقی ممالک سے دوستانہ مراسم پیدا نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے کہ نو آزاد ممالک کے رہنما سامراج کے خلاف زبانی جدوجہد تو کر سکتے ہیں، لیکن جنگ کا خطرہ مول لینے پر رضامند نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اسی لئے پاک بھارت جنگ میں روس نے اپنی نہج کی بدولت جس کا نقطۂ عروج اعلانِ تاشقند تھا، پیکنگ کے مقابلے میں زیادہ فائدہ اٹھایا اور غیر یورپی ممالک میں اپنی ساکھ بنا لی۔

روس نے حالات کو جوں کا توں رکھنے کی خاطر جو کارروائی کی اس پر قدرتی طور پر پیکنگ والوں نے بہت واویلا کیا۔ انہوں نے روس پر غداری اور امریکی سامراج سے گٹھ جوڑ کرنے کے الزامات عائد کئے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ چینی خود اصولوں کے معاملہ میں سمجھوتہ بازی کے مستقلاً اور سختی سے مخالف ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی انقلابی خطابت سے آدمی یہی نتیجہ نکالتا ہے

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایشیا اور افریقہ "عالمی تضادات" اور "عالمی انقلاب کے طوفانی مراکز" ہیں، ماؤ اور اس کے ساتھیوں کو یہ یقین ہے کہ وہ ان براعظموں کے انقلابیوں کی مدد سے بالآخر سامراجی نظام کا تختہ الٹ دیں گے۔ لیکن فی الوقت چین میں اتنی سکت نہیں ہے کہ امریکہ کی طاقت سے عالمگیر پیمانے پر نبرد آزمائی کرے۔ چینی فوج کے رہنما اس حقیقت کو واضح طور پر تسلیم کرتے ہیں، اور یہی حقیقت ان کی فوجی حکمتِ عملی کی بنیاد بھی ہے۔ اس کی توثیق یوں بھی ہوتی ہے کہ چین نے انتہائی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ویت نام کی جنگ میں براہِ راست حصہ نہیں لیا۔

اس کا اندازِ فکر یہ ہے کہ سامراجی جن تضادات کا شکار ہیں ان سے ہر صورت فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور ان سب ملکوں کو جو سوشلسٹ کیمپ سے اور سب سے بڑے سامراج یعنی امریکہ کے مابین ایک درمیانی

منطقہ میں بھٹک رہے ہیں وسیع بنیادوں پر ایک متحدہ محاذ کی صورت میں اکٹھا کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ ماؤ کی دانست میں روس اب اس جدوجہد میں شامل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس دنیا پر غلبہ کی خاطر امریکہ سے سمجھوتہ بازی کر رہا ہے، اس لئے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کے مفادات کے پیشِ نظر سفارتی اور انقلابی حکمتِ عملی وضع کرنا اب چین کی ذمہ داری ہے۔

لہٰذا قومی آزادی کے لئے لڑی جانے والی جنگوں کی حمایت کی انقلابی پالیسی کے ساتھ ساتھ ایک حکمتِ عملی یہ بھی وضع کی گئی کہ نہ صرف ایشیا اور افریقہ کے غیر جانبدار ممالک سے دوستی رکھی جائے بلکہ فرانس ایسی سامراجی حکومتوں کی بھی، جب وہ اپنی قومی آزادی کو برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہوں، حمائت کی جائے۔

ماؤ بیشک دوسری قوموں کی سامراج دشمن جنگوں کے ساتھ تہ دل سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیتا ہے، تاہم اُس کی اصل اور بنیادی وابستگی چین کے مستقبل سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماؤ کی دانست میں چین کا داخلی ارتقا بھی فیصلہ کن بین الاقوامی اہمیت اختیار کرنے کی منزل پر آ چکا ہے۔ ماؤ سمجھتا ہے کہ چونکہ سوویت یونین نے ترمیم پسندی کی راہ اختیار کر لی ہے اور دوبارہ سرمایہ داری کو اپنا لیا ہے، لہٰذا اب چین ہی صحیح معنوں میں بڑی اشتراکی طاقت ہے۔ اور چینیوں کی عالمگیر پیمانے پر مکمل فتح کی سب سے بڑی ضمانت اُن کی نظریاتی پاکیزگی اور اُن کے مضبوط ارادے ہیں۔

پس اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ چین اپنا "رنگ نہ بدلے"۔ یعنی اس کا سیاسی کردار تبدیل نہ ہو۔ اور اس خطرے کی روک تھام کا یہ طریقہ سوچا گیا ہے کہ جدوجہد کے سابقہ مراحل سے جو ٹھوس سبق حاصل ہوتے ہیں، انھیں ان نوجوانوں کے ذہن نشین کرایا جائے جو ۱۹۴۹ء کی کامیابی کے بعد جوان ہوئے ہیں۔

جون ۱۹۶۴ء میں چینی اشتراکیوں کی یوتھ لیگ کانگریس کے نویں جلسہ کے پیشِ نظر بھی یہی مسئلہ تھا کہ انقلابیوں کی بچے بعد دیگرے آنے والی نسلوں کو کیسے تربیت دی جائے۔ ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ء کو روس میں ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس کے جواب میں چین کی طرف سے ۹ مضمون لکھے گئے۔ ان میں سے آخری مضمون روسی مقالے کی سالگرہ کے موقع پر شائع ہوا تھا اور نہایت زوردار مضمون تھا۔ اس کا عنوان "خروشچیف کی نقلی اشتراکیت اور دنیا کے لئے اس کے تاریخی نتائج" تھا۔ اس مضمون میں متذکرہ بالا

مسئلے پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی تھی اور ماؤ سے یہ نقطۂ نظر منسوب کیا گیا تھا کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان جدوجہد کا نتیجہ حاصل کرنے میں بہت مدت درکار ہوتی ہے۔" دس بیس سال میں نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ کامیابی کی صورت صدیوں کے بعد نظر آتی ہے"۔ اس مدت میں پرولتاری آمریت کو برقرار رکھنے اور مضبوط بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مضمون میں ایک عبارت ماؤ سے منسوب کی گئی ہے اور اقتباس کے طور پر نقل کی گئی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"طبقاتی جدوجہد"، "پیداوار کے لئے جدوجہد" اور "سائنسی تجربہ" —— یہ تین عظیم انقلابی تحریکیں ہیں جن کی مدد سے طاقتور اشتراکی ملک کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ یہ تحریکیں اس بات کی ضمانت ہیں کہ اشتراکی لوگ افسر شاہی سے مبرا اور ترمیم پسندی اور قطعیت پسندی سے محفوظ رہیں گے اور ہمیشہ کے لئے ایک ناقابلِ شکست طاقت بن جائیں گے۔ یہ تحریکیں اس بات کی بھی قابلِ اعتبار ضمانت ہیں کہ پرولتاری طبقہ تمام محنت کش عوام کے ساتھ اتحاد قائم کرے گا اور جمہوری آمریت کو قابلِ حصول بنائے گا۔ اگر یہ تحریکیں کامیاب نہ ہوئیں اور زمینداروں، امیر کسانوں، انقلاب دشمنوں، بدکرداروں اور ہر طرح کے شیطانوں کو سر اٹھانے کا موقعہ مل گیا، اور اگر اس کے ساتھ ہمارے کارکنوں نے بھی اس ساری صورتِ حال سے چشم پوشی اختیار کی اور اپنے اور دشمن کے درمیان امتیاز نہ برتا بلکہ اس کے برعکس دشمن کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا اور بے ایمان اور بددیانت ہو گئے، تو پھر قومی سطح پر بالآخر انقلاب کے احیاء کی خاطر کئی برس، بلکہ کئی عشرے درکار ہوں گے۔ اور اس دوران میں مارکس اور لینن کے فلسفے کے پیروکار یا تو ترمیم پسندی اختیار کر لیں گے یا فسطائی جماعت کا روپ دھار لیں گے۔ نتیجے کے طور پر پورے چین کا رنگ ہی بدل جائے گا۔"

ماؤ کی دانست میں اس قسم کی تبدیلی کی روک تھام کا موثر طریقہ صرف یہ ہے کہ" لاکھوں کی تعداد میں نوجوانوں کو ایسی تربیت دی جائے کہ وہ انقلاب کی امانت کے وارث قرار پائیں اور پرولتاری انقلاب کے مقصد کو لے کر آگے بڑھیں"۔ لیکن ماؤ کی نظر میں صحیح وارث صرف وہ ہو سکتے ہیں جنھوں نے اُس کے اپنے فکر و عمل سے روشنی حاصل کی ہو۔

یہاں آکر ہم ماؤ زے تنگ کے افکار کی پرستش کے مسلک سے دوچار ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلک، جیسے کہ ہم دیکھ چکے ہیں، ۱۹۴۵ء سے فروغ پا رہا ہے، تاہم حالیہ زمانے میں اس نے کچھ ایسی حیثیت اختیار کر لی ہے جو اس سے پہلے علم میں نہیں آئی تھی۔ اس سلسلہ میں دو بڑے

ادوار کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور سنہ ۵۹-۱۹۵۸ء کا ہے جب "ترقی کی خاطر جست" کی مہم جاری تھی اور دوسرا سنہ ۱۹۶۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ ان دونوں ادوار کے چند خصائص مشترک ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ دونوں دَور ایسے ہیں جن میں ماؤ نے مخصوص طور پر ایسی پالیسیوں کی وکالت کی جو براہِ راست اس سے منسوب کی جاتی ہیں اور جنھیں اس کے ساتھیوں نے بالعموم آفاقی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ پھر دونوں ادوار میں یہ بھی ہوا کہ ماؤ کے افکار کی خاطر کی جانے والی نظریاتی جدوجہد نے انحراف پسندوں اور نظریاتی طور پر بے اعتنائی برتنے والوں کے خلاف سیاسی جنگ کی صورت اختیار کر لی۔

"عظیم جست" کے دوران میں اس مسلک کی پیروی کے سلسلے میں انتہا پسندی کے کچھ ایسے مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے جو ہر حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی ایک مخصوص مثال ملاحظہ فرمائیے:-

"جسے میں ایمان کہتا ہوں وہ ماؤ کے عقائد پر ایمان ہے اور اس ایمان کو راسخ ہونا چاہئے۔ چین کی انقلابی جدوجہد اور اشتراکی تعمیر کے دوران میں حاصل ہونے والے وسیع عملی تجربے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ صرف ماؤ کے عقائد ہی صحیح عقاید ہیں۔ مارکس اور لینن کے فلسفے نے چین میں آ کر ان عقائد کی صورت میں جنم لیا ہے اور یہ سچائی کی علامت ہیں۔ لہٰذا اگر کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ اور کسی بھی سوال کے بارے میں غور کرتے ہوئے ماؤ کے عقائد کے بارے میں کسی شخص کا ایمان متزلزل ہوتا ہے تو خواہ وہ لمحہ بھر کے لئے ہی کیوں نہ متزلزل ہوا ہو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ شخص مارکس اور لینن کے فلسفے کی صداقتوں سے منحرف ہو گیا ہے۔ پھر اس کا طرزِ عمل بدل جائے گا اور وہ سیاسی غلطیوں کا مرتکب ہو گا۔ پس ہمیں چاہیے کہ ثابت قدمی سے اور ہمہ وقت چیرمین ماؤ کی پیروی کریں۔ ہمارا نعرہ یہ ہے: سو فی صد یقین کے ساتھ اور دل میں شک کی گنجائش پیدا کئے بغیر ماؤ کے نقش قدم پر چلو۔"

ماؤ کی فکر کے قطعی اور مطلق ہونے کا یہ اعلان حتمی ہے۔ کوئی شخص اس سے زیادہ کیا دعویٰ کرے گا۔ لیکن اس کے بعد کے دور میں ماؤ کی تصانیف کے مطالعہ میں جتنا وقت صرف کیا گیا اور جس جذبۂ خلوص کے ساتھ یہ مطالعہ کیا گیا اگر اسے پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ دَور پچھلے دور سے بھی بازی لے جاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس نئے رجحان کے آغاز کا تعین ستمبر سنہ ۱۹۶۲ء سے کیا جا سکتا ہے، جب چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا دسواں اجلاس ہوا تھا۔ جنوری سنہ ۱۹۶۱ء کے نویں اجلاس میں، عوام کو ان مٹھی بھر

غیر اصلاح یافتہ زمینداروں اور بورژوا عناصر سے خبردار کیا گیا تھا جو پھر غلبہ پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دسویں اجلاس میں اعلان کیا گیا کہ اس قسم کے رجحانات کی روک تھام کے لئے ایک طویل اور شدید طبقاتی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ نتیجہ کے طور پر ماؤ کی تصنیفات کے مطالعہ کے حق میں دلائل اور وعظ و نصیحت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ لوگوں کو ماؤ کی تخلیقات کو پڑھنے کی تلقین کی جانے لگی، تاکہ لوگ انقلابی جدوجہد کے لئے مستعد، اور طبقاتی دشمن سے چوکنے ہو جائیں۔ نوجوانوں کے سامنے یہ آدرش رکھا گیا کہ وہ انقلاب کی گاڑی کا بے داغ پرزہ بن جائیں، تاکہ وہ ان سماجی خطرات کے اثر سے محفوظ رہیں جو دوسرے ممالک میں مرکی طرزِ زندگی اور ترمیم پسند طرزِ فکر کی شکل میں نوجوانوں کو خراب کر رہے ہیں۔

اس خواہش کے ساتھ ساتھ کہ اُس کے ملک کے نوجوان بے داغ پرزے کی طرح حکم کے تابع ہوں، ماؤ یہ بھی چاہتا ہے کہ جو لوگ اس کے افکار کا مطالعہ کریں وہ شعوری طور پر اور برضا و رغبت کریں۔ شاید اس خواہش میں ہر متی والے زمانے کی گونج بھی شامل ہے، جب ماؤ نے اپنا نصب العین یہ بتایا تھا کہ ہم وطنوں کو کہنہ و فرسودہ سماجی رسوم کے بندھنوں سے نجات دلائی جائے۔ لیکن اس خصوصیت کے باوجود آج کی ماؤ پرستی آج سے پندرہ برس پہلے کی سٹالن پرستی سے بہت مشابہ نظر آتی ہے۔ سٹالن کی طرح ماؤ کو بھی قائد، ہادی اور قوم اور دنیا کی تاریخ میں علم کے ہر شعبہ میں عظیم ترین مردِ دانا کے القابات سے نوازا جا رہا ہے۔ سٹالن کی طرح ماؤ کی ثنا و صفت بھی نظموں، تصویروں اور تقاریر میں بیان کی جاتی ہے۔ مگر سٹالن سے اس مشابہت کا ایک اور پہلو بھی ہے، جو یہ ہے کہ دونوں ممالک کے مصنفین کی فکر و نظر میں بتدریج زوال آتا جا رہا ہے، اس لئے کہ ہر مصنف سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں اپنے قائد سے وابستگی کا اظہار کرے۔

اس کے باوجود چین میں صورتِ حال کچھ مختلف ہے۔ بے شک ماؤ کی شخصیت پرستی کی نشوونما کا طور وہی ہے اور اس کی نفسیاتی بنیادیں بھی وہی ہیں جو سٹالن کے روس میں تھیں لیکن چینی معاشرے کی ترقی میں اس شخصیت پرستی کا تاریخی فریضہ یقیناً بہت مختلف ہے۔ "پیپلز ڈیلی" کے بقول ماؤ کی فکر کے مطالعے سے نہ صرف انقلابی عمل میں مدد ملے گی بلکہ ماؤ کے قارئین پرولتاریت کے سانچے میں بھی ڈھلتے چلے جائیں گے۔ اس صورت میں یہ بیان اس خیال کا انتہا پسندانہ اظہار ہے کہ "داخل سے خارج وجود میں آتا ہے۔" پچھلے چند برسوں سے اس خیال کا چین میں بہت دور دورہ رہا ہے۔ اس لئے کہ اس خیال کی بنیاد

جس مفروضے پر ہے، وہ یہ ہے کہ جس شخص کے ہاں پرولتاری ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے وہ خود بخود پرولتاری بن جاتا ہے۔ اس بیان میں ایک حد تک سچائی بھی موجود ہے، بشرطیکہ ہم اس کا مطلب یہ لیں کہ جو ملک مارکسی فکر کو یا ماؤ کی فکر کو قبول اور جذب کر لیتا ہے وہ بالآخر پرولتاری بن جاتا ہے، اور پرولتاری ذہنیت کو جنم دیتا ہے۔ اگر کسی ملک میں اشتراکی صنعت کاری کا نظام ٹھونس دیا جائے تو وہاں کا سارا معاشرتی ڈھانچہ بدل جاتا ہے اور وہاں کے باشندے نئی تکنیکوں اور نئے فکری سانچوں میں باضابطہ طور پر شرکت کی بدولت نئے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ ان معنوں میں بلاشبہ ماؤ اور سٹالن دونوں نے اپنے اپنے ملک کو پرولتاری رنگ میں رنگنے میں بہت حصّہ لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ چین میں جو نظریاتی ادب پیدا ہو رہا ہے وہ اوسط درجہ کا ہی سہی لیکن اس کے ذریعے چند بنیادی خیالات کی ترویج ضرور ہو رہی ہے۔ یہ خیالات وہ ہیں جن سے مفر ممکن نہیں ہے اگر ایک روایتی زرعی معاشرے کا موجودہ زمانے کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا مقصود ہو۔ ان خیالات میں پہلا تو یہ عقیدہ ہے کہ آدمی اپنے ارادے اور شعور سے اپنی زندگی کے حالات کو تبدیل کر سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ آدمی کے اندر پرومیتھیس والی رگ موجود ہے جس کے طفیل وہ فطرت کو نئے قالب میں ڈھال سکتا ہے۔ سوویت یونین میں لوگوں کے ذہنوں میں مارکسیت کے بنیادی اصول جبراً سمونے میں سٹالن نے بھی یہی کردار ادا کیا تھا لیکن ایک اہم اور دوہرا فرق بدستور موجود ہے۔ روس ایک نیم یورپی ملک تھا اور ایک طویل مدّت سے مغربی یورپ کے تہذیبی اثرات کے زیرِ اثر رہا تھا۔ اس لئے وہاں پر اس بنیادی مارکسیت نے جو اثر ڈالا وہ چین جیسے ملک میں مرتب نہیں ہو سکتا تھا، جہاں لوگوں کی اکثریت کو کبھی بھی نئے قسم کے خیالات سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ گو سٹالن نے مارکسیت کی جو شکل پیش کی تھی اس پر جارجیا کے علاقائی پس منظر کی مذہبی تعلیم ضرور اثر انداز ہوئی تھی۔ تاہم شعوری طور پر اُس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی کہ مارکس اور لینن کے فلسفوں کی آفاقی صداقت کو مخصوص روسی صورتِ حال کے ساتھ یکجا کیا جائے۔ دوسری طرف ماؤ کی مارکسی فکر کی ممتاز ترین صفت ہی یہ ہے کہ وہ چینی رنگ روپ کی حامل ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ اسے قومیایا جا چکا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جس میں ماؤ کی عظمت بھی پنہاں ہے اور جہاں سے ماؤ کے تاریخی کردار کی مجبوریوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی عظمت اس امر میں ہے کہ اس نے مارکسیت کے نظریے اور عمل کو چین کے ماضی سے جنم لینے والے تصوّرات اور عمل کے سانچوں میں اس طرح سمو دیا ہے کہ مارکسیت اس کے دیس

والوں کے لئے قابلِ فہم اور قابلِ قبول بن گئی ہے۔ اس کی مجبوری اس بات میں ہے کہ وہ مارکسیت اور چینی افکار کا کوئی امتزاج پیدا نہیں کر سکا، بلکہ صرف ایک مرکب تیار کر کے پیش کر دیا ہے۔

ان باتوں سے ماؤ کی صلاحیتوں کا محاسبہ مقصود نہیں، یہ تو صرف ایک خارجی صورتِ حال کا اظہار ہے۔ وہ خلیج جو روایت پرست چین جس میں ماؤ پلا بڑھا، اور اس نئے معاشرے کی ذہنی اور تنظیمی ضروریات کے درمیان جو بیسویں صدی کے نصف آخر میں سائنس اور ٹیکنولوجی کی انتہائی ترقی یافتہ صورتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہا ہے، موجود ہے، اتنی وسیع ہے کہ کوئی آدمی اکیلا اسے نہیں پاٹ سکتا چینی کمیونسٹ پارٹی میں ماؤ کے چند ساتھی اور حریف اپنی تعلیم اور افتادِ طبع کی بنا پر اُن اقتصادی اور سیاسی اسباق کو جو جدید قالب میں ڈھلتے ہوئے چین کو سوویت یونین اور مغربی یورپ سے حاصل کرتے ہیں، اپنے اندر سمونے کی ماؤ سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے، لیکن اُن کی یہ اہلیت اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ان کی جڑیں چینی روایت میں زیادہ گہری نہیں تھیں اور ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیانی زمانے میں چینی معاشرے کے تقاضوں اور عزائم سے ان کا ربط نہیں تھا۔ اُن کے مقابلے میں ماؤ ان تقاضوں کا زیادہ گہرا شعور رکھتا تھا، اسی لئے اُس میں اپنے مخصوص کردار کو جو اس نے ادا کیا ہے، نبھانے کی زیادہ صلاحیت موجود تھی۔ ماؤ آج یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ زمانہ جب اُس کے افکار اور طریق ہائے کار چین کے تقاضوں سے ہم آہنگ تھے، اختتام پذیر ہو چکا ہے۔ شاید اسی لئے بار بار پہلے سے زیادہ زور شور سے اور باضابطہ طور پر مہم چلا کر یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی تحریر کا ایک ایک لفظ آج بھی درست ہے۔ اور اس کی چھاپہ مار جنگ کے تجربے سے جتنے بھی اسباق حاصل ہوئے ہیں، آج بھی قابلِ اطلاق ہیں۔

ان مہمات میں آزاد عوامی فوج اور اس کے سربراہ مارشل لن پیاؤ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ بات ماؤ کے ذہن اور چینی انقلاب میں فوج کے عمل دخل کا قدرتی نتیجہ ہے۔ ہم یہ تو دیکھ چکے ہیں کہ ماؤ کی اقتدار حاصل کرنے کی کوششوں میں سرخ فوج نے بہت حصہ لیا تھا۔ اس فوج نے کمیونسٹ پارٹی کی جگہ لے کر پرولتاری عزم و ارادہ کی تجسیم کی ہو یا نہ، بہرحال اس کی حیثیت محض پارٹی کے آلۂ کار سے کہیں زیادہ تھی۔ فوج کو قومی اور معاشرتی انقلاب کے لئے تیار کرنے کی خاطر ماؤ نے تعلیم و تربیت کے نئے طریقے وضع کئے تھے، اور فوج کے دستوں کو دوسرے علاقوں میں پھیلانے سے قبل ان طریقوں کو اُن پر آزمایا جاتا تھا۔ یوں چینی اشتراکیت کی تاریخ میں جس ادارے نے سب سے پہلے عوام کو نئے نظریاتی

قالب میں ڈھالنے کا فرض انجام دیا وہ یہی فوج تھی اس کے علاوہ ماؤ فوج کو قربانی اور ایثار کے خواص کا فطری مخزن بھی سمجھتا ہے اور یہ دونوں خواص وہ ہیں جو ہر سچی انقلابی تحریک کو معتبر اور مستند بناتے ہیں۔ فوج کا ایک قدرتی میلان یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ نظم وضبط اور اجتہاد کو اکٹھا کر کے چلتی ہے۔ اور ماؤ کی مستقل وابستگی اسی بات سے رہی ہے کہ ان دونوں اوصاف کو اکٹھا کیا جائے۔ اس لئے اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ پچھلے چند برسوں میں چینی نوجوانوں کے سامنے جو مثالی شخصیتیں پیش کی گئی ہیں وہ سپاہیوں کی ہیں۔ پہلے لی فنگ کی مثال نوجوانوں کے ذہن نشین کرائی جارہی تھی اب حال ہی میں انگ چی کو بھی بطورِ مثال پیش کیا جارہا ہے، اور دونوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دلیری اور خود اعتمادی کی تصویر تھے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ چیئرمین ماؤ کے اچھے شاگرد بھی تھے۔

بہر حال لن پیاؤ کو ۱۹۶۵ء کے اواخر سے جو غیر معمولی اہمیت دی جارہی ہے کہ وہ ماؤ کی فکر کا مستند ترین مفسر ہے، اور عوام اور اُن کے نیم پیغمبرانہ رہنما ماؤ کے درمیان وسیلہ ہے، اس اہمیت کے پیشِ نظر کچھ اہم امکانات پیدا ہوتے ہیں کہ شاید فوج منظم طور پر چین کی سیاسی روش میں مداخلت کرتے اس بات کے پیشِ نظر کہ چینی کمیونسٹ پارٹی کے چوٹی کے تمام رہنما (خود ماؤ سمیت) لڑائی کا براہِ راست تجربہ رکھتے ہیں، قرینِ قیاس یہ ہے کہ پارٹی اور فوج دونوں میں ایک ایسا گروہ موجود ہے جو چھاپہ مار دل والی ذہنیت رکھتا ہے۔ اور لن پیاؤ پوری فوج کے سربراہ کی حیثیت کا حامل ہونے کی بجائے فوج میں اس چھاپہ مار گروہ کا سرکردہ ترجمان ہے۔ لیکن اس پہلو پر فی الحال کوئی قطعی رائے قائم کر لینا انتہا درجے کی کوتاہ عقلی ہوگی۔

بہر حال ان رجعت پسند شیطانوں اور عفریتوں کے خلاف جو ماؤزے تنگ کی بتائی ہوئی صحیح راہ کی مخالفت کی جسارت کرتے ہیں، مستقل شور و ہنگامہ ہو رہا ہے حال ہی میں یہ شور و ہنگامہ اس انتہا پر پہنچ گیا کہ پنگ چن کو اس کے عہدے سے الگ کر دیا گیا اور ادیبوں اور دانشوروں کے حلقے میں موجود ایسے لوگوں کی نہایت شد و مد سے تلاش شروع ہو گئی۔ امکان یہ ہے کہ پارٹی کے بعض سرکردہ اشخاص بھی زد میں آئیں گے۔ سرکاری طور پر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ تطہیر کا یہ منصوبہ نومبر ۱۹۶۵ء میں خود چیئرمین ماؤزے تنگ اور کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی سربراہی میں شروع ہوا تھا۔ لیکن اس اعلان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا خود ماؤ تے یہ کاروائیاں شروع کی ہیں یا دوسروں نے ماؤ کے نام پر جواب خود ایسی کاروائیوں

کے قابل نہیں، یہ اقدام اٹھائے ہیں۔

"جماعت دشمن گروہ" کی "مجرمانہ نہج" کے خلاف جو مہم شروع کی گئی تھی اور جو روس دشمنی کا رنگ لئے ہوئے تھی، ماؤ کی روش کے عین مطابق تھی۔ مگر دانش وروں کی مخالفت میں جو پالیسی اختیار کی گئی ہے وہ ماؤ کے اسلوب سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ ۱۹۴۲ء میں جب ادب و فن کے بارے میں اجتماع ہوا تھا تو ماؤ نے اس بات پر بہت زور دیا تھا کہ ادیبوں کو عوام کے لئے لکھنا چاہیے۔ لیکن ذرا اس استعارے پر غور کیجئے: "ہمیں اپنی ادبی اور فنی تنقید کو خنجر اور دستی بموں میں ڈھال لینا چاہیے۔" یہ چھاپہ مار سارجنٹ کی زبان ہے، جو صرف اتنا ہی جانتا ہے کہ ایک طرف ہتھیار بند کامریڈ ہوتا ہے اور دوسری طرف دشمن ہوتا ہے جسے فوراً ختم کر دینا چاہیے پیشتر اس کے کہ وہ دوسروں کو ختم کر ڈالے۔ پھر اگر کوئی چیلا اپنے رہنما کے مقدس کلمات کو بے انتہا وقعت دے تو یہ اس امر کا واضح اظہار ہے کہ طے شدہ طور پر متعین، سیدھے سادے اصولوں کی آنکھیں بند کر کے پیروی کرتا ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تجاوزات اس عمر رسیدہ رہنما کی کارفرمائی پر مبنی ہوں جس کے دل میں اقتدار چھن جانے کا خوف جاگزیں ہو چکا ہو۔

ایگنیز سمیڈلی نے آج سے تیس برس پہلے ماؤ کے متعلق یہ کہا تھا کہ "اس کی روح اپنے آپ میں مگن ہے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہے۔" اس قسم کی لاتعلقی کا بالآخر یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ حقیقت سے انسان کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور وہ کسی قسم کی مخالفت کو بھی، خواہ وہ پرانے اور وفادار دوستوں کی طرف سے ہو، برداشت نہیں کر سکتا۔

اس شک کو کہ ماؤ کو حالات پر قابو نہیں رہا ہے جو بات سب سے زیادہ تقویت پہنچاتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کو بار بار چیانگ کائی شیک کے حملے اور ہنگری کی طرح کی شورش سے خبردار کیا جاتا ہے۔ اگر ماؤ ہنوز کوئی موثر کردار ادا کر رہا ہے تو پھر نظام حکومت کے استحکام کے بارے میں یہ گھبراہٹ کس لئے؟ یہ بات بھی نہایت تعجب خیز ہے کہ اس وقت چین کو جو سیاسی بحران درپیش ہے اور جسے سرکاری طور پر انتہائی سنگین بحران قرار دیا گیا ہے، اس میں ماؤ نے مداخلت نہیں کی ہے، حتیٰ کہ کوئی تحریری بیان بھی جاری نہیں کیا۔ دوسری طرف یہ صورت بھی ہے کہ اگر "ترقی کی خاطر جست" کی نئی مہم کو جامۂ عمل پہنایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پچھلے چند برسوں سے انقلابی نظریہ اور دور اندیشی اور عملیت پر مبنی اقتصادی پالیسی میں جو تضاد ہے، وہ ختم ہو جائے گا اور ترقی کے لئے وہی طریقے اختیار کئے جائیں گے جو ماؤ

کو مرغوب ہیں۔

اس صورت حال کا ذمہ دار کوئی بھی ہو، ایک بات بہر حال یقینی ہے کہ چین کے حالات بیک وقت دو اطراف میں رجوع کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو اندرونی سیاسی کشمکش کا دور ہے جس کی ماؤ کے اقتدار سنبھالنے سے اب تک کوئی نظیر نہیں ملتی۔ دوسرے مخصوص گوریلا طرزِ عمل اور عوام کی قدرتِ کاملہ میں اعتقاد کا پہلے سے کہیں زیادہ شدید اظہار ہے۔ واضح رہے کہ عوام کی مکمل قدرت میں اعتقاد ہمیشہ سے ماؤ کی فکر کا امتیازی وصف رہا ہے۔ لیکن ان دونوں کے باوجود یہی ہوتا نظر آتا ہے کہ بالآخر ماؤ کی ہنگامہ آفریں پالیسیوں کی جگہ ایسا لائحہ عمل اختیار کیا جائے گا جو جدید صنعتی معاشرے کی معقولیت سے بہتر طور پر ہم آہنگ ہو — اُس معقولیت سے جو بے کیف تو ہے مگر کارکردگی کے لحاظ سے بہت اہلیت کی حامل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چند برسوں کے بعد اس کے جانشین ماؤ پرستی کی مذمت شروع کر دیں، خصوصاً اگر "ترقی کی طرف جست" کی نئی مہم کی ناکامی کا بوجھ کسی شخص پر ڈالنے کی حاجت ہوئی — لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی انقلابی فتوحات اور کارناموں کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔

یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ جس طرح مارکسیت یورپ کے حالات کے زیرِ اثر تبدیل ہوئی ہے، اسی طرح چین اور عالمی حالات کے زیرِ اثر شاید "چینی مارکسیت" میں بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہوں۔ مارکس نے اپنے نظام کی ساری حرکت و توانائی کی بنیاد پرولتاری طبقے کی انقلابی طاقت کو بنایا تھا۔ مارکس کے مطابق یہ طبقہ موجودہ معاشرے میں باقی سب طبقوں سے مکمل طور پر علیحدہ اور معاشرے کی اقتصادی ترقی کے ثمر سے بالکل محروم رہتا ہے۔ اگر آج کل یورپ اور امریکہ کی ترقی یافتہ صنعتی اقوام میں مارکس کا یہ نظریہ روز بروز بے معنی ہوتا جا رہا ہے تو اس کی بنیاد دو اسباب پر ہے۔ ایک تو یہ کہ مزدور طبقہ اسی مناسبت سے معاشرے کے اقتصادی منافع میں حصہ دار بنتا جا رہا ہے اور دوسرے اس طبقہ میں موجودہ معاشرے کے ساتھ مماثلت کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ مارکسیت نے ناانصافی کی طرف توجہ دلا کر خود ہی اپنے اثر کو زائل کرنے کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ مارکس نے شہری مزدور طبقہ کو مجموعی طور پر معاشرے کا نجات دہندہ قرار دے دیا تھا۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ ماؤ نے اس طبقہ کی حیثیت ایک بیرونی پرولتاری طبقہ یعنی ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے

عوام کو تفویض کر دی ہے۔ جس طرح امریکہ اور یورپ میں مزدور طبقہ کے معاشرے میں مدغم ہو جانے پر موجودہ معاشرے کے خلاف مارکسی احتجاج بڑی حد تک اپنے معنی کھو بیٹھا تھا، اسی طرح یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ چین اگر عالمی برادری کا حصہ بن جائے تو سامراج کے غلبے کے خلاف ماؤ کا احتجاج بھی بہت حد تک زور و اثر کھو بیٹھے گا۔ اور جس طرح مغربی معاشرے میں مارکسی انقلابی تحریک کا توڑ جبر کی بجائے اصلاح کرکے کیا گیا تھا، اسی طرح ماؤ کے چیلنج کا مؤثر جواب فوجی ناکہ بندی کی بجائے یہ ہوگا کہ چین کو اقوامِ عالم کی برادری میں شامل کرنے کے لئے مثبت اقدام کئے جائیں، تاکہ چین کے عوام عالمی وسائل میں سے اپنا جائز حصہ حاصل کرکے اُس سے استفادہ کر سکیں۔ لہٰذا موجودہ نظام سے یکسر انکار کرکے ممکن ہے کہ مارکسیت کی طرح ماؤ ازم بھی تدریجی تبدیلی کے ایک ایسے عمل کی ابتدا کر دے، جس کے نتیجے میں جنگ بالآخر غیر ضروری سی چیز نظر آنے لگے۔

حالات کی موجودہ تبدیلی کے پسِ پشت عوامل کوئی سے بھی ہوں، ماؤ کے لئے قابلِ قبول اور اطمینان بخش نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ وہ نہ صرف اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ اپنے ملک کی تاریخ پر اپنا نقش ثبت کر جائے، بلکہ وہ یہ بھی چاہے گا کہ آنے والی صدیوں کے لئے تاریخ کا طرزِ عمل بھی متعین کر جائے۔ تاہم ماؤ نے ایک موقعہ پر جب وہ بے تکلفی سے (اور شاید غیر معمولی بصیرت کے ساتھ) گفتگو کر رہا تھا یہ کہا تھا کہ چین کی آنے والی نسلیں انقلاب کے کام کی قدر و قیمت کا تعین اپنے تجربے اور اپنی اقدار کی مناسبت سے کریں گی۔ جنوری ۱۹۶۵ء میں اس نے ایڈگر سنو سے کہا تھا کہ اب سے ایک ہزار سال بعد شاید مارکس اور لینن بھی کسی قدر مضحکہ خیز نظر آئیں گے۔ اب سے صدیوں بعد مارکس کی طرح شاید ماؤ بھی داستانِ پارینہ بن جائے، تاہم ایک بات طے ہے کہ اُسے فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ اور ایک آدمی اس سے زیادہ کیا خواہش کر سکتا ہے۔

داستانِ مغلیہ

عہدِ مغلیہ کے بارے میں ہم جو اطالوی مؤرخ "حکیم" نکولاؤ مانوچی کی کتاب سے اقتباس جس میں عہدِ عالمگیری کے سیاسی واقعات، مقامی مہمات، دربار کے حالات اور اس عہد کے معاشرتی ماحول کی عکاسی کی گئی ہے۔

ترجمہ : سجاد باقر رضوی

○

ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ

جدید عہد کے محسنوں میں چند عظیم ناموں کے ساتھ ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ کا نام بھی آتا ہے۔ انسانی لاشعور کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر کر فرائڈ نے انسانی زندگی کو ایک نئی بُعد عطا کی۔ ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ کے سوانح اور فن پر ارنسٹ جونز کی کتاب ہمارے لئے یوں اہم ہے کہ عظیم انسان کی بصیرت سے ہم اپنی بصیرت کا چراغ روشن کرتے ہیں۔

تلخیص و مقدمہ : ڈاکٹر محمد اجمل

ترجمہ : جیلانی کامران

سٹیورٹ شریم ۱۹۲۴ء میں امریکہ کے شہر مِنی سوٹا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۴۴ء میں مِنی سوٹا یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ اور پھر ۱۹۵۴ء میں کولمبیا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ اس کے بعد سے وہ پیرس میں فوانداسیوں ناشیونل دے سائینسے پالی تیک کے سنتر دا ایتودے ریلاسیوں انترناشیونل (شعبۂ تعلقاتِ بین الاقوامی) میں تحقیق پر مامور ہیں۔ وہاں وہ ھیلن کاریردا اینکوس کے ساتھ چینی اور روسی امور پر کام کرتے ہیں۔ تحقیقات میں ان کی بنیادی دلچسپی اشتراکی ممالک کی سیاست پر نظریات کے اثرات اور لینن کے تصورات کی تاریخ اور ایشیائی ممالک میں کمیونسٹ تحریک پر ان اثرات کے اِطلاق سے ہے۔

سٹیورٹ شریم نے "ماؤزے تنگ کے سیاسی نظریات" اور ھیلن کاریردا اینکوس کے اشتراک سے "ایشیائی مارکسیت ۱۸۵۳ء/۱۹۶۴ء" دو کتابیں تصنیف کی ہیں۔

تحقیق کے علاوہ سٹیورٹ شریم موسیقی، شاعری اور تھیٹر میں دلچسپی رکھتے ہیں اور طبعاً فطرت پسند ہیں۔